سراج الہدیٰ

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونیوالا (دو ماہی)
دینی و علمی مجلہ

# زمزم

جلد ۸ | محرم، صفر ۱۴۲۶ھ | شمارہ ۱

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازیپوری

سالانہ چندہ ———— ۷۰/ روپے
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

پتہ

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ غازیپور یوپی

پن کوڈ۔ ۲۳۳۰۰۱

فون نمبر ۰۵۴۸۔۲۲۱۰۵۷

# فہرستِ مضامین

# اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لیجئے بحمدہ تعالیٰ زمزم نے اپنا ساتواں سال پورا کرلیا اور اس شمارہ سے اس کا قدم آٹھویں سال میں داخل ہوگیا ہے۔ الحمدللہ زمزم ان چند گنے چنے دینی پرچوں میں سے ہے جو پابندی وقت سے شائع ہوتا رہا ہے، اور ان سات سالوں میں اس کا ایک شمارہ بھی ناغہ نہیں ہوا، اور نہ ایک شمارہ کو دو شمارہ بناکر پیش کیا گیا، یہ محض اللہ کا فضل اور اس کی توفیق کی بات ہے، ورنہ انسان تو قدم قدم پر موانع و مشکلات سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ حوادث کی آندھیاں اس کا قدم روکتی ہیں، زمزم بھی ان حوادث کا شکار رہا، اور کبھی ایسا محسوس ہوا کہ زمزم کا سفر جاری نہیں رہ سکے گا مگر اللہ نے فضل فرمایا اور زمزم نے بڑی پامردی اور استقامت سے اپنا سفر جاری رکھا۔

بلاشبہ اس کامیابی میں اللہ کی مہربانیوں اور اس کی تائید و توفیق کے بعد زمزم کے بعض ان مخلصین کا بھی زبردست ہاتھ ہے جنھوں نے زمزم کی مالی مشکلات پر قابو پانے کیلئے ادارہ زمزم کا بیش قیمت تعاون فرمایا، اگر ان محسنین و مخلصین کی اجازت ہوتی تو طبیعت کا یہی تقاضا تھا کہ ان کا نام ظاہر کردیا جائے، مگر ان کا جذبہ اخلاص اس کو گوارہ نہیں کرتا کہ اشارہ کنایہ میں بھی ان کی شخصیت کا اظہار کیا جائے۔ ادارہ زمزم اپنے ان محسنین کا بے حد شکر گذار ہے اور ان کی عمر و صحت و علم میں برکت کی دل سے

معاف کرتا ہے۔

جہاں کچھ ایسے محسنین زمزم کو اللہ نے عطا کئے وہیں زمزم کے خریداروں کی بہت بڑی تعداد ایسے بھائیوں کی بھی ہے جن کے ذمہ زمزم کا بقایا کئی کئی سال کا ہے، ان کو بار بار متوجہ کیا گیا مگر چند کے علاوہ کسی نے بھی اس پر کان نہیں دھرا، مجبوراً ان کے نام زمزم کا بھیجنا بند کر دیا گیا، ایسے دوستوں کی تعداد تقریباً دو سو کی ہے، زمزم کا بھیجنا اگرچہ ادارہ نے بند کر دیا ہے مگر ان کے ذمہ زمزم کی جو بقایا رقم ہے اس کی ادائیگی ان کے ذمہ واجب ہے، قرض ادا نہ کرنا بہت بڑا ظلم ہے، خصوصاً ان کو ضرور اس پر توجہ کرنی چاہئے جو قدرت کے باوجود زمزم کا بقایا ادا نہیں کر رہے ہیں، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مطل الغنی ظلم یعنی صاحب قدرت کا قرض کے بارے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

اور جو واقعی زمزم کے بقایا کی ادائیگی پر قادر نہیں ہیں تو ادارہ زمزم ان کے بارے میں اعلان کرتا ہے کہ ادارہ نے ان کا قرض معاف کر دیا، یہ اعلان اسلئے کیا جا رہا ہے تاکہ وہ آخرت کے مواخذہ سے محفوظ رہیں۔

---

چونکہ زمزم کے خریداروں کی ترتیب بالکل بدل گئی ہے، اس وجہ سے اس شمارہ پر جو خریداری نمبر ہے وہی اب اصل ہے، اس کو نوٹ کر لیا جائے اور خط و کتابت کرتے وقت یا منی آڈر روانہ کرتے وقت اس کا حوالہ ضرور دیا جائے، پرانے خریدار حضرات خریداری نمبر کے بغیر منی آڈر سے رقم ہرگز روانہ نہ کریں۔

---

زمزم الحمد للہ ملک کے مختلف حصوں میں جاتا ہے اسی طرح اس کی بڑی تعداد پاکستان، لندن، ساؤتھ افریقہ، امریکہ، بنگلہ دیش وغیرہ ملکوں میں بھی جاتی ہے اس وجہ سے ادارہ میں خطوط کی آمد بہت بڑھ گئی، سب خطوط کا جواب دینا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لئے ضروری خط و کتابت کے علاوہ زمزم کے خریداروں سے

گذارش ہے کہ مدیر زمزم کو ہرگز خط نہ لکھیں، اندرون ملک سے جو حضرات خط لکھتے ہیں برائے کرم جوابی لفافہ یا جوابی کارڈ ضرور روانہ کریں، بصورتِ دیگر اگر جواب نہ دیا جائے تو ان کو شکایت ہرگز نہیں ہونی چاہئے کہ ضابطہ میں جواب دینا مکتوب الیہ کی ذمہ داری نہیں ہے۔

---

بعض حضرات انہیں مسائل پر بار بار لکھنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں جن پر زمزم میں لکھا جا چکا ہے، برائے کرم یہ سلسلہ بند کیا جائے، اور ادارہ زمزم سے شائع ہونے والی کتاب ۔ ارمغان حق ۔ کا ایک نسخہ ضرور اپنے پاس باذوق حضرات رکھیں، اس کتاب میں زمزم کے چھ سالہ شماروں کے اہم مضامین کو جمع کر دیا گیا ہے، اور تقریباً تمام اہم اختلافی مسائل پر اس کتاب میں گفتگو موجود ہے ۔ رد غیر مقلدیت پر اتنی جاندار اور عام فہم کتاب کوئی دوسری کم ہی ہوگی ۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا غیر مقلدیت کے جال میں مشکل سے پھنسے گا۔

---

زمزم میں اعلان کیا جا چکا ہے کہ ادارہ میں افراد کی کمی کی وجہ سے کتابوں پر تبصرہ کیلئے وقت نکالنا بہت دشوار ہے، اس کے باوجود بہت سے لوگ برائے تبصرہ اپنی کتابیں بھیجتے ہیں، اور جب تبصرہ شائع نہیں ہوتا ہے تو ان کو شکایت ہوتی ہے۔
ادارہ زمزم اس وقت بڑی مشکل میں پڑ جاتا ہے جب یہ کتابیں ایسے افراد یا ایسے ادارہ سے آتی ہیں جن سے مدیر زمزم کا خاص تعلق ہے، ان کی محبتوں کا تقاضا ہوتا ہے کہ ان کی مرسلہ کتابوں پر تبصرہ کیا جائے، اور وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی ہے کہ کتاب پڑھی جائے، اور بلا کتاب پڑھے تبصرہ کرنا دیانت کے خلاف ہے، اسلئے ایک بار پھر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ادارہ زمزم میں تبصرہ کیلئے کتابیں ہرگز نہ بھیجیں، زمزم میں کتابوں پر تبصرہ نہیں ہوتا ہے۔

---

الحمدللہ زمزم کے مضامین اور مکتبہ اثریہ کی طرف سے شائع ہونے والی کتابوں نے غیر مقلدیت کے تار پود بکھیر دیئے ہیں، دلائل کے میدان میں غیر مقلدین بے دم ہوگئے ہیں، اب ان کا کام صرف شر و فساد کی باتیں کرنا رہ گیا ہے، جاہلوں کو اپنے دام فریب میں کرنے کیلئے ان کے مختلف ہتھکنڈے ہیں، اب وہ انہیں کے سہارے یہ اپنی دعوت و تبلیغ کا کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔ پڑھا لکھا طبقہ ان کے پاس نہیں جاتا۔ دین دار طبقہ تو ان سے بہت دور رہتا ہے، آوارہ مزاج اور آزاد مزاج قسم کے لوگ جن پر دین و شریعت کی پابندی گراں ہے وہی غیر مقلدین کے جال میں پھنستے ہیں۔ غیر مقلدین اسی کو بڑی کامیابی سمجھتے ہیں، حالانکہ کسی جماعت میں جاہلوں بے دینوں اور آزاد فکروں کی شمولیت سے اس جماعت کی بے قدری ظاہر ہوتی ہے۔ کوئی اللہ اللہ کرنے والا اصحاب الفکر والذھن، اللہ و رسول کا شیدائی و عاشق، دین کی تعلیمات سے واقف غیر مقلدیت کے قریب نہیں جاتا، آپ اس کا تجربہ کریں اور اپنے اپنے علاقوں میں ان لوگوں کی فہرست تیار کریں جن پر غیر مقلدوں نے جال پھینکا ہے، اور انہیں غیر مقلد بنایا ہے، آپ کو سو فی صد ایسے ہی لوگ ملیں گے جن کا میں نے اوپر تذکرہ کیا ہے یہ غیر مقلدیت کا پھیلاؤ نہیں ہے، اس کا سمٹاؤ ہے۔ اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ والے اور دین سے تعلق رکھنے والے اور دینی اخلاق و کردار کے مالک لوگ اگر کسی جماعت میں شامل ہو کر اس میں باقی رہتے ہیں تو ان کی شمولیت اس جماعت کی حقانیت کی دلیل ہوگی، بدراہوں، آزاد فکروں اور آوارہ مزاج قسم کے لوگوں کی شمولیت سے کسی جماعت کی حقانیت کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ جس جماعت میں ایسے لوگوں کی تعداد بڑھے تو یہ واضح علامت ہے کہ وہ جماعت صراط مستقیم پر نہیں ہے اور وہ یداللہ علی الجماعۃ کی بشارت نبوی سے محروم ہے۔

مجھے یہ بات اس لئے کہنی پڑی ہے کہ بہت سے لوگ میرے پاس خط میں لکھتے ہیں کہ فلاں فلاں علاقہ میں غیر مقلدین کی تعداد بڑھ رہی ہے، اور اس پر وہ اپنی پریشانی کا

اظہار کرتے ہیں، حالانکہ ان حضرات کو غیر مقلدیت اختیار کرنے والے افراد کا جائزہ لینا چاہئے کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں، دیندار طبقہ سے ان کا تعلق ہے یا بے دین طبقہ سے، دین و شریعت کا علم رکھنے والے یہ لوگ ہیں یا یہ دین و شریعت کے علم سے محروم ہیں، اگر دوسری قسم کے لوگ ہیں تو غیر مقلدیت کی تعداد میں اضافہ سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں ان کیلئے ازراہ ہمدردی دعا کی ضرورت ہے کہ اللہ ان کو اکابر و اسلاف والے راستہ پر لگادے۔

## حق اور ناحق کے پہچان کا ایک سہل طریقہ

اللہ تعالیٰ نے جماعت دیوبند کو مہتدی اور بڑی معتدل جماعت بنایا ہے، اس جماعت میں کتاب و سنت پر عمل کرنے کا سچا جذبہ ہے، خدا سے سچی محبت اور اس کے رسول سے سچا عشق ہے، صحابہ کرام کا بڑا احترام ہے ائمہ فقہ و حدیث سے واقعی عقیدت اور ان کی خدمات کا سچا اعتراف ہے، اہل تصوف اور اہل احسان سے ربط و تعلق ہے، اور ان کی لافانی خدمات کا اس جماعت میں ممنونیت کا جذبہ ہے، یہ جماعت ہر طرح کے افراط و تفریط سے پاک صاف جماعت ہے، اس کا راستہ وہی ہے جو اسلاف کا راستہ تھا یعنی صراط مستقیم پر اگر موجودہ کوئی جماعت ہے تو وہ صرف دیوبندی جماعت ہے۔

اس کے مقابلہ میں اس وقت دو جماعت ہے، ایک تو غیر مقلدین کی جماعت اور دوسرے اہل بدعت یعنی بریلوی جماعت، کچھ مسائل غیر مقلدین کی جماعت میں حق ہیں اور کچھ چیزیں بریلوی مذہب میں حق ہیں، اسی طرح کچھ غیر مقلدین کے مذہب میں غلط مسئلے اور باطل عقیدے ہیں اور کچھ باطل عقیدے اور باطل چیزیں بریلوی مذہب میں ہیں۔

یہ معلوم کرنے کیلئے کونسی باتیں غیر مقلدین کے مذہب میں حق ہیں اور کونسی باتیں ناحق ہیں۔ اور بریلوی مذہب میں کیا صحیح ہے اور کیا غلط، دیوبندی جماعت معیار اور پیمانہ ہے

دیوبندی جماعت جن مسائل اور عقیدوں میں ان دونوں جماعت میں سے جس کی طرف لگی ہو وہ مسائل اور عقیدے حق ہوں گے اور جن کا دیوبندی جماعت انکار کرے گی وہ مسائل اور عقیدے غلط ہوں گے۔ مثال کے طور پر آپ دیکھیں کہ بریلوی مذہب میں اجماع حجت ہے، قیاس شرعی دلیل ہے، تصوف حق ہے۔ اللہ والوں کی کرامت برحق ہے، اللہ جہت و مکان سے پاک اور منزہ ہے، جمعہ کی پہلی اذان درست ہے، تین طلاق ایک مجلس کی تین ہوتی ہے، امام کے پیچھے مقتدی قرأت نہیں کریگا۔ ان تمام مسائل میں غیر مقلدین کا مذہب دوسرا ہے، مگر دیوبندی جماعت ان مسائل میں بریلوی مذہب کی تائید کرتی ہے اور ان کا بھی وہی مذہب و عقیدہ ہے جو بریلویوں کا ہے، تو اب ان مسائل اور عقیدوں میں بریلوی حق پر ہوں گے اور غیر مقلدین کا مذہب غلط ہوگا۔

نیز دیکھئے کہ غیر مقلدین کے یہاں قبر پر چادر چڑھانا، تیانہ فاتحہ، قبر کا طواف اور اس کو سجدہ کرنا، غیر اللہ سے مدد مانگنا اور غیر خدا کو مختار کل یا ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا حرام اور شرک ہے، لیکن بریلویوں کے یہاں یہی چیزیں اصل دین ہیں اور انکی پہچان ہیں، مگر یہاں دیوبندی مذہب غیر مقلدین کی تائید کرتا ہے، تو ان امور مذکورہ میں غیر مقلدین حق پر ہوں گے اور بریلوی گمراہ اور باطل پر ہوں گے۔

غرض حق کے متلاشی کیلئے جماعت دیوبند کا عقیدہ و مذہب ایک معیار ہے جس کے ذریعہ سے حق کو بڑی آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے، اسلئے کہ اس مذہب میں کوئی کھوٹ اور غلط چیز نہیں ہے، جبکہ غیر مقلدین نہ پورے طور پر اہل حق ہیں اور نہ بریلوی پورے طور پر اہل حق ہیں، اس وجہ سے جسکو حق کی تلاش ہو اور صحیح دین پر چلنے کا جذبہ ہو اسے دیوبندی مذہب اور دیوبندی جماعت کو پیمانہ بنا لینا چاہئے، انشاء اللہ ایسا انسان صراط مستقیم سے بھٹکے گا نہیں اور اکابر و اسلاف کی راہ پر رہے گا۔ مجھے بتلانے کی اسلئے ضرورت پڑی کہ بہت سے حضرات مجھ سے پوچھتے ہیں کہ فلاں جماعت کیسی ہے اور فلاں جماعت کیسی ہے، حق کیا ہے؟ تو اب حق جاننے کی ایک عام پہچان انکو بتلا دی گئی۔

وللہ الحمد اولاً و آخراً

محمد ابوبکر
غازی پوری

# نبوی ہدایات

(۱) حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن سیکھو اور اس کو پڑھتے رہو، وہ دلوں سے بہت جلد نکل جانے والی چیز ہے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ قرآن کا سیکھنا بھی ضروری ہے اور اس کا محفوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ اگر انسان حافظ ہے تو اس کا حفظ باقی رہنا چاہئے اور اگر حافظ نہیں ہے تو قرآن کا صحیح پڑھنا برقرار رہنا چاہئے: اور اس کا طریقہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ آدمی قرآن کی تلاوت برابر کرتا رہے، اس سے حافظ کا حفظ باقی رہے گا۔ اور ناظرہ خواں کی روانی باقی رہے گی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی آگاہ کر دیا کہ قرآن کی تلاوت چھوڑ دینے سے قرآن بہت جلد بھول جائے گا اسلئے کہ وہ آدمی کے سینہ سے بہت جلد نکل جاتا ہے۔ اور اس کی معنوی وجہ یہ ہے کہ قرآن خدائے پاک کا کلام ہے اور خدا بڑا غیور ہے اس کی غیرت اس کو گوارا نہیں کرے گی کہ جو آدمی اس کے بابرکت کلام سے بے توجہی کرے تو خدا اپنے کلام کو اس کے سینہ میں باقی رکھے۔

(۲) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جو لہسن اور پیاز کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب مت ہوئے۔

بھی پیاز اور لہسن کی بو آدمی کو تکلیف دیتی ہے، نمازی اس سے تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ ہر وہ عمل جس سے نمازیوں کو تکلیف ہو وہ ممنوع اور حرام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی الفاظ یہ ہیں فلا یقربن مسجدنا ھذا یعنی وہ ہرگز ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ ہو، نماز پڑھنا تو الگ بات ہے ایسے شخص کو مسجد کے قریب آنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔

جو حکم لہسن اور پیاز کا ہے وہی حکم بیڑی اور سگریٹ کا بھی ہے، بیڑی اور سگریٹ کی بھی بو دوسروں کو تکلیف دیتی ہے۔ اس لئے بیڑی اور سگریٹ پی کر کے بھی منہ کی صفائی کئے بغیر مسجد میں جانا جائز نہ ہوگا۔

مسجد میں آدمیوں کے علاوہ ایک مخلوق فرشتوں کی بھی ہوتی ہے، فرشتہ بڑی لطیف طبیعت کا مالک ہوتا ہے، فرشتوں کو گندی بو سے اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ نمازیوں کو اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے، ورنہ نماز پڑھنے کی برکت سے محروی رہے گی، آجکل لوگ اس کا دھیان بہت کم رکھتے ہیں۔

وضو میں مسواک کرنے کو جو مسنون قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ اس سے منہ کی صفائی ہو جاتی ہے اور منہ کی گندگی کا ازالہ ہوتا ہے۔ لوگوں کی دین سے غفلت اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ اب ان باتوں کی ان کے نزدیک کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہ گئی ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من افطر یوماً من غیر رخصۃ لم یجزہ صیام الدھر یعنی جس نے بلا عذر شرعی رمضان کے ایک دن کا بھی روزہ قضا کیا تو اس ایک دن کا بدلہ ساری عمر کا روزہ بھی نہیں سکے گا۔

یعنی رمضان کا روزہ بلا عذر شرعی چھوڑنا ممنوع اور حرام ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اب وہ اپنی پوری زندگی بھی اس کے عوض روزہ رکھے گا تو وہ خیر و برکت جو

رمضان کے ایک روزہ کی تھی غیر رمضان کے پوری عمر کے روزہ میں حاصل ہونیوالی نہیں ہے۔

اصل میں رمضان کی ایک ایک گھڑی بڑی بیش قیمت اور بے بہا ہے اس کا عوض دوسرے ایام و شہور کے اوقات نہیں بن سکتے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج ہم نے ان عبادتوں کی قیمتوں کو اپنے عمل سے بہت گھٹا دیا ہے، آج بڑے دھڑلے سے اور بڑی بے حیائی سے رمضان کے دنوں میں لوگ کھاتے پیتے نظر آتے ہیں، اس کا گناہ کتنا بڑا ہے اور وہ کتنی بڑی سعادت سے محروم ہوتے ہیں، خیر و برکات کا کتنا بڑا حصہ ان کے ہاتھوں سے جاتا ہے۔ ان کو اس کا ذرا احساس بھی نہیں ہوتا۔

(۴) حضرت محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ خفیہ شرک سے بچو، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ خفیہ شرک کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خفیہ شرک یہ ہے کہ آدمی نماز کیلئے کھڑا ہو اور خوب اچھی نماز پڑھے، تاکہ لوگ دیکھیں کہ یہ بڑا عابد و زاہد ہے۔

نماز کو بظاہر خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا اور رکوع اور سجدوں کو اطمینان سے ادا کرنا اور لمبا کرنا تاکہ دوسرے دیکھ کر اس کی تعریف کریں یہ اصلا شرک ہی ہے کہ جو عبادت خالص اللہ کیلئے کرنی چاہیئے تھی اس نے اللہ کے علاوہ دوسروں کیلئے کی، اللہ کی رضا مقصود نہیں تھی بلکہ لوگوں کے سامنے اپنی نماز کا مظاہرہ اور دکھاوا مقصود تھا، ایسے دھوکہ بازی نماز کو اہل ایمان کی نماز سے کیا نسبت۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ریا اور دکھاوا بڑا مذموم عمل ہے، اور جو عمل دکھاوے کیلئے ہوگا خواہ وہ بظاہر کتنا بھی اچھا ہو اللہ کے یہاں وہ بے قیمت عمل ہے۔

(۵) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ساتھیوں نے زور زور سے تکبیر کہنا شروع کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو سکون اختیار کرو، آواز بلند کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے ہو اور نہ اسکو پکار رہے ہو جو تمہارے پاس نہیں ہے، تم اس ذات کو پکار رہے ہو

جو تمہاری دعا سننے والی ہے اور تم سے قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔

اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ بلند آواز سے دعا کرنا یا ذکر کرنا پسندیدہ نہیں ہے، خصوصًا دعا میں آواز کو پست رکھنا چاہیے اس میں دلجمعی زیادہ ہوتی ہے، اور بلند آواز سے دعا کرنا چیخ پکار بن جاتی ہے اور عمومًا ایسے لوگوں کا قلب اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے۔ اور دعا میں اصل چیز قلب کی اللہ کی طرف توجہ ہی ہے، تبھی دعا بھی قبول ہوتی ہے، گر قلب اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو تو دعا بھی قبول نہ ہوگی، حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ اللہ غافل دل والے کی دعا قبول نہیں کرتا۔

آج کل تبلیغ والوں میں یہ مرض عام ہوگیا ہے، زور زور سے دعا کرنا اور چیخنا چلانا ان کے جلسوں میں بہت ہوا کرتا ہے، یہ عمل سنت کے خلاف اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے منافی ہے۔

(نوٹ :- یہ ساری حدیثیں مصنف ابن ابی شیبہ سے لی گئی ہیں۔)

---

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

# کچھ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری اور انکی کتاب تحقیق الکلام کے بارے میں

مکرمی حضرت مولانا دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

گذارش ہے کہ میں نے اس سے پہلے بھی آپ کو ایک خط لکھا تھا جس میں مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب کی کتاب تحقیق الکلام کے بارے میں لکھا تھا کہ انھوں نے مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کے واجب ہونے کے لئے جو احادیث ذکر کی ہیں انکی واقعی حیثیت کے بارے میں بتلایا جائے کہ وہ کیسی ہیں اور ان سے اس مسئلہ پر استدلال کرنا درست ہے یا نہیں اور اس بارے میں احناف کے دلائل پر جو اعتراضات ہیں ان کا مختصر جواب لکھ دیا جائے۔

آپ کے مشورہ سے میں نے احسن الکلام پاکستانی عالم کی کتاب کا مطالعہ کیا مگر اس طویل کتاب کے مباحث کو سمجھ نہیں سکا، براہ کرم آپ اس پر کچھ لکھ دیں احسان ہوگا، بعض حضرات سے گفتگو چلی ہے اس وجہ سے اس کی ضرورت پڑ گئی ہے، گستاخی معاف فرمائیں۔

محمد اختر

کریم نگر، اے، پی

زمزم ! آپ کا خط آیا تو اس وقت میرے پاس مولانا مبارکپوری صاحب کی کتاب نہیں تھی، زمانہ طالب علمی میں تقریباً چالیس بیالیس سال پہلے مئو میں اس کا مطالعہ کیا تھا، اس کے بعد پھر اس کے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا، اسی وجہ سے میں نے آپ کو احسن الکلام کے (جو اس موضوع پر بہت جامع کتاب ہے) مطالعہ کا مشورہ دیا تھا، زمزم کے شمارہ نمبر ۲ جلد ۲ میں بھی اس موضوع پر گفتگو کی گئی ہے جس میں احناف کے دلائل کا مختصراً تذکرہ ہے۔

مولانا مبارکپوری کی کتاب اب میں نے حاصل کر لی ہے، مولانا کی یہ کتاب دو جلدوں میں ہے، اور تین سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہے، اور اس کی تقطیع بھی بڑی ہے، زمزم کے محدود صفحات میں اس پر مختصراً گفتگو کی بھی گنجائش نہیں ہے، اس کے لئے تو پوری ایک کتاب چاہیئے تاکہ طرفین کے دلائل کی حقیقت معلوم ہو، نامکمل گفتگو سے حقائق واضح نہیں ہوتے اور اشکالات اور شبہات باقی رہ جاتے ہیں۔

آپ کی رعایت میں چند باتیں حاضر خدمت ہیں خدا کرے اس سے آپ کو اور دوسروں کو بھی فائدہ ہو۔

مولانا مبارکپوری صاحب کی اس کتاب کا بڑا عیب یہ ہے کہ مولانا احناف کے دلائل پر تو بڑی ناقدانہ نگاہ ڈالتے ہیں، اور رجال کی کتابوں سے ایک ایک راوی پر بحث کر کے ان تمام دلائل کو ناکارہ ثابت کرتے ہیں۔ اس بارے میں محدثین کے اصول وضوابط کی بھی انھیں پرواہ نہیں ہوتی ہے، مگر جہاں اپنے مسلک کی احادیث ذکر کرتے ہیں وہاں نہ نقد رجال کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور نہ احادیث کی سندیں ذکر کرتے ہیں اور جہاں سندیں ذکر بھی کرتے ہیں تو اس کے رواۃ پر منصفانہ کلام نہیں کرتے ہیں، مثلاً دیکھئے مولانا نے اپنے دلائل میں ابوداؤد و ترمذی وغیرہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے۔

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھی، پس بھاری ہوئی آپ پر قرأت، پھر جب نماز سے آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو ہم لوگوں نے کہا ہاں قسم اللہ کی، آپ نے

فرمایا نہ پڑھو مگر سورہ فاتحہ اس واسطے کہ نہیں نماز ہے اس شخص کی جس نے فاتحہ نہ پڑھی۔

(ترجمہ از مبارکپوری)

مولانا فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنا نہایت ضروری ہے، جب کہ یہ حدیث بالکل ضعیف ہے[1] اور اس کے متابعات بھی سب کے سب ضعیف ہیں، مگر مولانا اس کو اپنے مطلب کی بہت قوی دلیل بتلاتے ہیں، اور کمال یہ ہے کہ اس کی سند کے راوی محمد بن اسحٰق پر جو سخت قسم کی محدثین کی جرحیں ہیں ان سب کو بالکل نظر انداز کر کے صرف بعض محدثین سے اس کے بارے میں توثیق کے کلمات نقل کرتے ہیں، جرحوں کا ذکر بھی نہیں کرتے، پھر محمد بن اسحٰق نے اس حدیث کو عن سے روایت کیا ہے اور وہ مدلس راوی ہیں. اور محدثین کا اتفاق ہے کہ اگر راوی مجروح ہو اور مدلس بھی ہو تو اس کا عن سے روایت کرنا مقبول نہیں ہے اور وہ روایت مردود ہوتی ہے۔

چند محدثین کی ابن اسحٰق پر جرح ملاحظہ ہو۔

(۱) امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے (۲) ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (۳) ابن نمیر فرماتے ہیں کہ وہ مجہول راویوں سے باطل روایت نقل کرتا ہے۔ (۴) دارقطنی کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے (۵) سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے (۶) وہیب بن خالد کہتے ہیں کہ وہ کاذب اور جھوٹا ہے (۷) امام جرح و تعدیل یحییٰ بن قطان کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے (۸) امام اہل السنۃ حضرت امام احمد بن حنبل کا ارشاد ہے کہ محمد بن اسحٰق سے سنن اور احکام میں احتجاج صحیح

---

(۱) اس روایت کو وقت حاضر کے امام غیر مقلدین البانی نے بھی ضعیف قرار دیا ہے، دیکھو ضعیف ابی داؤد ص ۸۱، ۸۲ وضعیف الترمذی ص ۳۴ وضعیف النسائی ص ۳۰ اور صحیح ابن خزیمہ کی تعلیق میں فرماتے ہیں، اسنادہ ضعیف فیہ علل اس کی سند ضعیف ہے اور اس میں متعدد خرابیاں اور علتیں ہیں۔ صحیح ابن خزیمہ ص ۲۱

نہیں ہے۔ (۹) امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں تھا، انھوں نے اس کو کبھی ضعیف کہا اور کبھی لیس بالقوی "وہ قوی نہیں تھا" فرمایا۔ (۱۰) ابن ندیم فرماتے ہیں کہ مطعون علیہ غیر مرضی الطریقۃ واصحب الحدیث یضعفونہ ویتہمونہ یعنی اس پر طعن کیا گیا ہے، اس کا طریقہ ناپسند تھا اور اصحاب حدیث اکو ضعیف قرار دیتے ہیں، اور اس کو متہم قرار دیتے ہیں۔ (۱۱) امام نووی فرماتے ہیں کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں ان میں سے محمد بن اسحٰق بھی ہے، (۱۲) امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کی روایت درجہ صحت سے گری ہوتی ہے اور حلال وحرام میں اس سے احتجاج درست نہیں ہے، (۱۳) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ابن اسحٰق احکام کی روایت میں حجت نہیں ہے، (۱۴) شوکانی کہتے ہیں کہ ابن اسحٰق حجت نہیں ہے خصوصًا جب وہ عن سے روایت کرے۔ یہ روایت بھی اس نے عن ہی سے کی ہے، (۱۵) نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں محمد بن اسحٰق حجت نہیں ہے۔ (۱)

محمد بن اسحٰق پر محدثین کی ان جرحوں پر آپ نظر ڈالیں یہ جرحیں کتنی سخت ہیں، ان جرحوں کے ساتھ کوئی راوی ثقہ قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس کی عن والی روایت تو قطعًا ناقابلِ قبول ہے، مگر مولانا مبارکپوری اسی مجروح راوی کو ثقہ قرار دینے کے درپے ہیں، اور اس کی عن والی روایت کو بھی صحیح قرار دے رہے ہیں، یہ ہے مولانا مبارکپوری صاحب کا انصاف، خود مبارکپوری صاحب کو بھی اعتراف ہے کہ محدثین نے محمد بن اسحٰق کو مجروح قرار دیا ہے، فرماتے ہیں۔

"اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحٰق واقع ہیں اور وہ متکلم فیہ ہیں"

دیکھئے اس میں صاف اعتراف ہے کہ محمد بن اسحٰق پر محدثین نے کلام کیا ہے اور یہ مجروح راوی ہے، مگر مولانا مبارکپوری صاحب اس کو ثقہ بنانے پر ادھار کھائے ہوئے ہیں،

---

(۱) حوالہ کیلئے دیکھو احسن الکلام ص ۷۵/ج ۲ تا ص ۸۰/ج ۲

فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں " اور ناظرین حیران ہوں گے، مولانا نے اس کے ثقہ ہونے پر جن محدثین کے اقوال سے استدلال کیا ہے ان میں کا ایک بھی محمد بن اسحٰق کا معاصر نہیں ہے، بلکہ سب کے سب پچھلے دور کے لوگ ہیں، جب کہ جارحین میں سے بہت سے لوگ وہ ہیں جو محمد ابن اسحٰق کے معاصر ہیں، اور ایک معاصر اپنے معاصر کے حالات سے جتنا باخبر اور واقف ہو سکتا ہے بعد کے زمانہ کے لوگ اس سے اتنی واقفیت نہیں رکھتے تو ہم زمانہ اور معاصرین کے جرحی کلمات کو نظر انداز کر کے بعد کے ادوار کے لوگوں سے توثیق کے کلمات نقل کرنا یہ کون سا انصاف اور پسندیدہ رویہ ہے، پھر جن لوگوں سے ابن اسحٰق کے بارے میں توثیق کے کلمات منقول ہیں ان میں سے بہت سے وہ لوگ بھی ہیں جو اسکو مجروح بھی قرار دیتے ہیں تو صرف ان کے توثیقی کلمات نقل کرنا اور ان کے جرحی کلمات سے آنکھ بند کر لینا یہ تو انصاف کی راہ نہیں ہے، پھر جن لوگوں نے اس کو حجت اور ثقہ قرار دیا ہے ان میں سے کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو صاف تصریح کرتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق حلال و حرام اور سنن واحکام میں حجت نہیں ہے بلکہ وہ صرف مغازی میں حجت ہے، اور جمہور کا یہی مذہب ہے خود مولانا مبارکپوری حافظ ابن حجر کی یہ صراحت نقل کرتے ہیں۔

فان الائمة قبلوا احاديثه واكثر ماعيب فيه التدليس والرواية عن المجهولين واما هو فى نفسه صدوق وهو حجة فى المغازى عند الجمهور ..

اس عبارت کو مولانا مبارکپوری نے اپنی تائید میں پیش کیا ہے، اس لئے کہ اس میں فان الائمة قبلوا احاديثه ہے یعنی ائمہ نے اس کی حدیث کو قبول کیا ہے، حالانکہ نیچے کی عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ ائمہ نے اس کی حدیث کو مغازی میں قبول کیا ہے نہ کہ سنن واحکام میں دیکھئے وهو حجة فى المغازى عند الجمهور کا لفظ ابن حجر بول رہے ہیں، یعنی وہ جمہور محدثین کے نزدیک صرف مغازی میں حجت ہے (سنن واحکام میں نہیں) اور جس حدیث سے یہاں بحث ہے اس کا تعلق مغازی سے نہیں ہے بلکہ سنن واحکام

سے ہے، پھر ابن حجر کی یہ عبارت بتلا رہی ہے کہ محمد بن اسحٰق مجہول راویوں سے روایت کرتا تھا اور اس میں تدلیس کا عیب تھا۔

مولانا مبارکپوری صاحب نے محمد بن اسحٰق پر سے تدلیس کا الزام دور کرنے کیلئے اور اس حدیث کو صحیح بتلانے کیلئے دارقطنی اور بعض دوسری کتابوں سے محمد بن اسحٰق کی روایت کے متابعات پیش کئے ہیں مگر کسی کی سند پر کسی طرح کے کلام سے پرہیز کیا ہے، بس حدیث ذکر کر دی ہے، اور یہ نہیں بتلایا کہ یہ احادیث صحیح بھی ہیں یا نہیں، اس لئے کہ مبارکپوری صاحب کو بھی خوب معلوم ہے کہ ان کی پیش کردہ یہ ساری احادیث سنداً ضعیف اور بعض تو بہت ہی ضعیف ہیں۔ اس کتاب میں مولانا مبارکپوری کا یہ عیب اور عدم انصاف بار بار ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احناف کی احادیث پر تو پوری نگاہ ڈالتے ہیں اور بڑی گہری نگاہ ڈالتے ہیں اور رائی برابر عیب کو پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں مگر اپنے مستدلات کا ہر عیب چھپانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً مولانا مبارکپوری نے ایک روایت ذکر کی ہے۔

"ابو مریم کہتے ہیں کہ میں نے ابن مسعود کو سنا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے"

مگر اس پر کسی طرح کا کوئی کلام نہیں کیا اور نہ یہ بتلایا کہ یہ روایت ضعیف ہے، حالانکہ اسکی سند میں ایک راوی شریک بن عبداللہ ہے جو کثیر الخطاء ہے، اس کا حافظہ قاضی ہونے کے بعد خراب ہو گیا تھا اس لئے یہ روایت ضعیف ہے، مگر مولانا مبارکپوری اس کا ضعف ظاہر کرنے سے بالکل خاموش رہے، حالانکہ خود مبارکپوری صاحب نے اپنی کتاب ابکار میں اس راوی کو متعدد موقعوں پر ضعیف کہا ہے، مثلاً علامہ شوق نیموی نے ابوداؤد سنن نسائی اور طحاوی شریف کی ایک حدیث ذکر کی ہے، اور کہا کہ اسنادہ حسن یعنی اس کی سند حسن ہے، تو اس پر مولانا مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں۔ قلت فی کون اسنادہ حسنا نظر فان مدارہ علی شریک القاضی وقد تقدم مراراً انہ تغیر حفظہ لما ولی القضاء یعنی اس کی سند کا حسن ہونا ہمیں تسلیم نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں شریک قاضی ہے جس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، بار بار اس کو بتلایا جا چکا ہے۔ اب مولانا کا انصاف ملاحظہ فرمائیں

جو راوی کے بقول ان کے ضعیف تھا اور اس کی حدیث مردود تھی، اسی ضعیف راوی کی روایت بلا تکلف اپنے مستدلات میں ذکر کرتے ہیں، اور اس کے ضعف کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے۔

اسی طرح مولانا نے امام بخاری کی کتاب جزء القرأۃ سے حضرت ابن عمر کا یہ اثر نقل کیا ہے۔ عن یحیٰی البکاء سئل ابن عمر عن القرأۃ خلف الامام فقال ما یکونون یرون باساً ان یقرأ بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ ۔ یعنی یحیٰی البکاء سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے قرأت خلف الامام کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ لوگ امام کے پیچھے اپنے جی میں قرأت کرنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے۔

اس روایت کا راوی یحیٰی البکاء جو حضرت ابن عمر سے یہ مضمون نقل کرتا ہے، سخت قسم کا ضعیف راوی ہے اور محدثین کے یہاں متروک ہے، مگر مولانا مبارکپوری صاحب بالکل خاموش ہیں حالانکہ آج کل کے نئے پرزور و پرشور علما سلفیین کا زعم ہے کہ اگر روایت ضعیف ہے اور اس کا ضعف ظاہر نہ کیا جائے تو یہ حرام ہے۔ (مقدمہ صلوٰۃ الرسول ص۳۷)

حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مولوی عبدالرحمٰن صاحب کا یہ انصاف قابل دید ہے کہ ہماری روایتوں میں ذرا بھی کوئی بات مل جاتی ہے تو رائی کا پہاڑ بنا ڈالتے ہیں اور ان کی روایتوں میں پہاڑ کے برابر بھی کوئی قدح ہو تو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ الغرض یحیٰی البکار کی یہ روایت قطعاً درخور اعتنا نہیں ہے۔ (المآثر شمارہ ۲ جلد ۳)

مولانا مبارک پوری کے اس غیر منصفانہ رویہ کی ایک مثال اور ملاحظہ فرمائیں، انھوں نے بیہقی کی کتاب القرأت سے یہ روایت نقل کی ہے۔

، زہری سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے،

مولانا مبارک پوری صاحب یہ روایت نقل کرکے خاموش گزر گئے۔ حدیث کے ضعف وصحت سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ حالانکہ یہ روایت قطعاً اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ بالکل ضعیف ہے۔

محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ روایت حد درجہ ضعیف و ناقابلِ اعتبار ہے، اس کی سند میں یحییٰ بن بکیر ہیں اور وہ سخت متکلم فیہ ہیں، امام مالک سے ان کا سماع بدترین سماع ہے اور یہ روایت انھوں نے امام مالک ہی سے کی ہے"

غرض مولانا مبارکپوری کا یہ غیر محدثانہ و غیر محققانہ و غیر عادلانہ رویہ ان کی اس پوری کتاب میں ہے، بلا تکلف وہ اپنے مطلب کی ضعیف احادیث کو صحیح بنا کر پیش کرنے کی سعی میں مصروف نظر آتے ہیں اور احناف کی صحیح بات بھی ان کو تسلیم نہیں ہوتی، اور اس کی تردید کے جوش میں انھیں یہ خیال تک نہیں ہوتا کہ وہ امام بخاری پر بھی ہاتھ صاف کر رہے ہیں اور ان کی کتاب صحیح بخاری پر بھی ان کے اس جارحانہ رویہ سے زد پڑ رہی ہے۔ بس ان کو احناف کی ہر بات سے مخالفت سے مطلب ہوتا ہے، مثلاً احناف نے یہ بتلانے کے لئے کہ قرآن کی آیت واذا قرئ القرآن الخ کا نزول فرض نماز کے لئے ہوا ہے اور اس پر حضرت ابن عباس کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔

عن علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس قولہ اذا قرئ القرآن فی الصلوٰۃ المفروضۃ یعنی علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اذا قرئ فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

مولانا مبارکپوری نے اس روایت کو منقطع کہہ کر اس کو مردود قرار دیا ہے، حالانکہ یہی وہ سلسلہ سند ہے جو حضرت ابن عباس کی تفسیر کا سب سے عمدہ اور قابلِ اعتبار طریق ہے اور امام بخاری نے اسی سند پر زیادہ اعتبار کیا ہے اور انقطاع سند کی بالکل پرواہ نہیں کی ہے۔ اس لئے کہ علی بن ابی طلحہ نے علم تفسیر مجاہد اور سعید بن جبیر سے حاصل کیا ہے، پس درمیانی واسطہ معلوم ہے۔ اب خواہ علی بن ابی طلحہ مجاہد اور سعید کا نام لیں یا نہ لیں یہ روایت اہل علم کی نظر میں موصول ہی ہو گی، راوی ہر جگہ پوری سند ذکر نہیں کرتا۔ اس حقیقت کو امام بخاری نے سمجھا مگر مولانا مبارکپوری پر یہ حقیقت نہیں کھل سکی اور خواہ مخواہ کا اس پر اعتراض کر کے

اس صحیح سند کو بھی باطل قرار دیا اور یہ نہیں جانا کہ پھر بخاری کی کتاب کی کتاب التفسیر کی ان تمام روایتوں کا کیا بنے گا جو اس منقطع سند سے امام بخاری نے ذکر کی ہیں۔ (۱)

مولانا مبارکپوری صاحب کا یہی معاندانہ رویہ محمد بن اسحٰق والی روایت کے بارے میں بھی ہے، محمد ابن اسحٰق راوی ضعیف ہے، اور ساتھ ہی مدلس بھی ہے، اور محدثین کے نزدیک مدلس اگر عن سے کوئی حدیث ذکر کرے تو وہ مردود ہے، مگر مولانا مبارکپوری صاحب محض اس وجہ سے کہ یہ روایت ان کے مسلک پر صریح دلیل ہے اس مردود اور ضعیف روایت کو مقبول اور صحیح بنانے کے درپے ہیں۔

وقت حاضر کے غیر مقلدین کے علامہ اور امام المحدثین جن پر آج کے سلفیوں کو سب سے زیادہ احادیث کی صحت وضعف کے بارے میں اعتماد ہے محمد بن اسحٰق کی اس طرح کی تمام روایتوں کو رد کر دیا ہے، دو ایک مثال ملاحظہ ہو، ابوداؤد کی ایک روایت ہے ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم لبد راسہ بالعسل اس کی سند محمد بن اسحٰق عن نافع عن ابن عمر ہے، لیکن البانی صاحب نے اس کو ابن اسحٰق کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، اور وجہ وہی ہے کہ ابن اسحٰق مدلس ہے اور وہ اس روایت کو عن سے روایت کرتا ہے (دیکھو البانی کی ضعیف ابی داؤد ص ۳۸۳)

اسی طرح ابوداؤد کی ایک روایت ہے جس کی سند اس طرح ہے۔ محمد بن اسحٰق عن عبداللہ ابی نجیح عن مجاھد عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن علی رضی اللہ عنہ، اس میں بھی محمد بن اسحٰق ہے اور عن سے روایت کرتا ہے اس وجہ سے البانی صاحب

---

(۱) محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مولوی (مبارکپوری) صاحب کا یہ اعتراض انکی سخت ناواقفیت کی دلیل ہے، انکو معلوم نہیں کہ حضرت ابن عباس کی تفسیر کا سب سے عمدہ قابل اعتبار طریق یہ ہے، اور امام بخاری نے صحیح میں اس سند پر زیادہ اعتماد کیا ہے اور انقطاع سند کی بالکل پرواہ نہیں کی ہے۔ (الآثر جلد نمبر ۱ شمارہ ۴)

فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس پر ضعیف کے ساتھ ساتھ منکر کا بھی حکم لگایا ہے۔

(ایضاً ص ۲۸۶)

اسی طرح ابوداؤد میں یہ حدیث ہے، جو سعد بن وقاص سے مروی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرع والے راستہ سے حج کیلئے نکلتے تو اس وقت لبیک کہتے جب اونٹنی پر سوار ہوتے الخ۔ اس کی سند میں محمد بن اسحٰق عن ابی الزناد ہے، تو البانی نے اس روایت پر ضعف کا حکم لگایا ہے اس لئے کہ محمد بن اسحٰق مدلس ہے اور وہ ابوالزناد سے عن سے روایت کرتا ہے، اور مدلس کا عنعنہ مردود ہے۔

خیر یہ تو البانی کی بات ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ خود مبارکپوری صاحب نے اپنی کتابوں میں ان روایتوں پر جو ان کے مطلب کے خلاف ہیں اور اس کی سند میں محمد بن اسحٰق ہے اور وہ عن سے روایت ہے ضعف کا حکم لگایا ہے اور اس کو مردود قرار دیا ہے۔ مثلاً احناف کا مذہب ہے کہ طلوع فجر سے پہلے اذان دینا درست نہیں ہے۔ علامہ شوق نیموی نے اس کے بیان میں ابوداؤد میں حضرت بلال کی ایک مذکورہ روایت ذکر کی ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے حسن کہا ہے۔ فرماتے ہیں۔ " اسنادہ حسن "، تو اس پر مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں۔

قلت فی تحسین اسنادہ نظر فان فیہ محمد بن اسحٰق وھو مدلس وھو رواہ عن محمد بن جعفر بالعنعنۃ (ابکار جدید اڈیشن طبع جامعہ سلفیہ بنارس ص۲۱)

یعنی حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو جو حسن کہا ہے تو اس میں نظر ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں محمد بن اسحٰق ہے اور وہ مدلس ہے اور اس نے محمد بن جعفر سے عن سے روایت کیا ہے۔ سبحان اللہ ما اعظم شانہٗ، یہ وہی محمد بن اسحٰق ہے جس کو اپنی اس کتاب تحقیق الکلام میں بڑے دھوم دھام سے ثقہ قرار دیا، اور اس کی ابوداؤد والی زیر بحث حدیث کو صحیح بتلایا ہے اور اس کی تدلیس کے عیب کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اور اس کی عن والی روایت بھی ان کے نزدیک صحیح اور حجت ہے اور وہی ابن اسحٰق یہاں ناقابل اعتبار ہو گیا۔ اس وجہ سے کہ یہاں اس کی روایت اپنے مطلب کے خلاف تھی اور وہاں اس کی روایت

اپنے مذہب پر صریح دلیل تھی، یہ ہے اہلحدیثوں کے خاتم المحدثین کا احادیث کے بارے میں معیار رد و قبول اور انصاف و دیانت اور تقویٰ اور پرہیزگاری۔

تحقیق الکلام کو آپ پڑھ کر دیکھیں گے کہ مولانا مبارکپوری نے ابوداؤد کی زیر بحث مجروح اور مدلس کی روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے بڑا زور صرف کیا ہے بلکہ اپنی لیاقت اور حدیث دانی کا سکہ جمایا ہے۔ اور جب ان کی دوسری کتابوں کو پڑھیں گے بلکہ اسی کتاب میں دیکھیں گے کہ جہاں خلاف مطلب حدیث ہوگی تو بڑے بڑے محدثین کی روایتوں کو جو بالکل صحیح ہوں گی کبھی مرسل کہ کر، کبھی منقطع کہ کر اور کبھی تدلیس کا عیب لگا کر رد کر دیں گے خواہ اس روایت کا راوی بخاری و مسلم ہی کا کیوں نہ ہو، مثلاً امام زہری کی روایتوں سے بخاری و مسلم بھری پڑی ہیں اور ان دونوں کتابوں میں ان کی عن سے پچاسوں روایتیں ہیں، بخاری و مسلم بلا تکلف ان روایتوں کو اپنی اپنی صحیح میں ذکر کرتے ہیں۔ خود مبارکپوری صاحب زہری کے بارے میں فرماتے ہیں متفق علی جلالته واتقانه، اور وهو احد الائمة الاعلام یعنی ابن شہاب زہری کی جلالتِ شان اور اتقان پر سب کا اتفاق ہے، وہ بڑے اماموں میں سے ایک ہیں۔ اب اگر انھیں امام زہری کی کوئی روایت احناف کے حق میں ہو تو مبارکپوری صاحب اس کو بلا تکلف رد کر دیتے ہیں اور الزام یہ لگاتے ہیں کہ زہری مدلس ہیں، مثلاً موطا امام مالک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بالکل صحیح حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لولا ان یشق علی امته لامرهم بالسواك مع كل وضوء، یعنی حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ اگر آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ہر نماز کے وقت مسواک کرنا دشوار نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے مسواک کا حکم فرماتے۔ علامہ شوق نیموی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا۔ رواه مالك واسناده صحيح، یعنی اس کو امام مالک نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، تو اس پر مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں۔ قلت فيه الزهری وهو مدلس وهو رواه عن حميد بن عبد الرحمٰن بالعنعنة (ابکار) یعنی میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں زہری ہیں اور وہ مدلس ہیں۔

اور انھوں نے اس کو عن سے روایت کیا ہے، (یعنی یہ روایت ضعیف ہے) اس لئے قابلِ قبول نہیں ہے جب کہ البانی نے بھی اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (ان کی کتاب الابرار دیکھو)

اسی طرح حضرت ابن عمر کی بالکل صحیح روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دورانِ نماز کسی کی نکسیر پھوٹ جائے یا منہ بھر کر قے آجائے یا پیشاب کے مقام پر بندی کا احساس ہو تو جاکر کے وضو کرے اور اپنی نماز کا بقیہ پورا کرے بشرطیکہ اس نے بات نہ کی ہو۔

یہ حدیث مصنف عبد الرزاق میں ہے، اور بالکل صحیح ہے، مگر مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں۔ فی اسنادہ زھری وھو مدلس ورواہ عن سالم بالعنعنہ، فکیف یکون صحیحاً، یعنی اس کی سند میں زہری ہیں اور وہ مدلس ہیں، انھوں نے عن سالم سے روایت کیا ہے تو یہ حدیث صحیح کیسے ہوگی۔ (ابکار)

یہ دو نمونے ہیں ورنہ ان کی کتابیں اس طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں، حالانکہ محدثین فرماتے ہیں کہ ہر مدلس کا عنعنہ مردود نہیں ہوتا ہے خصوصاً ایسا ثقہ مدلس جس کی روایت کے متابع بھی ہوں، یہاں زہری کا متابع بھی موجود ہے، ابکار کا معلق لکھتا ہے۔

قلت اخرجہ البیھقی فی الکبریٰ (۲/۲۵۶) من طریق مالک واللیث بن زید عن نافع عن ابن عمر وقال ھذا عن ابن عمر صحیح

یعنی میں کہتا ہوں کہ بیہقی نے سنن کبریٰ میں اس حدیث کو امام مالک، لیث، اور بن زید کی سند سے عن نافع عن ابن عمر سے ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عمر سے یہ روایت صحیح ہے۔[1]

اس صحیح روایت کو مبارکپوری صاحب رد کر رہے ہیں، اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اس سے احناف کے مسلک کی تائید ہو رہی ہے۔

بہر حال عرض یہ کرتا ہے کہ مولانا مبارکپوری صاحب کا گروہی تعصب اس کتاب کے صفحہ صفحہ سے ظاہر ہے اس لئے واقف کار علماء کے نزدیک اس کی بہت زیادہ اہمیت نہیں ہے۔

---

(۱) ابکار کا حاشیہ لکھنے والا بھی غیر مقلد محقق ہے اور مبارکپوری صاحب بھی غیر مقلد محقق ہیں ایک محقق اس حدیث کو صحیح کہہ رہا ہے اور دوسرا ضعیف۔

جب یہ کتاب شائع ہوئی تو اس وقت حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ بالکل نوجوان تھے انھوں نے اس وقت اس کا رد بھی لکھنا شروع کر دیا تھا، مگر اتفاق سے مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا رد پورا ہونے سے پہلے ہی مولانا مبارکپوری کا انتقال ہو گیا۔ پھر مولانا اعظمی کا قلم بھی سست پڑ گیا اور کتاب مکمل نہ ہو سکی لیکن جو کچھ حضرت اعظمی نے لکھا تھا وہ مجلہ المآثر مئو میں چھپ رہا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مبارکپوری کی یہ کتاب اہل علم کے نزدیک بہت زیادہ باوقعت نہیں ہے۔ اگر مولانا اعظمی کی کتاب مکمل ہو جاتی تو وہ اس کتاب کا بہترین جواب ہوتا، اور معلوم ہو جاتا کہ جس کتاب کے بارے میں غیر مقلدین نے بڑا شور وشرابا مچا رکھا ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔

اب اخیر میں ایک بات اور کہہ کر میں اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہوں۔

غیر مقلدین کو مولانا مبارکپوری کے بارے میں بہت غلو ہے، وہ ان کو علم حدیث کا امام وقت سمجھتے ہیں۔ خود مبارکپوری صاحب کو اپنے بارے میں بھی یہی زعم تھا یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں اکابر علماء احناف کو بہت حقیر انداز میں یاد کرتے ہیں، خود اس کتاب تحقیق الکلام میں بھی ان کا یہی وتیرہ ہے، مگر جو بات صحیح ہے وہ یہ ہے کہ مولانا مبارکپوری علم حدیث میں قطعاً کسی مجتہدانہ شان کے مالک نہیں تھے، نہ ان کی نگاہ اس فن میں عمیق اور دقیق تھی، وہ زیادہ تر ناقل تھے، ان کی کتاب تحفۃ الاحوذی کا غیر مقلدین حلقہ میں بڑا چرچا رہتا ہے، اور اس کو بے مثال شرح قرار دیتے ہیں اور مولانا مبارکپوری کو امام وقت ثابت کرنے کیلئے اسی کا نام لیتے ہیں مگر اس کی کتاب میں مولانا مبارکپوری کا کمال کیا ہے تو وہ مصر کے مشہور عالم حدیث اور اس فن کے محقق سے سنئے علامہ شاکر فرماتے ہیں۔

قد حاول الشیخ المبارکفوری رحمہ اللہ ذلک فی شرحہ فلم یمکنہ تخریج کل الاحادیث ، یعنی مبارکپوری شیخ نے ترمذی کی جن احادیث کا پتہ دیا ہے اس کی تخریج کی کوشش تو کی ہے مگر وہ تمام احادیث کی تخریج نہ کر سکے۔

مزید لکھتے ہیں :

انما خرج ما خرج من الاحادیث مقلد الغیرہ ۔ یعنی انھوں نے جو کچھ بھی تخریج کی ہے اس میں وہ دوسروں کے مقلد ہیں (خود ان کی تحقیق اور ان کا کارنامہ نہیں ہے)

(مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری حیات اور کارنامے ص۱۳۱)

اندازہ لگائیے کہ علامہ شاکر محقق کی نگاہ میں تحفۃ الاحوذی اور مولانا مبارکپوری کی کیا اور کتنی قیمت تھی ۔

علامہ شاکر کی یہ بات سو فی صد صحیح ہے کہ مبارکپوری صاحب نے اپنی اس شرح میں خود کوئی تحقیقی کارنامہ انجام نہیں دیا ہے ، بلکہ دوسروں نے جو لکھا ہے اس کو دہرا دیا ہے۔[۱] اور جہاں خود تحقیق کرنے کی ضرورت پڑی تو درماندہ ہو کر رہ گئے ، مولانا مبارکپوری کی علم حدیث میں مہارت اور قابلیت کی دو ایک مثال ملاحظہ فرمائیں :

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب ماجاء فی کثرۃ الرکوع والسجود قائم کیا ہے اور اس میں حضرت ثوبان اور حضرت ابو درداء کی روایت ذکر کی ہے پھر فرمایا ہے وفی الباب عن ابی ھریرۃ و ابی فاطمۃ ، یعنی اس بارے میں حضرت ابوہریرہ

---

(۱) مبارکپوری صاحب چونکہ اپنی اس شرح میں خود تحقیق سے کام نہیں لیتے ہیں دوسروں کی تقلید ہی اپنا کام سمجھتے ہیں جیسا کہ علامہ شاکر نے کہا ہے ، اس وجہ سے کبھی کبھی وہ بڑی فاحش قسم کی غلطیوں کا شکار ہو جاتے ہیں ۔ مثلاً ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں فاطلق النبی صلے اللہ علیہ وسلم ازارہ نطارت بہ ردائہ ۔ مبارکپوری صاحب نے اپنی شرح میں فرمایا ہے کہ اس کی مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ میں تخریج کی گئی ہے ، اور انھوں نے یہ بات بلا حوالہ دیئے کنز العمال سے نقل کی ہے (کسی کتاب سے کوئی بات نقل کر کے حوالہ نہ دینا بہت بڑی علمی خیانت ہے) کنز العمال میں ۔ نطارت ۔ ہی لکھا ہے ، مگر صحیح لفظ نطارت نہیں ۔ نطارق ۔ ہے ۔ (دیکھو مصنف ابن ابی شیبہ حدیث نمبر ۳۱۲۹) مگر چونکہ مبارکپوری صاحب نے جو کچھ تحقیق کی ہے محض دوسری کی تقلید اور نقالی ہے اس وجہ سے کنز العمال کی اس غلطی کا مبارکپوری صاحب کو پتہ نہیں چل سکا ۔ (دیکھو المآثر شمارہ ۳ جلد ۱۲)

اور حضرت ابو فاطمہ کی بھی روایت ہے۔ مبارکپوری صاحب کو حضرت ابو فاطمہ کی حدیث کا پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کس کتاب میں ہے فرماتے ہیں۔ اما حدیث فاطمہ فلینظر من اخرجہ یعنی دیکھ لیا جائے کہ ابو فاطمہ کی حدیث کس کتاب میں ہے۔ مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اخرجہ ابن المبارك فی الزھد وابن ماجہ۔ یعنی حضرت ابو فاطمہ کی یہ حدیث عبداللہ بن مبارک کی کتاب کتاب الزہد میں اور ابن ماجہ میں ہے۔

(تحفۃ الاحوذی بواسطہ رکعات)

اگر مولانا مبارکپوری کو کتاب الزہد جوان کے زمانہ میں نایاب تھی دستیاب نہ تھی اور اس میں ان کو اس حدیث کا پتہ نہیں چل سکا تو کیا ابن ماجہ بھی نایاب تھی۔ ابن ماجہ جو صحاح ستہ کی کتابوں میں سے ہے اور متداول کتاب ہے، ان کی نظر سے ابن ماجہ والی حدیث بھی اوجھل رہی ہے۔ اس کے باوجود ان کے معتقدین ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ مولانا علم حدیث کے پہاڑ تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب ماجاء فی الوتر بسبع قائم کر کے حضرت ام سلمہ کی حدیث لکھی ہے اور پھر فرماتے ہیں وفی الباب عن عائشہ یعنی اس بارے میں حضرت عائشہ کی بھی حدیث ہے۔ مبارکپوری صاحب اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ والی حدیث کو امام بخاری نے بخاری میں ذکر کیا ہے۔ علامہ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہرگز نہیں، اس کی تخریج بخاری نے نہیں کی ہے بلکہ عبدالرزاق اور محمد بن نصر مروزی نے کی ہے، اس سے امام ترمذی کی مراد مسلم میں حضرت عائشہ کی حدیث ہے جس میں سبع کا لفظ ہے، بخاری کی جس حدیث کا ذکر مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں اس میں سات رکعت وتر پڑھنے کا ذکر ہی نہیں ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ لعل الشارح لایفھم معنی قول الترمذی وفی الباب عن فلان یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شارح صاحب امام ترمذی کے قول وفی الباب عن فلان کا مطلب ہی نہیں سمجھتے۔ امام ترمذی نے باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی قائم کیا ہے، اور اس میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

کی حدیث ذکر کی ہے، پھر فرمایا ہے کہ وفی الباب عن عبد الرحمٰن بن عوف عن عامر بن ربیعۃ یعنی اس باب میں عبد الرحمٰن بن عوف اور عامر بن ربیعہ کی حدیثیں بھی ہیں۔ مولانا مبارکپوری صاحب اپنی شرح میں فرماتے ہیں واما حدیث عامر بن ربیعۃ فلینظر من اخرجہ، یعنی دیکھنا چاہئے کہ عامر بن ربیعہ کی حدیث کی کس نے تخریج کی ہے۔ علامہ اعظمی فرماتے ہیں نظرنا فاذا ابن ماجۃ قد اخرجہ وکذا عبد الرزاق فی مصنفہ، یعنی ہم نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث ابن ماجہ اور مصنف عبد الرزاق میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر مبارکپوری صاحب کے زمانہ میں مصنف عبد الرزاق نایاب تھی تو کیا ابن ماجہ بھی ان کی نظر سے غائب تھی۔ مگر بات وہی علامہ شاکر صاحب والی ہے، مولانا مبارکپوری صاحب کا علم حدیث محض تقلیدی تھا خود کاوش اور محنت اور تحقیق کی ان میں بڑی کمی تھی اور اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ علم حدیث پر ان کی نظر گہری نہیں تھی اور نہ ان کی رسائی احادیث کی نادر و نایاب کتابوں تک تھی۔

مبارکپوری صاحب کی قابلیت اور علم حدیث میں درک کی ایک مثال اور ملاحظہ فرمائیں مبارکپوری صاحب نے اپنی شرح میں حضرت ابن عباس کا ایک اثر نقل کیا ہے، وہ یہ ہے۔

قال محمد اخبرنا ابوحنیفۃ ثنا الحارث عن عبد الرحمٰن عن ابن عباس۔

مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ الحارث ھذا ان کان ھو الاعور فقد کذبہ الشعبی وابن المدینی وان کان غیرہ فلا ادری من ھو؟ یعنی اس سند میں جو حارث نامی راوی ہے، اگر وہ حارث اعور ہیں تو ان کی شعبی اور علی بن المدینی نے تکذیب کی ہے اور اگر اس سے مراد کوئی دوسرا ہے تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔

اس پر مولانا اعظمی کا استدراک ملاحظہ ہو پہلے اصل عربی عبارت اور پھر اس کا ترجمہ علامہ اعظمی فرماتے ہیں۔

عجبا عن الشارح کیف لم یشعر ان کلمۃ "عن" بین الحارث وعبد الرحمٰن

مصحفة والصواب الحارث بن عبد الرحمٰن کما فی نسخة الآثار المطبوعة بلاهور، والحارث هذا هو ابو هند الکوفی المذکور فی کنی التهذیب وثقه ابن حبان، یعنی شارح صاحب پر تعجب ہے کہ کیسے ان کو یہ پتہ نہیں چل سکا کہ حارث اور عبد الرحمٰن کے بیچ میں جو عن ہے وہ غلط ہے اور صحیح حارث بن عبد الرحمٰن ہے جیسا کہ لاہور کے چھپے کتاب الآثار کے نسخہ میں ہے اور یہ حارث ابو ہند کوفی ہیں جس کا تذکرہ تہذیب کے کنی میں ہے ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے ۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ استدراکات اس وقت کے ہیں جب مولانا کی عمر نوجوانی کی تھی ، اور مولانا مبارکپوری کا طائر شہرت آسمان پر اڑ رہا تھا اور وہ خاتم المحدثین اور بخاری وقت ہو چکے تھے ۔ مگر تحفۃ الاحوذی پر مولانا اعظمی کے استدراکات کو پڑھ کر کسی کے لئے بھی اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ دیوبندی جماعت کا یہ نوجوان فاضل علم حدیث میں مہارت اور نظر کی وسعت اور دقت کے اعتبار سے مبارکپور کے خاتم المحدثین اور بخاری وقت سے بہت آگے تھا ۔

جب مولانا مبارکپوری صاحب کی قابلیت اسی قدر تھی اور علم حدیث میں انکی مہارت و اتقان کا یہی حال تھا جس کا نمونہ آپ نے ملاحظہ فرمایا تو احادیث کے بارے میں ان پر بہت زیادہ اعتماد کرنا اور ان کی ہر بات کو بلا تحقیق صحیح سمجھ لینا دانشمندی کی بات نہیں ہوگی ۔

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ اس ضخیم کتاب پر زمزم جیسے محدود صفحات کے پرچہ میں تفصیلی کلام نہیں کیا جا سکتا ، یہ چند باتیں محض آپ کی رعایت میں لکھ دی گئی ہیں ۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

# جھاڑ پھونک اور تعویذ کے بارے میں اکابر غیر مقلدین کا مذہب

دعا و تعویذ کے بارے میں عصر حاضر کے غیر مقلدوں کی تحقیق یہ ہے کہ وہ حرام اور شرک ہے، اور عصر حاضر سے میری مراد غیر مقلدوں کا وہ طبقہ ہے جو شیخ ابن باز اور شیخ محمد ناصر الدین البانی سے متاثر ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ جب سے غیر مقلدین اہلحدیث سے زیادہ سلفی نام کو پسند کرنے لگے ہیں، یعنی غیر مقلدیت کے ساتھ جب سے سلفیت چپک گئی ہے، بس اسی وقت سے غیر مقلدین دعا تعویذ کو حرام اور شرک بتانے لگے ہیں۔

شیخ ابن باز کو تو اس میں اتنا غلو ہے کہ وہ کتاب و سنت سے بھی جھاڑ پھونک دعا تعویذ کو ناجائز بتلاتے ہیں، یعنی اگر آیات قرآنیہ یا احادیث نبویہ سے بھی جھاڑ پھونک کی جائے تو وہ بھی ابن باز کے نزدیک ناجائز ہے، دعا و تعویذ کے بارے میں ابن باز کا فتویٰ یہ ہے :

> "جھاڑ پھونک اور تعویذ حرام اور شرک ہے، حدیث میں اس کو شرک کہا گیا ہے، آنحضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس نے تعویذ لٹکائی اس نے شرک کیا اور یہ شرک اکبر ہو جائے گا اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ بلا اللہ کی مشیت کے جھاڑ پھونک اور تعویذ اپنا اثر دکھلاتے ہیں"

نیز فرماتے ہیں کہ:

• اور یہ معلوم ہے کہ اگر ہم جھاڑ پھونک اور تعویذ کو قرآنی آیات اور مباح دعاؤں سے بھی جائز رکھیں گے تو بھی شرک کا دروازہ کھلے گا، اس لئے شرک کا دروازہ بند کرنا ضروری ہے، اور یہی بات درست ہے اور اس پر کھلی دلیل ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن باز جلد دوم)

غرضیکہ ابن باز اور ان کے تمام حواریین اور ان کے نظریے سے متاثرین کے نزدیک دعا تعویذ اور جھاڑ پھونک کی شریعت اسلامیہ میں قطعاً گنجائش نہیں ہے، حتیٰ کہ قرآن وحدیث اور مسنون دعاؤں کے کلمات سے بھی جھاڑ پھونک کرنا اور تعویذ کا لٹکانا جائز نہیں ہے اور سلفیت زدہ غیر مقلدین جو ابن باز کے مقلد و متبع ہیں ان کا بھی آج عام طور پر یہی مذہب بن گیا ہے۔

ابن باز ہوں، یا غیر مقلدین کا سلفیت زدہ موجودہ طبقہ، کیا ان کی یہ تحقیق درست ہے؟ اور کیا یہ کہنا کہ کتاب وسنت کے الفاظ سے بھی اور مباح دعاؤں سے بھی دعا تعویذ کرنا جائز نہیں ہے حق ہے؟ اس کے لئے ہمیں کسی حنفی یا کسی اور مقلد کی شہادت اور گواہی کی ضرورت نہیں ہے، ہم دیکھیں گے کہ اکابر غیر مقلدین کا اس بارے میں کیا مذہب و مسلک رہا ہے اور جھاڑ پھونک اور دعا و تعویذ اگر شرک ہی کا کام ہے تو پھر اکابر غیر مقلدین نے اس شرک اور گناہ کا کام کیوں کیا؟

مگر قبل اس کے کہ ہم اکابر غیر مقلدین کی جھاڑ پھونک اور تعویذ کے بارے میں عمل اور عقیدہ و مذہب پر گفتگو کریں، شیخ ابن باز کی اس بات پر توجہ کرنا چاہئے کہ انھوں نے کتاب وسنت اور مباح دعاؤں سے بھی جھاڑ پھونک اور دعا کو ناجائز قرار دیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو عرض یہ ہے کہ شیخ ابن باز کا یہ کہنا کہ کتاب وسنت سے بھی دعا کرنا اور جھاڑ پھونک کرنا حرام اور شرک کا کام ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے، اور خود حدیث اور آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کی سنت کے خلاف ہے۔

ترمذی شریف کی روایت ہے اور یہ روایت مسلم، نسائی، ابن ماجہ میں بھی ہے۔ حضرت

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

حضرت جبریل امین آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور انھوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ بیمار ہیں، آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں؟ تو جبریل امین نے آپ پر یہ پڑھ کر دم کیا، بسم الله ارقيك من كل شئ يؤذيك، من شر كل نفس وعين حاسد الله، بسم الله ارقيك والله يشفيك۔ (تحفہ ۲۲۶/۲)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سعید کی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ناظرین غور فرمائیں کہ جو عمل اللہ کے رسول اور جبریل امین کے نزدیک جائز ہے وہ عمل ابن باز اور ان کے حواریین کے نزدیک شرک ہے، اس صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے مطلقاً جھاڑ پھونک سے منع کرنا اور اس کو شرک اور حرام بتلانا کیا شان اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اور شان جبریل امین میں عظیم تر گستاخی نہیں ہے؟ اور کیا اس سے خود ان کا ایمان مشتبہ نہیں ہو جاتا جو کتاب وسنت کے الفاظ سے بھی دعا و تعویذ اور جھاڑ پھونک کو حرام اور ناجائز اور شرک بتلاتے ہیں؟

ترمذی شریف ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی ہے، اور یہ بھی صحیح حدیث ہے، پوری حدیث سنئے۔

حضرت عبدالعزیز بن صہیب فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ثابت بنانی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ثابت بنانی نے حضرت انس سے فرمایا کہ میں بیمار ہوں، تو حضرت انس نے فرمایا کہ جن کلمات سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جھاڑ پھونک کرتے تھے میں انھیں کلمات سے تم کو دم نہ کر دوں، ثابت بنانی نے فرمایا کیوں نہیں؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کلمات کو پڑھ کر ان پر دم کر دیا

اللهم رب الناس، مذهب الباس، اشف انت الشافي لا شافي

الا انت شفاء لا یغادر سقما (تحفہ ص ۲۶/۲۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ و عمل یہ تھا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم ان کلمات سے مریضوں کو دم کیا کرتے تھے۔

اب جو شخص آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے اس طریقہ کو حرام، شرک اور ناجائز بتلائے اس سے بڑھ کر بد بخت اور گم کردہ راہ اور کتاب وسنت کا باغی کون ہو سکتا ہے؟ افسوس اس ضلالت و گمراہی کے باوجود غیر مقلدین ابن بازئے یہی کہتے نظر آئیں گے کہ وہی سب سے زیادہ کتاب وسنت کے عاشق ہیں، اور توحید کا مادہ جو ان کے بدن کا جز بنا ہوا ہے اس سے سارے مسلمان خالی ہیں، یہ ابن بازئے ایسے توحیدئیے ہیں کہ جبریل امین، رسول کریم اور صحابہ کرام سب کا عمل ان کے عقیدہ و مسلک کے مطابق شرک اور گمراہی قرار پاتا ہے۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ ابن باز اور غیر مقلدین ابن بازیوں کے نزدیک کتاب وسنت سے بھی جھاڑ پھونک حرام اور شرک ہے، اب آپ دیکھئے کہ اکابر غیر مقلدین کا عمل اور ان کا عقیدہ مسلک اس بارے میں کیا ہے۔

ترمذی شریف میں یہ حدیث ہے۔

عمیر مولی ابی اللحم فرماتے ہیں کہ میں اپنے بڑوں کے ساتھ خیبر کی جنگ کے موقع پر حاضر ہوا، لوگوں نے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے میرے بارے میں گفتگو کی (کہ آپ مجھے بھی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دیں) تو آپ کے حکم سے مجھے تلوار پہنادی گئی، مگر تلوار میرا قد چھوٹا ہونے کی وجہ سے زمین سے لگ رہی تھی تو آپ نے مجھے کچھ مال دیئے جانے کا حکم فرمایا، اس موقع سے میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ کلمات پڑھ کر سنائے جن سے میں پاگلوں کا دم کر کے علاج کیا کرتا تھا، تو آپ نے اس میں سے (جو کتاب وسنت کے خلاف کلمات تھے) اسکو حذف کر دیا اور باقی کو باقی رکھا۔

اس کی شرح میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری مشہور غیر مقلد عالم فرماتے ہیں کہ :

وفیہ دلیل علی جواز الرقیۃ من غیر القرآن والسنۃ

یعنی اس حدیث میں دلیل ہے کہ کتاب وسنت کے علاوہ کلمات سے بھی جھاڑ پھونک (بشرطیکہ کلمات شرکیہ سے خالی ہوں) جائز ہے۔ (تحفۃ صفحہ ۳۸ ج ۲)

دیکھئے ابن باز کے مذہب وعقیدہ اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے مذہب وعقیدہ میں کیسا زمین وآسمان کا فرق ہے، ابن باز کے نزدیک جھاڑ پھونک قطعًا حرام ہے خواہ کتاب وسنت کے کلمات ہی سے کیوں نہ ہو، اور غیر مقلدین کے امام فی الحدیث عبدالرحمٰن مبارکپوری کے مذہب وعقیدہ میں کتاب وسنت ہی نہیں بلکہ حدیث کی روشنی میں کتاب وسنت کے علاوہ کلمات سے بھی جھاڑ پھونک جائز ہے۔

مولوی حافظ داؤد خاں صاحب رحمانی غیر مقلدین کی جماعت کے ایک صاحب تصانیف بزرگ ہیں ان کی ایک کتاب کا نام ہے غذا للارواح جو شرعی وظائف کے نام سے مشہور ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں کہ :

"جھاڑ پھونک سے کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس میں شرک نہ ہو" (صفحہ ۴۲)

نیز فرماتے ہیں :

"جو تعویذ، منتر وغیرہ شرکیہ نہ ہوں اور نہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہوں جن کے معنی معلوم نہ ہوں وہ جائز ہیں" (ایضًا)

نیز فرماتے ہیں کہ :

ہاں اگر قرآن وحدیث کے الفاظ ہوں یا صلحاء کے ایسے الفاظ ہوں جن میں شرک کی بو نہ ہو ان میں کوئی حرج نہیں، احادیث میں بچھو کے کاٹے ہوئے پر سورہ فاتحہ سے دم کرنے کا ذکر آیا ہے وہ جائز ہے۔ (ایضًا)

نیز لکھتے ہیں :

جب کسی زہر دار کیڑے کے کاٹے پر یا ورم پر یا پھوڑے پھنسی پر یا پانی وغیرہ

دم کیا جائے تو اس پر تھتکارنا مستحب ہے جیساکہ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے اور صحیحین میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل موجود ہے (ملخص)

حضرات جو عمل آج کے غیر مقلدین کے نزدیک شرک و حرام ہے اس کے بارے میں اکابر غیر مقلدین کی تحقیق آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ اب اخیر میں جماعت غیر مقلدین کے سربراہ اعلیٰ نمبر ۲ کے مجدد اور وہ جنھوں نے کہ بقول مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری پوری دنیا کو علم و معرفت سے بھر دیا تھا یعنی اعلیٰ حضرت عمدۃ المفسرین زبدۃ المحدثین نواب سید محمد صدیق خاں صاحب بھوپالی کا جھاڑ پھونک کے بارے میں یہ مفصل بیان بھی ملاحظہ فرمالیں وہ اپنی کتاب کتاب التعویذات میں لکھتے ہیں :

"فائدہ بیان دعا کا تھا رقیہ (یعنی جھاڑ پھونک) سو جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ (رواہ مسلم) (یعنی اگر کوئی اپنے بھائی کو نفع پہونچا سکے تو اس کو ضرور نفع پہونچانا چاہیئے) یہ حدیث اگرچہ خاص حق میں رقیہ کے دم (یعنی بچھو) کے آئی ہے لیکن اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص سبب کا (یعنی اس حدیث سے صرف بچھو ہی میں نہیں بلکہ ہر جگہ جھاڑ پھونک کا جواز معلوم ہوتا ہے) اور حدیث عوف بن مالک اشجعی میں فرمایا ہے لا بأس بالرقیٰ مالم یکن فیہ شرک (یعنی جھاڑ پھونک میں کوئی حرج نہیں ہے اگر اس میں شرک کی بات نہ ہو؟) (ص۱۳)

نیز نواب صاحب فرماتے ہیں :

جو رقی (جھاڑ پھونک) اسلام کے ہیں اور قرآن و حدیث سے ثابت ہیں یا علماء اہل توحید سے ماثور ہیں⁽¹⁾ اور اس میں استعانت بغیر اللہ نہیں ہے

---

(۱) ناظرین اس عبارت میں غور فرمائیں نواب صاحب کہنا کیا چاہتے ہیں ذراسا غور کرنے سے سمجھ میں آجائیگا۔

وہ بلاشک جائز ہیں خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کا رقیہ حسنین علیہما السلام کے لئے کیا تھا۔ (ص۲۱)

ناظرین شروع سطروں میں آپ نے پڑھا کہ ابن باز کے نزدیک ہر طرح کا رقیہ اور جھاڑ پھونک تعویذ ناجائز اور حرام ہے، اور انھیں کی تقلید میں سلفیت زدہ غیر مقلدین ابن بازیوں اور البانیوں نے بھی دعا تعویذ اور گنڈہ کو شرک اور حرام کہنا شروع کر دیا ہے، جبکہ اکابر غیر مقلدین جن کا وجود سلفیت کے وجود میں آنے سے پہلے تھا تمام کے نزدیک دعا تعویذ جھاڑ پھونک جائز اور مشروع عمل تھا۔

اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ جو عمل کتاب وسنت سے ثابت ہو اس پر نکیر کرنا یا اس کو حرام اور ناجائز اور شرک بتلانا یہ ایمان والوں کا کام ہے یا ان کا جو ایمان کی دولت سے محروم ہیں؟ ہم خود انصاف پسند غیر مقلدین سے یہ سوال کرنا چاہتے ہیں۔

---

محمد اجمل مفتاحی

مسنون ہے، مگر اس کے باوجود فرض ہے اور نماز کا رکن ہے، بلا اس کے نماز باطل ہوتی ہے، مقتدی کو بھی سورہ فاتحہ کا پڑھنا آپ کے مذہب کے مطابق سنت سے ثابت ہے یعنی وہ عمل مسنون ہے مگر اس کے باوجود مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، تو رفع یدین جو سنت سے ثابت ہے اس کا حکم فرمائیں کہ اللہ کے رسولؐ نے اسکو فرض کہا ہے یا واجب، سنت کہا ہے یا مستحب۔ جو بھی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہو اس کو بتلائیں پھر ہم بھی قائل ہو جائیںگے آپ کی سلفیت والی شیخ الحدیثیت کے ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

فرماتے ہیں شیخ الحدیث صاحب:

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہمیشہ عمل فرمایا ہے" ص۴۸

ذرا ایمان داری سے وہ حدیث سند کے ساتھ پیش کر دیں جس میں یہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس پر عمل فرمایا ہے، خدا سے ڈرو رسول اللہ کی طرف جھوٹ بات کا انتساب نہ کرو، موضوع اور من گھڑت روایت پیش کرنے کا الزام مقلدین کے سر ہے، آپ تو صرف صحیح حدیث والے لوگ ہیں، تو اے صحیح حدیث والے لوگو جھوٹ اور من گھڑت روایتوں کا سہارا نہ لو۔

فرماتے ہیں شیخ الحدیث صاحب:

۔ فقہاء عراق میں اس کا رواج نہیں ہے۔ ص۴۸

امام مالک اور ان کے زمانہ میں مدینہ میں بسنے والے مسلمان یہ فقہائے عراق تھے۔ یا فقہائے حجاز، کیا ذرا بتلائیے تو امام مالک کا کیا مذہب ہے۔ مذہب امام مالک کی معتمد کتابوں سے ان کا مذہب نقل فرمائیے۔

فرماتے ہیں شیخ الحدیث صاحب:

۔ احادیث کے مطابق فقہائے عراق کا مسلک بے حد کمزور ہے۔ ص۴۸

مفتاحی جمل ۱۱

نورالدین نوراللہ الاعظمی

قسط ۳

# مولانا اسماعیل سلفی کی کتاب
# "رسول اکرمؐ کی نماز" پر ایک نظر

فرماتے ہیں شیخ الحدیث سلفی صاحب

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو ہاتھ اٹھاکر تکبیر کہتے، جب رکوع کیلئے تکبیر کہتے تو ہاتھ اٹھاتے، رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی ہاتھ اٹھاتے اسے عموماً رفع یدین سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ عمل مسنون ہے۔" ص ۴۸

ہمارے سلفی شیخ الحدیث نے اس اہم اور معرکۃ الآراء مسئلہ میں بھی اس کا واضح حکم نہیں بتلایا، رفع یدین کا حکم کیا ہے، واجب ہے، فرض ہے، سنت ہے، مستحب ہے مباح ہے، حدیث شریف میں جو اس کا حکم ہے اس کو بیان کرنا چاہئے، یہ عمل مسنون ہے، اس سے کچھ پتہ نہیں چلتا، مسنون ہونے کا ایک مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ حدیث سے ثابت ہے اور جو عمل حدیث سے ثابت ہو وہ فرض اور واجب بھی ہوتا ہے، تو شیخ الحدیث صاحب کو صاف صاف حدیث میں جو رفع یدین کا حکم ہے اس کو بیان کرنا چاہئے، براہ کرم یہ بتلایا جائے کہ حدیث شریف میں رفع یدین کو فرض کہا گیا ہے یا واجب، یا سنت یا مستحب یا مباح، حدیث کا جو حکم ہو اس سے آگاہ فرمائیں۔ صرف یہ عمل مسنون ہے" کہہ دینا کافی نہ ہوگا، آپ کے نزدیک سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی سنت سے ثابت ہے، یعنی سورہ فاتحہ

بیشک بیشک آج تک سارے غیر مقلدوں کا یہی نعرہ ہے، فقہائے عراق جن کا مذہب بقول آپ کے بے حد کمزور ہے، ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ نماز میں صرف ایک جگہ رفع یدین سنت ہے، بقیہ جگہ پر افضل یہ ہے کہ رفع یدین نہ کیا جائے، کوئی کرے تو نماز میں اس سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔

اس طرح آپ اپنا مذہب ڈنکے کی چوٹ پر صاف صاف ظاہر فرمائیں کہ کیا ہے، واجب ہے، فرض ہے، سنت ہے، مستحب ہے، جن کا مذہب بقول آپ کے کمزور بنیاد پر قائم ہے، ان کے اطمینان وسکون کا حال یہ ہے کہ وہ اپنا مذہب کھول کر بیان کرتے ہیں، اور آپ کا مذہب جو مضبوط ترین بنیاد پر قائم ہے، اس کے بیان کرنے میں آپ ایک مبہم قول "یہ عمل مسنون ہے" کا سہارا لے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس کا مذہب مضبوط ہے اور کس کا کمزور، غیر مقلدیت کے وجود کے زمانہ پر ڈیڑھ صدی گزر گئی لیکن ابھی تک غیر مقلدین علماء فیصلہ بھی نہیں کر سکے کہ رفع یدین کا حکم کیا ہے، کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ بکتا ہے۔

سید میاں نذیر حسین فرماتے ہیں۔ رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں سنت ہے۔ (فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۴۴۱)

مفتی عبد الستار غیر مقلد لکھتے ہیں کہ رفع یدین سنت مؤکدہ ہے۔ (فتاوی ستاریہ ص ۵۱ / ج ۲)

حکیم سیالکوٹی بھی اس کو سنت موکدہ لکھتے ہیں۔ (صلوٰۃ النبی ص ۲۳۶)

قرۃ العینین کا مصنف لکھتا ہے، رفع یدین واجب ہے اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہوتی ہے۔ ص ۶۹

عبد اللہ روپڑی لکھتے ہیں، احتیاط رفع یدین کرنے میں ہے۔

اور نواب صدیق حسن خانصاحب فرماتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔ (الروضۃ الندیہ ص ۱۵۴ / ج ۱)

سلفی صاحب فرماتے ہیں یہ مسنون ہے۔

غرض آج تک غیر مقلدین فیصلہ نہیں کر سکے کہ آخر رفع یدین کا حکم کیا ہے، سارے

غیر مقلدوں کا دعویٰ یہی ہے کہ وہ اپنی بات کتاب و سنت سے کہتے ہیں مگر رفع یدین جیسے مسئلہ میں جو بقول ان حضرات کے سنت متواترہ سے ثابت ہے ان کا صحیح مذہب نامعلوم و مجہول ہے، اور پھر کمال یہ ہے کہ بعض غیر مقلد علماء صرف تین جگہ، رفع یدین کے قائل ہیں اور بعض چار جگہ، حالانکہ بخاری میں چوتھی جگہ والی حدیث بھی ہے مگر غیر مقلدین کی کتابوں میں اس چوتھی جگہ کے اثبات پر زور صرف نہیں کیا جاتا بس ان کا سارا زور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کے اثبات میں خرچ ہوتا ہے۔

اور ناظرین کرام جن کا مذہب مضبوط بنیاد پر قائم ہوتا ہے وہ دھاندلی سے کام نہیں لیتے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے بیان میں خیانت نہیں کرتے، مگر میں بڑے افسوس سے کہتا ہوں کہ مولانا محمد اسماعیل سلفی شیخ الحدیث نے جو رفع یدین کے بیان میں پہلی ہی حدیث نقل کی ہے اسی کے ترجمہ میں زبردست دھاندلی کی ہے کہ دیانت و امانت سر پیٹ کر رہ جائے، آپ بھی دیکھیں، شیخ الحدیث سلفی صاحب نے پہلی حدیث یہ ذکر کی ہے پہلے آپ اس کا صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"عبداللہ بن عمر نے فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ نے نماز شروع کی تو جب تکبیر کہی تو رفع یدین کیا(۱)، کندھوں تک اٹھاکر، اور جب رکوع کیا تو بھی رفع یدین(۲) کیا اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو بھی رفع یدین کیا(۳) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربنا لک الحمد کہا تو بھی رفع یدین کیا(۴)، اور آپ نے سجدہ میں جاتے وقت اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کیا۔"

یہ ہے حدیث کا صحیح ترجمہ، اس حدیث سے واضح ہے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے حالتِ قیام میں چار جگہ رفع یدین کیا، ابتداء نماز کے وقت، رکوع میں جاتے وقت، سمع اللہ لمن حمدہ جب کہا اس وقت اور چوتھی جگہ جب آپ نے ربنا لک الحمد کہا اس وقت مگر چونکہ غیر مقلدین کا اس پر عمل نہیں ہے اس وجہ سے مولانا اسماعیل سلفی نے اس حدیث کے ترجمہ میں زبردست فریب سے کام لیا اور اس کا شیخ الحدیثانہ ترجمہ یہ کیا ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی کی کتاب کا اصل فوٹو ناظرین مولانا کے ترجمہ پر غور کریں۔

۴۸

# رفع یدین یعنی نماز میں ہاتھ اٹھانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہتے۔ جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے تو ہاتھ اٹھاتے، رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی ہاتھ اٹھاتے اسے عموماً رفع یدین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ عمل مسنون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہمیشہ عمل فرمایا ہے۔ جب درمیان کے تشہد سے تیسری رکعت کے لیے اٹھتے اس وقت بھی ہاتھ اٹھاتے۔ فقہاء عراق میں اس کا رواج نہیں۔ احادیث کے مطابق فقہاء عراق کا مسلک بے حد کمزور ہے۔ کوئی صحیح صریح حدیث اس مسلک کی تائید میں نہیں ملتی۔ ائمہ حدیث کے مسلک کی تائید میں بکثرت صحیح احادیث موجود ہیں۔

عن عبد اللہ بن عمر قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم افتتح التکبیر فی الصلوٰۃ فرفع یدیہ حین یکبر حتی یجعلھما حذو منکبیہ واذا کبر للرکوع فعل مثلہ واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فعل مثلہ واذا قال ربنا ولک الحمد فعل مثلہ ولا یفعل ذلک حین یسجد ولا حین یرفع رأسہ من السجود۔

(سنن کبری ص۶۸ ج۲، ابوداؤد ص۱۰۳ ج۱، صحیح بخاری ص۱۰۲ ج۱، جمع الفوائد ص۹۰ ج۱، صحیح مسلم ص۱۶۸ ج۱، ترمذی طبع مصر ص۳۵ ج۲)

"عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کو دیکھا جب شروع نماز میں تکبیر کہتے تو تکبیر کے ساتھ ہی کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور سجود میں کسی مقام پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔"

ناظرین کرام آپ دونوں ترجمہ کو ملا کر دیکھ لیں کہ سلفی شیخ الحدیث صاحب نے ترجمہ میں کتنا گھپلا کیا ہے، حدیثِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں اس قسم کے گھپلا کر کے غیر مقلدین کے علماء رفع یدین ثابت کرتے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یہ اسماعیل سلفی صاحب کوئی ایرے غیرے نتھو خیرے غیر مقلد عالم نہیں ہیں بلکہ غیر مقلد جماعت کے اکابر علماء میں ان کا شمار ہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ " رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز سکھلانے کا دعویٰ ہو اور حدیث رسول میں خیانت کے جرم کا آدمی ارتکاب کرے۔ فالی اللہ المشتکی ثم الی اللہ المشتکی۔ اے حضرات قارئین کرام میں نے سلفی شیخ الحدیث کی اصل کتاب کا یہاں پیش کیا ہے فوٹو کہ اصل اور نقل میں ذرا بھی فرق نہ رہے اور امانت و دیانت سلفی شیخ الحدیث صاحب کی ظاہر ہو پوری پوری، اور اے حضرات ناظرین اس حدیث کیلئے حوالہ دیا ہے سلفی شیخ الحدیث صاحب نے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی کا بھی مگر نہیں ہے وجود اس حدیث کا ذکر صفحات ان چاروں کتابوں میں سے کسی میں بھی[1] فھذہ خیانۃ کبری اخریٰ۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

گل و گلچیں کا شکوہ بلبل ناشاد نہ کر
تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

میں یہاں اپنے بھائیوں کو ایک بات کی طرف اور توجہ دلانا چاہتا ہوں، سلفی شیخ الحدیث صاحب نے رفع یدین کی اس کتاب میں جو حدیثیں نقل کی ہیں ان میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے تھے (حتی یبلغ بھما فروع اذنیہ) اور حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپنے دونوں کانوں تک اٹھایا (حتی حاذتا اذنیہ)

---

(۱) اور بقیہ دو حوالوں کا حال خدا جانے یہ کتابیں میرے پاس نہیں ہیں کہ مولانا کے سچ اور جھوٹ کا فرق پتہ لگے۔

یہ تینوں حضرات صحابہ کرام ہیں اور ہر ایک کا مشاہدہ الگ الگ ہے۔ تینوں حضرات بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضورؐ کی نماز کو دیکھا اور رفع یدین کے سلسلہ میں تینوں کا بیان الگ الگ ہے، آپ ذرا غیر مقلدین حضرات ارشاد فرمائیں کہ رفع کی سنت کس طرح ادا ہوگی، کندھوں تک ہاتھ اٹھا کر، فرع اذن یعنی کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھا کر یا مطلق کانوں کے برابر ہاتھ اٹھا کر اور آپ حضرات کا عمل ان تینوں صحیح حدیثوں میں سے کس پر ہے اور اس کی وجہ ترجیح کیا ہے، اور اگر تینوں حدیثیں صحیح ہیں اور صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ ان سے استدلال کر رہے ہیں تو ان میں سے کسی حدیث پر عمل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا یہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی کونسی سنت ہے ؟

مولانا سلفی صاحب نے آنحضور سے رفع یدین کا عمل ہمیشہ ہمیشہ ثابت کرنے کیلئے اس جعلی روایت کو بھی شیخ الحدیث ہونے کے باوجود پیش کیا ہے فما زالت تلك صلوته حتى لقى الله آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم رفع یدین کے ساتھ ہمیشہ وفات تک نماز پڑھتے رہے، شیخ الحدیث صاحب کو خوب معلوم ہے کہ یہ روایت جعلی ہے، مگر دیکھئے کیا فرماتے ہیں

فرماتے ہیں کہ اس روایت پر بلحاظ سند بحث کی ضرورت نہیں ص۵۱

کیوں بحث کی ضرورت نہیں، ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ شیخ الحدیث صاحب کو ڈر لگا ہے کہ اگر سند کی بحث کی جائے گی تو اس کا جعلی ہونا ظاہر ہو جائے گا اور ہمیشہ کے رفع یدین کا مسئلہ مشتبہ ہو جائے گا، اس لئے سلفی شیخ الحدیث صاحب تلقین فرما رہے ہیں کہ سند پر بحث کی ضرورت نہیں ـــــــ ہمارے حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازیپوری فرماتے ہیں کہ رفع یدین کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے، مگر افسوس اس پر ہوتا ہے کہ غیر مقلدین نے رفع یدین کو دین و ایمان کا مسئلہ بنا لیا ہے، اور اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ اس بارے میں عصبیت کی اس انتہا پر ہیں کہ دیدہ دانستہ احادیث رسول میں خیانت کرتے ہیں۔ اور یہ جرم اتنا سنگین ہے کہ یہ ساری عمر رفع یدین کرتے رہیں ان کا یہ جرم دھل نہیں سکتا۔ (جاری)

جمل ۱ ۲۰۰ مقاماتی

محمد ابو بکر غازی پوری

دوسری قسط

# غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں صاحب کے کچھ قابل غور ارشادات

## معرکۂ قتال سے بھاگنے کی ترغیب

بخاری شریف میں باب الصبر عند القتال، یعنی جنگ کے وقت صبر کرنے اور ڈٹے رہنے کا بیان، اس کے تحت امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا لقیتموھم فاصبروا

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو صبر کرو۔

اس حدیث میں کافروں سے جنگ کے موقع پر میدان میں ڈٹے رہنے اور صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے تحت نواب صاحب لکھتے ہیں:

۔ مقابلہ سے منہ نہ موڑو بشرطیکہ دو چند سے زیادہ نہ ہوں اگر دو چند سے زیادہ ہیں تو بھاگ جانا درست ہے۔ (ایضاً ص ۴۷)

زمزم!

خانصاحب آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم میدان جنگ میں ڈٹے رہنے کے برخلاف مقابل کے دو چند ہونے کی شکل میں میدان چھوڑ کر بھاگ جانے کا فتویٰ دے رہے ہیں، اور اس شاہی فتویٰ پر نہ قرآن سے کوئی آیت پیش کر رہے ہیں اور

نہ کوئی حدیث پیش کر رہے ہیں ، نہ ائمہ مجتہدین اور اسلاف میں سے کسی ایک فرد کا قول نقل کر رہے ہیں ، معلوم نہیں نواب صاحب کے اس فتویٰ کا ماخذ کیا ہے ؟ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منشار کے خلاف کوئی فتویٰ دینا بڑی جرأت کی بات ہے یہ کام کوئی غیر مقلد ہی کر سکتا ہے ۔

## تراویح کو تراویح کیوں کہا جاتا ہے

نواب صاحب فرماتے ہیں :

" تراویح اس کا نام اس لئے ہوا کہ تراویح کہتے ہیں آرام کرنے کو ، صحابہ اس زمانہ میں ہر دوگانہ کے بعد تھوڑی دیر آرام سے بیٹھتے ، راحت لیتے ،

(ایضاً ص ۱۴۷)

نرحزم ! خاں صاحب کا یہ فرمانا کہ صحابہ کرام اس نماز میں ہر دوگانہ یعنی ہر دو رکعت پر بیٹھتے ، راحت لیتے ، بالکل غلط ہے ، صحابہ کرام چار رکعت پر بیٹھا کرتے تھے ، مگر چونکہ غیر مقلدین تراویح کے نام پر جو آٹھ رکعت پڑھتے ہیں ، اس میں صرف دو ترویحہ ہوتا ہے ، جب کہ تراویح جمع ہے جس کا اطلاق تین ترویحے سے کم پر نہیں ہو سکتا ، اس وجہ سے نواب صاحب نے ہر دوگانہ یعنی ہر دو رکعت پر آرام کرنے کا نام ترویحہ رکھ دیا تاکہ غیر مقلدین پر اعتراض سے بچا جائے اور کہہ دیا جائے کہ ہم لوگ بھی ترویحتین نہیں تراویح پڑھتے ہیں ۔

## حضرت عمر رضی سے تراویح بیس رکعت پڑھنا بسند صحیح منقول ہے

نواب صاحب فرماتے ہیں :

" اور یہ روایت کہ آپ نے تراویح کی بیس رکعتیں پڑھی تھیں ضعیف ہے البتہ حضرت عمر سے بسند صحیح بیس رکعتیں پڑھنا منقول ہے ۔ (ایضاً ص ۱۴۷)

نرحزم ! ناظرینِ کرام :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کی زبان پر اللہ نے حق نازل فرمایا تھا اور جن کے منشا اور رائے کے مطابق وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ آنحضورؐ کے عمل کے خلاف کوئی کام کریں کسی مسلمان کی عقل اس کو باور نہیں کر سکتی، اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کے باب میں عمل آنحضورؐ کی سنت کے خلاف نہیں ہو سکتا، پس معلوم ہوا کہ تراویح کی اصل رکعتیں وہی ہیں جو حضرت عمرؓ سے بسند صحیح ثابت ہیں خواہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت بسند ضعیف ہی کیوں نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ تراویح بیس رکعت پڑھنا صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر آج تک جمہور مسلمین کا مسلک رہا ہے۔

جس طرح وضو میں بسم اللہ پڑھنے کی حدیث ضعیف ہے، اذان ٹھہر ٹھہر کر کہنے والی حدیث ضعیف ہے، آنکھوں میں سرمہ لگانے والی حدیث ضعیف ہے۔ مگر ان احادیث کے محض سنداً ضعیف ہونے کی وجہ سے کوئی مسلمان ان باتوں کو چھوڑتا نہیں، اسی طرح تراویح کا بھی معاملہ ہے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ولایت کا اعلیٰ درجہ حاصل تھا

نواب صاحب محدث .. والی حدیث نقل کر کے اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

"الہام ولایت کا ایک مرتبہ ہے۔ اللہ کی طرف سے دل کے دل میں ایک بات ڈال دی جاتی ہے، حضرت عمر کو یہ درجہ اعلیٰ طور سے حاصل تھا۔ اکثر باتوں میں وحی انہیں کی رائے کے موافق اتری۔ (ایضاً ص ۵۲۱ ج ۲)

ناظرین! مگر غیر مقلدین کو سب سے زیادہ چڑھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے ہے اس وجہ سے ان کی باتوں و سنتوں کو یہ بدعت کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔

## غیر مقلدین کیلئے لمحہ فکریہ

بخاری شریف میں ایک حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت داؤد پر زبور کا پڑھنا

بہت ہلکا کر دیا گیا تھا، وہ اپنی سواری پر زین کسے جانے سے پہلے پورا زبور ختم کر لیا کرتے تھے۔ اس حدیث کے تحت نواب صاحب فرماتے ہیں:

"اس قدر جلد زبور پڑھ لینا حضرت داؤد کا معجزہ تھا، نووی نے کہا ہے کہ بعض لوگوں سے منقول ہے کہ وہ رات میں قرآن کے چار ختم کر لیا کرتے تھے اور دن میں چار، قسطلانی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کیلئے زمانہ کو سمیٹ دیتا ہے جیسے مسافت سمیٹ دیتا ہے، میں نے ابو الطاہر کو دیکھا کہ وہ رات میں قرآن کے دس ختم کرتے تھے۔ اور شیخ الاسلام برہان بن ابی شریف نے کہا کہ وہ رات دن میں پندرہ قرآن ختم کرتے تھے۔" (الفیناص ۱۸ ج ۲)

**زمزم!**

ان باتوں پر عام مسلمانوں کو یقین کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، اس لئے کہ کرامت نام ہی ہے ان باتوں کا جو عام طور پر پیش نہ آتی ہوں۔ وہ از قسم معجزات ہوتی ہیں، جیسے معجزہ نبی کے ہاتھ پر خلاف عادت باتوں کے ظاہر ہونے کا نام ہے، اسی طرح کرامت ولی کے ہاتھ پر خلاف عادت باتوں کے ظاہر ہونے کا نام ہے، اس پر اعتراض یا اشکال نہیں کیا جا سکتا، تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء کی کرامت حق ہے، مگر ان باتوں کو دورِ حاضر کے سلفیوں کی عقل قبول نہیں کرتی ہے، اور ان کو سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ دن رات میں کوئی آٹھ یا دس قرآن کیسے ختم کر سکتا ہے، وہ ان باتوں کو افسانہ قرار دیتے ہیں۔ اور تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنے کو بدعت بتلاتے ہیں۔ ان کے بدعت قرار دینے کی گولیوں سے کیسے کیسے اللہ والے زخمی ہوتے ہیں، نواب صاحب کا یہ تشریحی نوٹ غیر مقلدین کیلئے لمحۂ فکریہ ہے۔

# امام بخاری کے شیخ کی غلطی

امام بخاری نے باب قائم کیا ہے باب من ینکب او یطعن فی سبیل اللہ

اور اس کے تحت مندرجہ ذیل حدیث ذکر کی ہے۔

حدثنا حفص بن عمر حدثنا همام عن اسحٰق عن انس قال بعث النبی صلے اللہ علیہ وسلم اقواماً من بنی سلیم الی بنی عامر فی سبعین الخ

یعنی حضرت انس فرماتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی سلیم کی چند جماعتوں کو ستر آدمیوں کے ساتھ قبیلہ بنی عامر کی طرف بھیجا تھا۔

اس کے تحت نواب صاحب لکھتے ہیں :

حافظ نے کہا کہ اس میں حفص بن عمر امام بخاری کے شیخ نے غلطی کی اور صحیح یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم کے ایک بھائی یعنی حرام بن ملحان کو اور ستر آدمیوں کو بنی عامر کے پاس بھیجا تھا ، (ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۴)

ناظرین!

غیر مقلدین شور مچایا کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا حافظہ بہت کمزور تھا، انھوں نے پچاس حدیثوں میں غلطی کی ہے، احناف غیر مقلدین سے کہتے ہیں کہ تم صرف ایک حدیث پیش کرو جس میں امام ابوحنیفہ کی غلطی ثابت ہو، مگر آج تک ایک غیر مقلد نے بھی احناف کا یہ مطالبہ پورا نہیں کیا۔

مگر غیر مقلدین کا امام ابوحنیفہ کے خلاف شور شرابا آج تک رکا نہیں، اب یہاں بخاری شریف کی حدیث میں امام بخاری کے شیخ کی صریح غلطی نواب صاحب نے نکال کر دکھادی ، اور کمال یہ ہے کہ امام بخاری کو بھی اس کا پتہ نہیں چلا اور اسی غلط بات کو انھوں نے جوں کا توں اپنی سب سے صحیح کتاب میں درج کر دیا۔ دیکھنا ہے کہ غیر مقلدین امام بخاری اور ان کے شیخ کی اس صریح غلطی پر کتنا شور شرابا برپا کرتے ہیں اور ان دونوں گرامی قدر محدثین کے حافظہ کے بارے میں ان کا کیا تبصرہ ہوتا ہے۔

## حدیث میں امام بخاری کی غلطی

امام بخاری نے باب قائم کیا ہے۔ باب من اتاه سهم غرب فقتله

اس کے تحت امام بخاری نے حضرت انس کی حدیث اس طرح ذکر کی ہے۔

حدثنا انس بن مالك ان ام الربيع بنت البراء

نواب صاحب فرماتے ہیں :

"ام الربیع بنت البراء غلط ہے صحیح ام حارثہ ہے، یہ انس بن مالک کی پھوپھی تھیں" (ایضاً ص ۵۰۷ ج ۴)

ناظرین ! اب غیر مقلدین بتلائیں کہ کس کا حافظہ کمزور تھا، امام ابوحنیفہ کا یا امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کا، بخاری نے جیسی حدیث اپنے شیوخ سے سنی ویسی نقل کر دی نہ بخاری کو اور نہ ان کے شیخ و شیخ کے شیخ اور نہ ان کے شیخ کے شیخ کو پتہ چلا کہ جو نام یہ حضرات لے رہے ہیں یہ غلط ہے جیسا کہ نواب صاحب فرماتے ہیں، یہ ان حضرات کے حدیث میں مہارت اور حافظہ کی قوت کی بات ہے یا کچھ اور اس کا فیصلہ ناظرین خود کر لیں، یہاں غیر مقلدین چپ سادھے رہیں گے مگر امام ابوحنیفہ کو حدیث میں ضعیف قرار دینے کا راگ خوب الاپتے رہیں گے۔

# حافظ ابن حجر کا مرتبہ بخاری کے برابر

نواب صاحب فرماتے ہیں !

"امام بخاری کے برابر ہمارے شیخ حافظ ابن حجر کا مرتبہ ہے شاید کوئی کتاب حدیث کی ایسی ہو جو ان کی نظر سے نہ گذری ہو اور صحیح بخاری تو الحمد کی طرح ان کو حفظ تھی" (ایضاً ص ۶۸۵ ج ۳)

ناظرین !

چلو امام بخاری رحمہ اللہ کا علم حدیث میں اعتبار اور امیر المومنین فی الحدیث ہونے کا قصہ تمام ہوا، ابن حجر اور بخاری دونوں برابر ہے۔

---

محمد اجمل ا مقامی

طٰہٰ شیرازی

# خمار سلفیت

## حدیث ضعیف جداً (بہت زیادہ ضعیف)

## اور مبارکپوری صاحب

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی شیخ جمن حفظہ اللہ دو دن سے گھر سے باہر نہیں دکھائی دیئے، کیا ان کی طبیعت خراب ہے؟

باپ۔ بیٹا، میں نے کل صبح مرزا ہد ہد کو ان کا حال معلوم کرنے کیلئے بھیجا تھا، انھوں نے کوئی صاف بات نہیں کہی، بس اتنا کہا کہ شرم سے نہیں نکلا جاتا۔

بیٹا۔ اصل قصہ کچھ اور ہے، شیخ جمن اسکو چھپا رہے ہیں۔

باپ۔ وہ اصل قصہ کیا ہے بیٹا؟

بیٹا۔ اباجی صوفی غمگین کہہ رہے تھے کہ ادھر شیخ جمن کو مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری کی کتاب تحفۃ الاحوذی دیکھنے کا شوق ہو گیا تھا، ان کی نگاہ مولانا مبارکپوری کی اس عبارت پر پڑ گئی۔

«الحدیث ضعیف جداً» یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔

باپ ۔ تو اس میں شرمانے کی کیا ضرورت ہے بیٹا، کوئی حدیث ہوگی جو مولانا مبارکپوری کی تحقیق میں بہت ضعیف ہوگی ۔

بیٹا ۔ اباجی اس کے بعد مولانا مبارکپوری صاحب اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں

اعلم ان هذا الحديث يدل على ان تعجيل الصلوٰة اول وقتها افضل من تاخيرها الى اخر وقتها لان فى التعجيل رضوان الله وفى التاخير عفو الله وظاهر ان العفو لا يكون الا من تقصير ۔ (تحفہ ج ۱ ص ۱۵۵)

یعنی تو جان کہ حدیث (جو بہت ضعیف ہے) دلالت کرتی ہے کہ نماز کا اول وقت میں پڑھنا اس کو مؤخر کرکے پڑھنے سے افضل ہے اس لئے کہ تعجیل میں اللہ کی خوشنودی ہے اور تاخیر میں اللہ کا عفو ہے، اور ظاہر ہے کہ معاف کرنا کوتاہی کی وجہ سے ہوگا ۔ یعنی مولانا مبارکپوری صاحب نے "ضعیف جدًا" بہت زیادہ ضعیف حدیث کو نماز کو اول وقت میں پڑھنے کی دلیل بتایا ہے ۔

اب شیخ جمن جن کو مولانا مبارکپوری صاحب سے بہت زیادہ عقیدت تھی اور مولانا کے بل بوتے پر احناف مقلدین سے جھگڑتے رہتے تھے، شرم آرہی ہے کہ وہ احناف کو کیا منہ دکھائیں گے، جماعت اہلحدیث کا اتنا بڑا محدث ضعیف جدًا سے استدلال کررہا ہے، اب وہ کس منہ سے کہیں گے کہ احناف کی فقہ ضعیف حدیث والی ہے ۔

باپ ۔ بیٹا شیخ جمن کی پریشانی و شرمندگی بجا ہے، مولانا مبارکپوری کا یہ کلام بڑا خطرناک ہے، اس حدیث کا ایک راوی یعقوب بن الولید کے متعلق امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کان من الكذابين الكبار وكان يضع الحديث ۔ یعنی یہ بہت بڑا جھوٹا تھا اور حدیثیں گڑھتا تھا، اور ابو حاتم فرماتے ہیں کہ کان يكذب الحديث الذى رواه موضوع یعنی یہ حدیث بیان کرنے میں جھوٹ بولتا تھا، اور جو

اس نے یہ حدیث بیان کی ہے وہ موضوع ہے۔ اس جعلی اور بناوٹی حدیث سے
مولانا مبارکپوری نے استدلال کیا ہے، واقعۃً بڑے شرم کی بات ہے اور مخ بن
کی شرمندگی برحق ہے۔

بیٹا۔ اباجی احناف علماء اگر ضعیف حدیث سے استدلال کریں تو حرام ہو اور ہمارے
علماء ضعیف حدیث سے استدلال کریں اور ضعیف جداً تک کو دلیل
بناکر پیش کریں تو یہ عین دین و شریعت ہو، کیا یہ بے انصافی نہیں ہے؟

باپ۔ بیٹا بے انصافی تو ہے اور صریح بے انصافی ہے۔

بیٹا۔ اباجی ہم اہلحدیث لوگ ایسی صریح بے انصافی کرتے ہیں اور جعلی اور بناوٹی
حدیث سے دینی مسائل میں استدلال کرتے ہیں پھر بھی ہماری اہلحدیثیت
اور سلفیت بے داغ رہتی ہے، ایسا کیوں؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

## نماز تراویح کی کتنی رکعتیں

بیٹا۔ اباجی۔ بیروت سے مصنف ابن ابی شیبہ کا نیا اڈیشن چھپ کر آیا ہے،
میں اس کا مطالعہ کر رہا ہوں۔

باپ۔ بیٹا۔ ضرور اس کا مطالعہ کرو، یہ کتاب حدیث کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔
اس کے مصنف ہمارے حضرت امام بخاری کے استاذ تھے، بڑے جلیل القدر
محدث تھے، فن حدیث کے امام تھے۔

بیٹا۔ اباجی اس کتاب کی دوسری جلد میں ص ۲۸۵ پر یہ عنوان ہے:

کم یصلی فی رمضان من رکعۃ

اس کا ترجمہ نہیں ہو پا رہا ہے، اس کا جب ترجمہ کرتا ہوں تو اس باب کے تحت
جتنی حدیثیں ہیں وہ مجھے بہت پریشان کرتی ہیں، اسلئے آپ اس عنوان والی

عبارت کا صحیح ترجمہ کردیں ۔

باپ ۔ بیٹا، عبارت تو کوئی پیچیدہ نہیں ہے، اس کا ترجمہ بہت سہل ہے، مصنف فرماتے ہیں کہ نماز میں کتنی رکعت تراویح پڑھی جائے گی ۔

بیٹا ۔ اباجی، یہی ترجمہ میں بھی کر رہا ہوں مگر جب اس باب کے تحت جو احادیث ہیں ان کو پڑھتا ہوں تو میرا سر گھومنے لگتا ہے، اس لئے کہ اس باب کے تحت مصنف نے تیرہ حدیثیں ذکر کی ہیں، مگر آٹھ رکعت والی ایک حدیث بھی نہیں ہے۔

باپ ۔ بیٹا، ایسا نہیں ہو سکتا اصل تراویح کی رکعتوں کا عدد تو آٹھ ہی ہے ۔ آٹھ سے زائد جتنی رکعتیں ہیں سب حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے وہ سنت نہیں ہے، ہم لوگ اسکو بدعت عمری کہتے ہیں ، مصنف نے ضرور آٹھ رکعت والی حدیث ذکر کی ہوگی ۔

بیٹا ۔ اباجی میں نے خوب غور کر لیا ہے ، بار بار ان تیرہوں حدیثوں کو پڑھا ہے مگر امام بخاری کے استاذ نے ایک حدیث بھی آٹھ رکعت والی ذکر نہیں کی ہے، میرا سر اس وجہ سے چکرا رہا ہے ۔

باپ ۔ مصنف نے بیس رکعت والی حدیث ذکر کی ہے ؟

بیٹا ۔ اباجی ایک نہیں بیس رکعت والی کئی حدیثیں ذکر کی ہیں، تیرہ میں سے نو حدیثیں بیس رکعت والی ہیں ۔ شروع کی سات حدیثیں مسلسل بیس والی ہیں پھر گیارہویں حدیث بیس والی ہے ۔ پھر تیرہویں یعنی اخیر والی حدیث بھی بیس والی ہے ۔ یعنی بیس رکعت والی حدیث سے باب کو شروع بھی کیا ہے اور بیس ہی والی حدیث پہ باب ختم بھی کیا ہے ۔

باپ ۔ بیٹا، تم الم غلم والی احادیث کی کتابیں مت دیکھا کرو بخاری مسلم دیکھا کرو ۔

بیٹا ۔ اباجی، بخاری کے استاذ والی کتاب الم غلم والی کیسے ہوگی ؟

باپ ۔ ہماری جماعت کے مصلحت کا یہی تقاضا ہے، اچھا دیکھو یہ کتاب کسی حنفی کے ہاتھ میں نہ چلی جائے ۔ ورنہ ہماری بڑی رسوائی ہوگی ، لوگ کہیں گے کہ آٹھ رکعت

تراویح کا وجود صحابہ و تابعین کے زمانہ میں نہیں تھا۔

بیٹا۔ اباجی، امام بخاری کے استاذ کو آٹھ رکعت تراویح والی کوئی حدیث کیوں نہیں ملی؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

## غیر مقلدین علماء کی بے اصولی پر شیخ جمن کی ناراضگی

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا۔

بیٹا۔ اباجی شیخ جمن حفظہ اللہ مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور انکو فن حدیث کا امام سمجھتے تھے۔

باپ۔ جی بیٹا، ہماری جماعت میں محدث مبارکپوری بڑی نرالی شان کے عالم تھے، ترمذی کی شرح لکھی ہے جس کا ڈنکا عرب وعجم میں بج رہا ہے، اور مقلدین کے سینوں پر سانپ لوٹ رہا ہے۔

بیٹا۔ اباجی مگر کل چوپال میں شیخ جمن کا مولانا مبارکپوری کے خلاف کچھ اور ہی تبصرہ تھا وہ کہہ رہے تھے کہ مولانا مبارکپوری بڑے بے اصولے محدث تھے، محدث کو با اصول ہونا چاہئے، بے اصولا نہیں۔

باپ۔ بیٹا، مولانا مبارکپوری کی کس بات پر وہ تبصرہ کر رہے تھے؟

بیٹا۔ اباجی شیخ جمن کہہ رہے تھے کہ مولانا مبارکپوری صاحب نے اپنی کتاب تحقیق الکلام میں مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کی بہت سی حدیثیں اور صحابہ کے آثار ذکر کئے ہیں اور سب کو رد کر دیا ہے کہ یہ سارے آثار اور یہ ساری حدیثیں ضعیف ہیں۔

باپ۔ جی بیٹا، تحقیق الکلام میں مولانا نے بڑی تحقیق فرمائی ہے، مسلم شریف کی بھی حدیثوں پر ایسا محققانہ کلام کیا ہے کہ اس کی حدیثوں کو بھی ناقابل اعتبار کر کے دکھلا دیا ہے،

یہ تو ان کا بڑا کمال ہے شیخ جمن کو تو خوش ہونا چاہئے تھا کہ احناف نے مسلم شریف کی بھی جن احادیث کو دلیل بنایا ہے، ہمارے محدث اعظم نے ان کا بھی بخیہ ادھیڑ دیا ہے۔

بیٹا - اباجی، شیخ جمن کہہ رہے تھے کہ ترمذی شریف میں وضو میں بسم اللہ پڑھنے کی حدیث آئی ہے، اور دوسری کتابوں میں بھی وضو میں بسم اللہ پڑھنے کی حدیثیں ہیں، ان کے بارے میں امام ترمذی امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنے کی ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے، تو اس پر ہمارے محدث اعظم صاحب فرماتے ہیں قلت احادیث هذا الباب کثیرة یشد بعضها بعضا فمجموعها یدل علی ان لها اصلاً۔ یعنی وضو میں بسم اللہ پڑھنے والی حدیثیں بہت ہیں، (اگرچہ وہ سب ضعیف ہیں) مگر ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہیں اس لئے ان کا مجموعہ بتلاتا ہے کہ بیشک ان کی کوئی اصل ضرور ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ترمذی والی حدیث جو کہ ضعیف ہے اس سے معلوم ہوا کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا رکن ہے یا شرط ہے۔

باپ - بیٹا ہمارے محدث صاحب نے بڑی تحقیق فرمائی ہے اصول حدیث کا یہی قاعدہ ہے کہ جب چند حدیثیں ضعیف ہوں تو بعض کو بعض سے قوت پہنچتی ہے ان کو رد نہیں کیا جائے گا، ان کا مجموعہ حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔

بیٹا - اباجی شیخ جمن کو تو یہی اعتراض ہے کہ جب بسم اللہ والی چند حدیثیں مل کر قوی ہو گئیں اور ان سے مولانا مبارکپوری نے بسم اللہ پڑھنے کو وضو میں شرط اور رکن قرار دیا تو عدم قرأت خلف الامام والی بیسوں حدیثوں کو مولانا مبارکپوری نے کیوں رد کر دیا، اگر بالفرض سب حدیثیں ضعیف بھی مان لی جائیں تو کیا ان کا مجموعہ ان احادیث کو قوی نہیں کرتا ہے؟ اور کیا ان احادیث کی کوئی اصل نہ ہوگی یہ تو صریح بے اصولا پن ہے کہ ایک جگہ چند ضعیف حدیثیں ایک دوسرے سے ملکر

توی ہوجاتی ہیں اور ایک جگہ نہیں۔

باپ - بیٹا۔ شیخ جیں کا اشکال بڑا جاندار ہے اور ان کی بات صحیح ہے، مگر اس طرح کی باتوں کو عام نہیں کرنا چاہئے اس سے ہماری جماعت کا نقصان ہوگا۔

بیٹا - اباجی اصولی بات کرنے سے ہماری جماعت کا نقصان کیوں ہوتا ہے ؛

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

## عورتوں اور مردوں کی نماز اور شیخ ہُدہُد کا وعظ

بیٹا - اباجی

باپ - جی بیٹا

بیٹا - اباجی آج کل شیخ ہدہد بڑے زور و شور سے وعظ کہہ رہے ہیں۔

باپ - جی بیٹا - شیخ ہُدہُد حفظہ اللہ ہماری جماعت اہلحدیث کے بڑے پُرجوش عالم اور واعظ ہیں، احناف ان کے نام ہی سے گھبراتے ہیں، آجکل ان کے وعظ کا موضوع کیا ہے بیٹا ؛

بیٹا - اباجی، آجکل ان کی تقریر کا دو ہی موضوع ہے ایک یہ کہ حنفی گھرانے کی عورتوں کی نماز نبی والی نماز نہیں ہے، ان کی عورتیں مرد کی طرح نماز نہیں پڑھتی ہیں حالانکہ سنت یہ ہے کہ عورتیں بھی مرد والی نماز پڑھیں؛ اور دوسرا موضوع یہ ہے کہ مردوں کو بلا ٹوپی پہنے یعنی ننگے سر نماز پڑھنا چاہیے، آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے یعنی آپ کا سر نماز میں ڈھکا نہیں ہوتا تھا۔

باپ - بیٹا، یہ دونوں موضوع بڑے اہم ہیں، شیخ ہدہد نے زمانہ کی نبض بھانپ کر ان کا انتخاب کیا ہے۔ احناف نے ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کی بدعت ایجاد کی ہے، اور ان کی عورتیں سجدہ سکڑ کر کرتی ہیں۔ یعنی نماز میں ان کا سرین اونچا نہیں رہتا ہے جیسا ہم اہلحدیث گھرانوں کی عورتوں کا سرین اٹھا رہتا ہے۔

بیٹا - اباجی، مگر ہمارے شیخ جمن حفظہ اللہ کو شیخ بدھو کی تقریر پر سخت اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کی نماز کا فرق تمام مذاہب میں ہے، اور کھلے سر نماز پڑھنا خود ہمارے علماء کو پسند نہیں تھا، شیخ جمن فرماتے ہیں کہ کسی حنفی نے نہیں بلکہ علامہ ابن رشد مالکی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب بدایۃ المجتہد میں صاف صاف لکھا ہے۔

المرأۃ تخالف حکمہا فی الصلوٰۃ حکم الرجل (ص۱۷۰ ج۱)

یعنی نماز کے سلسلہ میں عورتوں کے بہت سے احکام مردوں سے الگ ہیں۔

باپ - بیٹا، مگر حدیث میں تو ہے کہ صلّوا کما رأیتمونی اُصلّی

بیٹا - اباجی، اس حدیث پاک کے مخاطب مرد ہیں یا عورتیں، آنحضور ﷺ نے یہ کس سے فرمایا ہے؟

باپ - بیٹا حدیث پاک میں تو اصل مخاطب مرد ہی ہیں۔

بیٹا - تو اباجی، اس حدیث کو عورتوں پر چسپاں کرنا یہ حدیث کی تحریف نہیں ہے؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

---

## ضروری نوٹ

زمزم کے خریدار اپنا نیا خریداری نمبر ضرور نوٹ کرلیں۔ اور خط وکتابت میں اسی کا حوالہ دیں۔

محمد اجمل مفتاحی مئو ناتھ بھنجن یوپی انڈیا

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط ۔ ۶

# برطانیہ کا سفر

۲۸ رجولائی ۔ آج دوپہر کا کھانا عزیزم مولوی یوسف ساچا سلمہ اللہ کے یہاں تھا، یہ باٹلی شہر میں رہتے ہیں، علم و مطالعہ کے شوقین ہیں، کھانے میں دوسرے بہت سے شاگرد بھی تھے، کھانا بھی ہوتا رہا اور مختلف علمی موضوعات پر گفتگو بھی ہوتی رہی، دسترخوان کی یہ مجلس علمی مجلس بن گئی تھی، شاگردوں کا جمگھٹا ہو اور سب دینی و علمی مزاج کے نوجوانان صالح ہوں تو طبیعت بڑی کھلتی ہے، خصوصاً استاذ اپنی محنت کا پھل سامنے دیکھتا ہے تو اس کو روحانی خوشی ہوتی ہے، الحمدللہ برطانیہ میں میرے شاگرد عام طور پر دین و علم سے لگے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے انداز میں دین کا کام کر رہے ہیں۔

آج دوپہر بعد موسیٰ بدات (جو میرے شاگرد ہیں اور ایک مسجد میں امام ہیں) کی مسجد میں میرا بیان تھا، کھانے سے فراغت کے بعد تھوڑا آرام کیا اور پھر اسی مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی، ظہر بعد تقریباً آدھ گھنٹہ میرا بیان ہوا۔

ڈابھیل کے قریب لاجپور ایک چھوٹی سی مسلمانوں کی بستی ہے، یہ وہی لاجپور ہے جس کی طرف مولانا عبدالرحیم لاجپوری صاحب فتاویٰ رحیمیہ کی نسبت ہے، مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وطن یہی لاجپور ہے، اس بستی میں ایک بزرگ ہستی حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب کی ہے، جن کے صاحبزادہ عزیزم مولوی مفتی یوسف سلمہ میرے شاگرد ہیں، معلوم ہوا تھا

---

(۱) حاشیہ اگلے صفحہ پر

کہ مولانا عبدالقدوس صاحب باٹلی تشریف لائے ہوئے ہیں، ان سے پرانا نیاز مندانہ تعلق ہے، عصر کی نماز کے بعد ان سے ملنے گیا، اب مولانا بہت عمر رسیدہ ہو چکے ہیں، مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور میری تقریر انھوں نے جو گھر پر رہ کر ہی سنی تھی اسے پسند کیا، تھوڑی دیر ان کے پاس رہ کر اپنی قیام گاہ پر واپس آ گیا۔

عصر بعد آج باٹلی کی جامع مسجد میں میرا بیان تھا، تقریباً ایک گھنٹہ بیان ہوا، الحمدللہ لوگوں نے توجہ اور انہماک سے میری بات سنی، بیان کے بعد سوال وجواب کا بھی سلسلہ رہا، میں محسوس کر رہا تھا کہ غیر مقلدیت کے فتنہ نے برطانیہ میں اذہان کو بڑا خراب کیا ہے، اور دین کی فکر رکھنے والے لوگ اس فتنہ سے کافی پریشان ہیں، بات صرف آمین بالجہر اور رفع یدین تک کی ہوتی تو غیر مقلدین سے کوئی شکایت نہ ہوتی، مگر انھوں نے ذہنوں کو بگاڑا ہے، اسلاف سے بدظنی وبدگمانی پیدا کی ہے، تصوف اور اہل تصوف پر ان کے خطرناک حملوں نے ہماری اسلامی تاریخ کا چہرہ مسخ کیا ہے، نوجوان مجھ سے سوالات کر رہے تھے، بوڑھوں کے چہروں پر شکرمندی کے آثار تھے، الحمدللہ اس مجلس میں سینوں کے شکوک وشبہات رفع ہوئے۔

ابھی اوپر تذکرہ ڈابھیل سے قریب بستی لاجپور کا ہوا، اس بستی میں لاجپور کی ایک

---

گزشتہ صفحہ کا حاشیہ

(۱) عزیزم مولوی یوسف سلمہ ماشاء اللہ باٹلی شہر میں ایک مقام بنائے ہوئے ہیں، یہ مفتی بھی ہیں لوگوں کو دیکھا کہ اپنے مسائل میں ان پر اعتماد کرتے ہیں اور انکی طرف رجوع کرتے ہیں، ڈابھیل میں جن طلبہ نے مجھ سے بطور خاص استفادہ کیا تھا، ان میں سے ایک یہ بھی ہیں، عربی ادب جو تھوڑا بہت انھوں نے مجھ سے سیکھا تھا اس کا انھوں نے خوب فائدہ اٹھایا، اور اپنی صلاحیت ولیاقت کو بڑھانے میں اس سے کام لیا، بڑے پھرتیلے اور تیز بات کرنے والے تیز کام کرنے والے نوجوان عالم ہیں، باٹلی کے ایک جامعہ میں پڑھاتے بھی ہیں، پچیس تیس سال بعد ان سے ملاقات ہو رہی تھی مگر ان کی محبت کا انداز روز اول ہی جیسا تھا۔

اللّٰھم زد علمہ وارفع شانہٗ

دوسری بڑی عظیم صاحب فضل و کمال ہستی مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری کی تھی، مولانا مرغوب احمد رحمۃ اللہ علیہ گجرات کے بڑے ذی علم علماء میں سے تھے، عرصہ دراز تک رنگون میں مفتی کے اہم عہدہ پر تھے اور ان کے فتاویٰ اور ان کے علم سے رنگون والوں نے بڑا فائدہ اٹھایا تھا انھیں مفتی مرغوب احمد صاحب کے پوتے اور میرے عزیز شاگرد مولوی مرغوب احمد سلمۂ جن کا نام اپنے دادا کے نام ہی پر ہے، باٹلی میں رہتے ہیں، آج رات کا کھانا ان کے یہاں تھا (۱)، مولوی مرغوب احمد سلمۂ بڑے نشیط پھرتیلے صاحب ذوق اور صاحب مطالعہ نوجوان صالح ہیں۔

---

(۱) عزیزم مولوی مرغوب احمد سلمۂ ڈابھیل میں میرے شاگرد تھے، ان کے والد جن کا نام مولوی اسمٰعیل ہے، بھائی میاں کے نام سے مشہور ہیں، بڑے مہمان نواز، اللہ والے، بڑے مخلص اور ظاہر و باطن کے پاک صاف آدمی ہیں، چہرہ دیکھو تو معصومیت کا پتلا نظر آتے ہیں، مہمانوں کا استقبال اس خوشی سے کرتے ہیں کہ مہمان کا دل خوش ہو جائے۔ ڈابھیل کے قیام کے زمانہ میں میرا ان کے گھر کثرت سے جانا ہوتا تھا، طبیعت گھبراتی تھی، یا کام کی تھکاوٹ کا احساس ہوتا تو بھائی میاں کے گھر ہم لوگ پہنچتے، عام طور پر میرے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے شعبہ تجوید کے صدر مدرس مولانا قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری قاسمی بھی ہوتے۔ ایک جمعہ ناغہ کرکے ان کے گھر لاجپور جانا تو ہم دونوں کا عمومی معمول تھا، انھیں بھائی میاں کے صاحبزادہ مولوی مرغوب احمد سلمہ ہیں جن کے دادا مفتی رنگون مولانا مرغوب احمد رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ پڑھنے کے زمانہ میں مولوی مرغوب بڑے کھلنڈرے تھے پڑھائی سے بھاگتے تھے مگر آج یہی مولوی مرغوب برطانیہ کے باٹلی شہر میں اپنا اچھا مقام پیدا کئے ہوئے دین کے کام میں لگے ہیں، صاحب قلم ہیں، کئی چھوٹے بڑے رسالوں کے مصنف ہیں، علمی کاموں کا ذوق خوب رکھتے ہیں، آج کل اپنے دادا مرحوم کے فتووں کی ترتیب میں لگے ہوئے ہیں، کل کے مرغوب احمد اور آج کے مرغوب احمد میں یہ انقلاب دیکھ کر میں حیران رہ گیا، اور یقین ہوگیا کہ والدین کی دعا بچوں کے حق میں رائیگاں نہیں جاتی ہے۔

اللّٰھم زد علمہ وبارک فی حیاتہ

زامبیل میں مجھ سے پڑھا ہے اور پھر یہ برطانیہ کے ہو گئے ان سے میری ملاقات ایام طالب علمی کے بعد پہلی دفعہ ہو رہی تھی، ماشاء اللہ اس دیارِ غیر میں دین کا کام کر رہے ہیں، کام کرنے کا جذبہ اور لگن ہے۔

مولانا مرغوب نے کھانے پر کافی اہتمام کیا تھا، ان کے ساتھیوں اور میرے شاگردوں کی ان کے دسترخوان پر ایک جماعت تھی، کھانا بھی ہوتا رہا اور دلچسپ دینی گفتگو بھی ہوتی رہی۔ ان شاگردوں نے محبت کا حق ادا کر دیا، قدم قدم پر احترام و عقیدت کا معاملہ کرتے رہے۔ مولوی مرغوب سلمہ کی علمی ترقی اور ان کا علمی ذوق دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔

ہم لوگ کھانے سے فارغ ہوئے اور پھر تقریباً سبھی میرے ساتھ میری قیام گاہ پر آگئے اور دیر رات تک ان کے ساتھ مجلس رہی، پھر میں سونے کے بستر پر گیا اور یہ لوگ بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

۲۸ر جولائی۔ آج صبح فجر کی نماز اپنی قیام گاہ ہی پر پڑھی اور تفریح کے ارادہ سے باہر نکلا اور کمرہ کا دروازہ لاک کر دیا، یہ خیال نہیں رہا کہ لاک کی چابی تو اندر سے لاک میں لگی ہوئی ہے، اب دروازہ بند میں باہر، جب تفریح سے واپس ہوا تو دروازہ نہیں کھل رہا ہے، پریشان تھا کہ مولوی یوسف سلمانے دیکھ لیا کہ میں باہر پریشان کھڑا ہوں وہ دوڑ کر آئے اور دوسری چابی سے دروازہ کھولا۔

ڈیوزبری میں ایک دینی درسگاہ تعلیم الاسلام کے نام سے ہے یہاں دورہ تک کی تعلیم ہوتی ہے، مولوی یوسف ساچا اسی دار العلوم میں پڑھاتے ہیں، آج پروگرام اس مدرسہ کو دیکھنے اور یہاں کے اساتذہ سے ملاقات کا تھا، ناشتہ کے بعد ہم لوگ یوسف ساچا کے ساتھ مدرسہ دیکھنے گئے، یہ مدرسہ تبلیغی جماعت کا مرکز بھی ہے، یہاں مختلف شہروں اور ملکوں کی کئی جماعت ٹھہری تھی، یہ وہ لوگ تھے جو کھاتے پیتے گھرانوں کے تھے مگر اللہ کے راستہ میں نکلے ہوئے فقیرانہ زندگی بسر کر رہے تھے، دین سیکھنا اور دین کی راہ پر لگانا تبلیغی جماعت کا اصل کام ہے، افسوس کچھ گمراہ جماعتوں کو دین کا یہ خالص کام بھی پسند نہیں آتا۔

مدرسہ تعلیم القرآن میں اساتذہ سے ملاقات ہوئی اور ان سے مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیالات ہوا، گفتگو کا اصل مرکز فتنۂ غیر مقلدیت ہی تھا، یہاں کے شیخ الحدیث بڑودہ گجرات کے مولانا مصلح الدین صاحب ہیں، عرصہ کے بعد ان سے ملاقات ہوئی، اس اچانک ملاقات سے ہم دونوں ہی کو خوشی ہوئی، مولانا مصلح الدین صاحب میری کتابوں کے قدرداں اور میرے کام کو عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان کے چھوٹے بھائی مولانا قمرالدین بڑودہ شہر کی بڑی فعال اور مقبول شخصیت ہیں، دونوں بھائی بڑے منکسر المزاج خوش فکر و خوش مزاج ہیں۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کے صدر مدرس مولانا عبدالرشید صاحب ربانی ہیں، میرے مدرسہ پہنچنے کے وقت موجود نہیں تھے، جب انکو اطلاع ہوئی تو ملنے آگئے اور بڑے خلوص سے ملے غالباً پاکستانی ہیں، پاکستانی علماء کی خاص بات یہ ہے کہ وہ علمائے دیوبند کو دیکھ کر نہال ہوجاتے ہیں۔ مولانا ربانی سے دیر تک گفتگو رہی، پھر ہم اپنی قیامگاہ واپس آگئے۔

آج مولوی یوسف ساپا، مولوی مرغوب اور مولوی اسماعیل کے ساتھ ایک شاپنگ سنٹر گیا، کچھ سامان بھی خریدا گیا، آج ہی عصر بعد مسجد زکریا میں میرا بیان تھا، جو ہوا۔ آج رات کو کھانا مولوی مرغوب احمد سلمۂ ہی کے گھر تھا۔ کھانے سے فارغ ہوکر اپنی قیامگاہ پر آگئے۔

مسجد زکریا حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر ہے، شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین برطانیہ بڑی تعداد میں ہیں، شیخ نے اپنی آخری عمر میں برطانیہ والوں کو اپنے فیوض و برکات سے خوب نوازا تھا، آپ کا رمضان کا پورا مہینہ بھی یہاں گذرا ہے، شیخ کی برکات کا ظہور جگہ جگہ نظر آتا ہے، دینی مدرسوں کا قیام، اور تبلیغی جماعت کی چلت پھرت، خانقاہوں کا وجود جو آج برطانیہ کے چپہ چپہ پر نظر آتا ہے اس میں شیخ ہی کی توجہات اور آپ ہی کی فکرمندیوں کا بڑا حصہ ہے۔

۲۹ جولائی۔ آج صبح ناشتہ مولوی ساپا کے یہاں ہوا۔ آج ہی مجھے BLACKBURN

بلاک برن جانا تھا۔ مجھے لینے کیلئے مولوی اسماعیل سلم کے برادر نسبتی آئے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گاڑی لے کر آگئے، یہ حضرات ۹ بجے صبح پہونچے ہم سفر کیلئے تیار تھے۔ بلاک برن باٹلی سے تقریباً پچاس میل کے فاصلہ پر ہے، جب ہم یہاں پہونچے تو ظہر کی نماز کا وقت قریب تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر اور کھانا کھا کر ہم نے آرام کیا۔

یہاں ہماری قیامگاہ ایک عام مسافر خانہ تھا، یہ مسافر خانہ عبدالرشید مین صاحب جو بلاک برن کے بڑے تاجروں میں سے ہیں۔ علماء اور سفراء کے قیام کیلئے بنوایا ہے اس مسافر خانہ یا مہمان خانہ میں ضروریات کی ہر چیز ہے۔ پلنگ، تکیہ اور اوڑھنے کا صاف ستھرا سامان کے علاوہ مطبخ بھی ہے۔ اور مطبخ ناشتہ و کھانے کی تمام اشیاء اور اسی کے ساتھ مختلف قسم کے پھل، جیلیاں، بسکٹ وغیرہ ہر وقت حاضر اور موجود، گیس کا چولہا جب بھی جو مسافر چاہے چائے بنائے، ناشتہ کرے، کھانا کھالے، اور ایک تختی پر یہ بھی لکھا ہوا نظر آیا کہ اگر کوئی چیز نہ ہو تو فون کرکے گھر اطلاع کر دی جائے، فون کرنے پر وہ چیز حاضر کر دی جاتی ہے۔ ویسے حاجی صاحب کے آدمی روزانہ خود ہی صبح و شام مطبخ کو چیک کرتے رہتے ہیں اور جو چیز نہ ہو یا کم ہو اس کا وہ انتظام کرتا ہے، میں نے بعض پاکستانی سفراء کو دیکھا کہ اس مہمان خانہ سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں، زیادہ تر وہ باورچی خانہ ہی میں نظر آتے تھے۔

عصر بعد ہم اس شہر کو دیکھنے اور گھومنے کیلئے نکلے یہ شہر بہت چھوٹا ہے، کوئی خاص چیز دیکھنے کی نہیں تھی، دور قدیم میں یہاں کشتی رانی کا جو نظام تھا اور اس کیلئے ایک خاص ڈھنگ سے نہروں کو بنایا گیا تھا اس کو دیکھا۔

آج عصر بعد یہاں مدرسہ محمودیہ میں میرا خطاب تھا، الحمدللہ خطاب بڑا موثر تھا۔ خطاب کے بعد لوگ مصافحہ کیلئے ٹوٹ پڑے، یہاں مغرب بعد علمائے کرام کی ایک مجلس رکھی گئی تھی، اس میں نوجوان علماء جمع ہوئے، ان سے سلفیت کے فتنہ کے بارے میں گفتگو رہی، مگر کچھ ایسا معلوم ہوا کہ یہ جمع ہونے والے نوجوانوں میں کسی قسم کا کوئی جذبہ نہیں تھا، نہ ان میں

علم کا کوئی ذوق شوق نظر آیا، نہ ان میں کوئی صاحب صلاحیت نظر آیا، یہ برطانیہ جیسے ملک میں رہنے والے تھے مگر دنیا میں کیا ہو رہا ہے انکو کچھ پتہ نہیں تھا۔ بہرحال ان سے گفتگو بہت غیر مفید رہی بلکہ ان سے مل کر شدید ذہنی کوفت ہوئی، جب میں نوجوانوں کو بوڑھا بنا دیکھتا ہوں اور ان نوجوانوں پر یا خواہ مخواہ کا بزرگی کا مظاہرہ نظر آتا ہے تو مجھے ان کی اس حماقت پر بڑا تعجب اور افسوس ہوتا ہے، جو زمانہ علمی صلاحیت کے بڑھانے کا ہوتا ہے یہ اس سے بے پرواہ اپنا وقت اپنے سر کی پگڑی درست کرنے میں ضائع کرتے ہیں۔

---

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونے والا دوماہی

دینی وعلمی مجلہ

# زمزم

جلد ۸ | ربیع الاول، ربیع الثانی سنہ ۱۴۲۶ھ | شمارہ ۲

مدیر مسئول ومدیر التحریر

## محمد ابوبکر غازیپوری

سالانہ چندہ ——————— ۷۰/ روپے

پاکستان اور بنگلادیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

پتہ

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ غازیپور یوپی

پن کوڈ ۔ ۲۲۳۰۰۱

فون نمبر ۰۵۴۸۲۲۲۷۵۷

محمد اجمل مفتاحی

# فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی

## اداریہ

# اِیَّاکُم وَمُحدَثاتِ الاُمُور

**بدعتوں سے دور رہو**

اللہ کے پاک رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ ایاکم ومحدثاتِ الامور یعنی مسلمانو! دین میں جو نئی چیزیں پیدا ہوگئی ہوں ان سے دور رہو ۔

محدثات الامور کون سی چیزیں ہیں ؟ جن کا ذکر قرآن میں نہ ہو، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا ذکر نہ ہو، صحابہ کرام کی زندگی میں جن کا نام ونشان نہ ہو، فقہائے امت اور صلحاء امت نے ان سے اپنا دامن بچایا ہو اور ان کی زندگی میں ان کا کہیں مذکور نہ ہو۔

یہی چیزیں محدثات الامور یعنی شرعی بدعتیں ہیں، جن سے بچنے کا اور دور رہنے کا شریعت نے حکم دیا ہے، اس لئے کہ محدثات الامور کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ گمراہی ہیں، یعنی ہر وہ کام جس کا شریعت میں پتہ نہ ہو اور دین کے نام پر اس کو انسان اپنی زندگی میں داخل کرے گا تو وہ انسان گمراہ قرار پائے گا اور اس کا وہ کام گمراہی ہوگا ۔ گمراہ انسان کا راستہ جنت کا نہیں ہے، اس کی بدعت اس کو جہنم میں لے جائے گی ۔

شیطان اللہ کے بندوں پر مختلف طریقوں سے حملہ آور ہوتا ہے، کبھی اس کا حملہ ایسا خفیہ ہوتا ہے کہ انسان سمجھ بھی نہیں پاتا کہ وہ جو کر رہا ہے وہ شیطانی کام ہے، بعض کام بظاہر بہت خوبصورت اور دین کے لبادہ میں نظر آتے ہیں مگر وہ ہوتے ہیں شیطانی کام

مثلاً ابھی ربیع الاول کا مہینہ آئے گا، آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ چراغاں ہوگا، نعت اور مدح صحابہ کے نام پر جلوس نکالے جائیں گے، جگہ جگہ میلاد کی مجلسیں قائم ہوں گی اور لوگ جھوم جھوم کر صلوٰۃ وسلام پڑھیں گے، گھروں میں اچھے اچھے کھانے پکیں گے، لوگوں کے ہاتھوں میں جھنڈے ہوں گے، بظاہر یہ سارے کام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت ومحبت کا اظہار ہے، شیطان نے ان کام کرنے والوں کے ذہنوں میں یہی بیٹھادیا ہے، اور جو ان کاموں سے دور رہے تو اس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں صحابہ سے عقیدت نہیں۔

مگر ہم اپنے ان بھائیوں سے سوال کرتے ہیں کہ ذرا بتاؤ امت محمدیہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی زیادہ آنحضورؐ کا کوئی عاشق تھا، فقہائے کرام اور محدثین عظام سے زیادہ کہیں ہم نے دین کو سمجھا ہے، آخر جن باتوں کو ہم ماہ ربیع الاول میں دین کی بات سمجھ کر کر رہے ہیں اور ان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت ومحبت کا لازمی نتیجہ سمجھتے ہیں، ان کاموں کو صحابہ کرام نے اور ہمارے اسلاف نے کیوں نہیں کیا، آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم پر خلفائے راشدین سے زیادہ جان چھڑکنے والا اور اسلام اور شریعت سمجھنے والا کون ہوسکتا ہے کیا حضرت ابوبکرؓ نے ان کاموں کو کیا تھا، عمر فاروقؓ نے کیا تھا، عثمانؓ غنی اور علیؓ مرتضیٰ نے کیا تھا، خالد وضرار نے کیا تھا، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس اور ان جیسے دوسرے کسی صحابی نے محبت کا اظہار کبھی اپنی زندگی میں اس انداز میں کیا تھا۔

صحابہ کرام کے بعد تابعین کا دور ہے، اس کے بعد تبع تابعین پھر فقہاء ومحدثین کا دور ہے، ہمیں بتلایا جائے کہ کسی تابعی نے، کسی فقیہ نے، کسی محدث نے مدح صحابہ کے نام پر جلوس نکالا، عید میلاد النبی کے نام پر میلاد کی محفلیں قائم کیں، گھروں میں چراغاں کیا۔

اگر یہ دین کا کام ہے تو ان کی زندگی میں ان دینی کاموں کی پرچھائیں کیوں نظر نہیں آتی ہے۔

اگر یہ شریعت کا کام ہے اور اللہ ورسول کے راضی کرنے والا کام ہے تو شریعت

پر عمل کرنے والے ہمارے اسلاف تھے اور اللہ و رسول کو راضی کرنے کا جذبہ ہم سے زیادہ صحابہ و تابعین میں تھا، آخر ان لوگوں نے محبت و عقیدت کے اظہار کا یہ ڈھنگ کیوں نہیں اختیار کیا؟

اگر مسلمان صرف اس پہلو سے عید میلاد النبی کے نام پر جو انھوں نے بدعتیں ایجاد کر رکھی ہیں اس پر غور کرلیں تو شیطان نے جو ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا ہے وہ پردہ ہٹ سکتا ہے، اور انسان کو صراط مستقیم کی روشنی نظر آجائے گی۔

اللّٰھم اھدنا الی الصراط المستقیم



---

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

# نبوی ہدایات

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لکل شئ زکوٰۃ و زکوٰۃ البدن الصوم۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۲۵)

یعنی ہر چیز کی زکوٰۃ ہے، بدن کی زکوٰۃ روزہ رکھنا ہے۔

زکوٰۃ کا اصل مقصود دل کی صفائی ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها۔ یعنی اے نبی صلے اللہ علیہ وسلم آپ ان کے مال سے زکوٰۃ لیں تاکہ آپ انکو اس کے ذریعہ سے پاک کریں اور ان کے قلوب کی صفائی کریں، یعنی زکوٰۃ مالوں کی صفائی کا ذریعہ بنتی ہے اسی طرح روزہ سے دلوں کی صفائی ہوتی ہے کہ اس سے بخل اور حرص جیسی مذموم صفتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح روزہ بھی بدن کی درستگی اور صحت کا ذریعہ بنا کرتا ہے، روزہ سے بہت سی بیماریوں کا ازالہ ہوتا ہے، غلط قسم کی خواہشات پر آدمی قابو پالیتا ہے، گناہوں سے بچا رہتا ہے، اللہ کی طرف روزہ دار کی توجہ رہتی ہے، ان سب باتوں کا اثر قلب پر تو پڑتا ہی ہے انسان ظاہری اعتبار سے بھی بہت سے امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ بہت سے اسلاف کا معمول کثرت سے روزہ رکھنے کا تھا، آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابوطلحہ کثرت سے روزہ رکھتے تھے، صرف بیماری کی حالت میں ان سے روزہ چھوٹتا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی تقریباً یہی حال تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی کثرت سے روزہ رکھتی تھیں، اور تابعین اور تبع تابعین اور ان کے اللہ والوں کا تو شمار ہی نہیں ہے کہ ان میں کتنے تھے جو کثرت سے روزہ رکھتے تھے، امام بخاری کا بھی یہی حال تھا کہ وہ صوم وصال رکھا کرتے تھے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے کی نماز سے پچیس درجہ بڑھی ہوئی ہے۔ (ایضاً ص ۲۹۴)

نماز باجماعت سنت مؤکدہ ہے، اس کا ثواب تنہا نماز پڑھنے سے بہت زیادہ ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ثواب تنہا کی نماز سے ستائیس گنا ہوتا ہے، آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کبھی میرا ارادہ ہوتا ہے کہ میں ان گھروں کو آگ لگا دوں جن میں لوگ پڑے سوئے ہوں اور نماز باجماعت نہ پڑھیں، آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو منافق ہوتا وہی جماعت میں حاضر ہونے سے پیچھے رہتا۔

بلاضرورتِ شدیدہ اور عذر شرعی نماز جماعت سے نہ پڑھنا حرام ہے اور ایسے لوگ بڑے اجر سے محروم رہتے ہیں۔

بعض لوگ نماز باجماعت نہ پڑھنے کا یہ عذر تراشتے ہیں کہ اس کیلئے ان کو اپنی دوکان بند کرنا پڑے گا، یہ کوئی شرعی عذر نہیں ہے دنیا کے نفع کی خاطر آخرت کے ثواب سے اپنے کو محروم کرنا بڑی بدبختی کی بات ہے۔

(۳) حضرت محمود بن لبید کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ایاکم وشرك السرائر، قالوا وما شرك السرائر؟ قال! ان یقوم احدکم یزین صلاته جاهدا لینظر الناس الیه فذلك شرك السرائر۔ (ایضاً ص ۳۶۵)

یعنی تم لوگ پوشیدہ شرک سے بچو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ پوشیدہ شرک کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی نماز کیلئے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو اچھی بنانے کا خوب تکلف کرے تاکہ لوگ اسکو دیکھیں، یہی پوشیدہ شرک ہے۔

دوسروں کو دکھلانے کیلئے کوئی کام کرنا اللہ کے مخلص بندوں کا کام نہیں ہے، ریاکاری نفاق کی علامت ہے، منافقین ہی دکھاوا کا کام کیا کرتے تھے، قرآن میں کہا گیا ہے یراؤن الناس یعنی منافقین کی عبادت دکھاوے کی ہوا کرتی تھی، ہر کام وعبادت کی روح اخلاص ہے، اور اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ کی ذات کو نگاہ میں رکھ کر آدمی دین کا کام کرے، دکھاوے کا کام اتنا برا ہے کہ اس کو خفیہ شرک کہا گیا ہے۔

اوپر کی حدیث میں اللہ کے رسول نے اسی سے بچنے کا حکم فرمایا ہے، آپ نے فرمایا کہ چھپے ہوئے شرک سے بچو، اور چھپا ہوا شرک کیا ہوتا ہے، تو صحابہ کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ آدمی لوگوں کے بیچ مثلاً نماز پڑھ رہا ہے، تو نماز کو بہت خوبصورت بنا کر کے پڑھ رہا ہے، خوب لمبا قیام کرتا ہے، رکوع اور سجدہ دیر تک کرتا ہے خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرتا ہے، گردن جھکی ہوتی ہے، ہاتھ پاؤں میں کوئی حرکت نہیں ہوتی دعا دیر تک مانگتا ہے، گویا جنید و شبلی بنا ہوا ہے، مگر اس کی ساری محنت دوسروں کو دکھلاوے کیلئے ہوتی ہے، اللہ کی رضا اور اللہ کی ذات اس کے پیش نظر نہیں ہوتی، گویا وہ یہ نماز خدا کیلئے نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ جو لوگ وہاں موجود ہیں ان کے لئے پڑھ رہا ہے، اور جو عبادت دوسروں کے لئے کی جائے حالانکہ وہ عبادت صرف اللہ کے لئے تھی تو گویا اس نے اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو بھی شریک کر لیا، اور شرک اسی کا نام ہے۔

(۴) حسن بصری اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کے بخیل ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ اس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود وسلام نہ بھیجے۔ (ایضاً ص ۲۹۹)

اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو میرے اوپر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ اس کو اپنی دس

رحمتوں سے نوازتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کی بے شمار برکتیں ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا امت پر بڑا احسان ہے، آپ ہی کے ذریعہ ہمیں ہدایت ملی، اور حق و باطل کی پہچان ہوئی، ایسے محسن اعظم کا ہم پر حق ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اس پر صلوٰۃ وسلام پڑھیں، صلوٰۃ وسلام میں ہم اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے خدا تو ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمت نازل فرما، یہ دعا ہر مسلمان کا دن درات کا وظیفہ ہونا چاہیئے، کسی مجلس میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو، یا آپ کا نام لیا جائے تو آپ پر صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ ضرور پیش کرنا چاہیئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بخیل فرمایا ہے جو آپ کا نام سن کر اپنی زبان کھولنے کی زحمت نہ اٹھائے اور اس رحمتِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کے حق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے۔

---

محمد اجمل مفتاحی

# عید اور جمعہ اگر ایک ہی روز پڑ جائیں تو کیا جمعہ پڑھنا واجب نہیں ہے؟

محترم حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

زمزم اور آپ کی کتابوں کے ذریعہ آپ سے تعارف بہت قدیم ہے، زمزم کے مضامین بڑے بصیرت افروز، مدلل اور پراز معلومات ہوتے ہیں، اللہ نے آپ کو تفہیم کا سلیقہ بھی خوب دیا ہے۔ بارک اللہ فی حیاتکم وعلمکم وافاداتکم۔

امسال بقرعید جمعہ کے روز پڑی تھی، شہر آرہ میں اہلحدیث حضرات کی ایک مسجد ہے جس کو مسجد ابراہیم کہتے ہیں، غالباً مولانا ابراہیم آروی صاحب کے نام پر یہ مسجد ہے اس میں نماز پڑھنے کا ہمارے بعض ساتھیوں کو اتفاق ہوا، تو امام صاحب کی طرف سے اعلان ہوا کہ اس مسجد میں بقرعید کے روز جمعہ کی نماز نہیں ہوگی، ظہر کی ہوگی، ہمارے ساتھیوں کو تعجب ہوا کہ یہ کون سا مسئلہ ہے۔ براہ کرم آپ اس سلسلہ میں جو صحیح بات ہو اس کی طرف رہنمائی فرمائیں۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

نیاز احمد گیا بہار

زمزم! آپ جس قوم کو اہلحدیث کہہ رہے ہیں، دینی و شرعی مسائل میں ان کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے اپنی گردن سے تقلید کا قلادہ اتار دیا ہے

اور ان کا ہر چھوٹا بڑا بزعم خود مجتہد بنا ہوا ہے، ائمہ فقہ وحدیث سے ان کا رشتہ ٹوٹا ہوا ہے اسلاف کی راہ سے الگ ان کی راہ ہے، ان کا قول و فعل کا نہ کوئی سر ہوتا ہے نہ پیر۔

"اہلحدیث" حضرات بزعم خود صرف قرآن وحدیث کی پیروی کے دعویدار ہوتے ہیں، مگر ان کا یہ دعویٰ صرف ہوائی ہوتا ہے، حقیقت اور واقع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب اسی مسئلہ میں ان کو پرکھ لیجئے اور ان سے پوچھئے کہ کسی ایک صحیح حدیث سے ان کا بڑے سے بڑا عالم یہ ثابت کر دے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ اور عید کے جمع ہونے کی شکل میں صرف عید کی نماز پڑھی ہے جمعہ کی نہیں پڑھی ہے تو ان کے چہرہ پر ہوائیاں اڑیں گی اور ان کے حصہ میں صرف شرمندگی آئے گی۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پورے ذخیرہ حدیث میں ایک حدیث بھی نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ جمعہ کے روز عید اور بقرعید پڑنے کی شکل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عید کی نماز پڑھنے پر اکتفا کیا ہو اور جمعہ نہ پڑھا ہو، صحابہ کرام میں سے بعض حضرات سے یہ ضرور ثابت ہے کہ انھوں نے جمعہ کے روز عید پڑنے کی صورت میں صرف عید کی نماز پر اکتفا کیا تھا۔ مگر صحابہ کرام کا عمل ان بزعم خود "اہلحدیث" حضرات کے یہاں کوئی حجت شرعی نہیں ہے، صحابہ کرام کے بارے میں ان کا عقیدہ بہت مشہور ہے کہ صحابہ کرام کا نہ فعل حجت ہے، نہ قول حجت ہے اور نہ ان کی رائے قابلِ اعتماد ہے، یہ قوم تو صرف قرآن وحدیث پر عمل کرنے والی ہے، تو اگر صحابہ کرام میں سے کسی ایک دو سے اس کا ثبوت ہو بھی کہ انھوں نے عید جمعہ کے روز پڑنے کی شکل میں صرف عید کی نماز پر اکتفا کیا ہو تو اس سے ان غیر مقلدین کو کیا فائدہ پہونچے گا، غیر مقلدین کو لازم ہے کہ وہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت پیش کریں۔

جس حدیث کے بل بوتے پر غیر مقلدین نے جمعہ کے روز عید پڑنے کی شکل میں صرف عید پڑھنے کا مسئلہ اختیار کیا ہے وہ حدیث ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں یہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قد اجتمع فی یومکم ھذا عیدان فمن شاء اجزأہ من الجمعۃ وانا مجمعون ۔ (ابوداؤد) یعنی آج کے دن دو عید جمع ہو گئی ہے (عید اور جمعہ) پس جو چاہے تو عید کی نماز اس کو جمعہ سے کافی ہے ہم لوگ تو جمعہ ادا کریں گے ۔

یہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے، حضرت زید بن ارقم کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا من شاء ان یصلی فلیصل آپ نے عید کی نماز پڑھنے کے بعد فرمایا جمعہ کی نماز جو پڑھنا چاہے پڑھے (ابوداؤد) یعنی آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمعہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کا اختیار دیا ۔

ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے

قال اجتمع عیدان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی بالناس ثم قال من شاء ان یاتی الجمعۃ فلیاتھا ومن شاء ان یتخلف (ابن ماجہ) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عید اور جمعہ ایک ہی روز پڑے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھ کر فرمایا جو چاہے جمعہ کو آئے اور جو نہ آنا چاہے مت آئے ۔

اور عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج دو عیدیں اکٹھا ہو گئی ہیں (یعنی جمعہ کے روز عید پڑی ہے) پس جو چاہے تو عید کی نماز اسے کافی ہے اور ہم لوگ تو انشاء اللہ جمعہ پڑھیں گے ۔ (ابن ماجہ)

یہی وہ حدیثیں ہیں جن کو غیر مقلدین نے عید کے روز جمعہ نہ پڑھنے کی دلیل بنایا ہے مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید اور جمعہ کے جمع ہونے کی شکل میں صرف عید کی نماز پڑھنے پر اکتفا کیا ہو، بلکہ آپ نے تو صحابہ کرام کے مجمع میں یہ اعلان کیا تھا کہ انا مجمعون، ہم لوگ جمعہ پڑھیں گے، تو آپ انصاف سے بتلائیں کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جمعہ کا پڑھنا ہوا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عید کے روز جمعہ کا ترک کرنا ہوا، آرہ کی مسجد میں غیر مقلدوں کو

کیا اعلان کرنا چاہئے تھا، احادیث کی روشنی میں اگر ان میں حدیث پر عمل کرنے کا بڑا جذبہ ہی تھا تو ان کو یہ اعلان کرنا چاہئے تھا کہ لوگو! آج عید اور جمعہ دونوں جمع ہو گئے ہیں ہم لوگ تو جمعہ کی نماز ادا کریں گے جس کا جی چاہے آئے اور جس کا جی چاہے نہ آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کا اعلان کیا تھا، اگر امام صاحب نے اس طرح کا اعلان کیا ہوتا تو ان کا یہ اعلان حدیث کے مطابق ہوتا، مگر یہ اعلان تو اس وقت کیا جاتا جبکہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کا جذبہ ہوتا، ان حضرات کی تو عادت محض احناف کی مخالفت ہے، چاہے اس سے حدیث کی مخالفت ہی کیوں نہ ہو اس کی ان کو پرواہ نہیں ہوتی ہے۔ شر و فساد جب مقصود ہو تو سنت پر عمل کرنے کی توفیق انکو نصیب کہاں ہوگی۔

بہر حال ان احادیث سے کہیں یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ جمعہ کے روز عید پڑنے کی شکل میں آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف عید کی نماز پڑھی تھی اور جمعہ چھوڑ دیا تھا بلکہ یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید اور جمعہ دونوں نمازیں ادا کی تھیں، البتہ ان احادیث کے ظاہر الفاظ سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ چاہیں تو جمعہ کی نماز پڑھیں اور اگر چاہیں تو جمعہ کی نماز نہ پڑھیں، ان کو صرف عید کی نماز کافی ہو جائیگی۔

غیر مقلدین نے آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی رخصت والی بات کو اپنا مذہب بنا لیا ہے، اور یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ نہ پڑھنے کی یہ رخصت کس کو دی تھی، آپ کی یہ اجازت عام تھی اور اس کے مخاطب سارے صحابہ کرام تھے یا یہ اجازت صرف ان صحابہ کرام کے لئے تھی جو دور دراز علاقوں سے عید کی نماز پڑھنے کے لئے مدینہ تشریف لائے تھے، غیر مقلدین نے اپنی غلط فہمی اور کم علمی کی وجہ سے اس اجازت کو عام سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ اجازت صرف ان کو تھی جو مدینہ کے باہر سے عید کی نماز پڑھنے کے لئے تشریف لائے تھے کہ اگر وہ چاہیں تو چونکہ ان پر

جمعہ واجب نہیں ہے وہ جا سکتے ہیں۔

غیر مقلدین تو دینی و شرعی مسائل میں صحابہ کرام کو بالکل کالعدم کئے ہوئے ہیں حالانکہ صحابہ کرام کو نظر انداز کر کے دین کو نہیں سمجھا جا سکتا ہے، صحابہ کرام کو چھوڑ کر نہ قرآن صحیح سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ احادیث کا صحیح مفہوم واضح ہو سکتا ہے، اب یہیں دیکھئے کہ غیر مقلدین نے مذکورہ حدیثوں کے صرف ظاہر کو دیکھا اور یہ مذہب بنا لیا کہ عید کے روز جمعہ پڑھنے کی کسی کو ضرورت نہیں ہے، اور اس کا ان کی مسجدوں میں اعلان بھی کیا جانے لگا، اور یہ اس بات سے بالکل غافل رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اجازت صرف دیہات والوں کیلئے تھی، اہل شہر کے لئے نہیں تھی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی عید اور جمعہ دونوں اکھٹے ہو گئے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عید کی نماز پڑھ کر یہ اعلان کیا تھا۔

ان هذا يوم اجتمع فيه عيدان للمسلمين فمن كان ههنا من اهل العوالي فقد اذنا له ان ينصرف ومن احب ان يمكث فليمكث۔

(ابن ابی شیبہ)

اے لوگو آج ایسا دن ہے کہ مسلمانوں کی دو عید اکٹھا ہو گئی ہے پس جو یہاں اہل عوالی میں سے ہے (یعنی جس نے ہمارے ساتھ اہل عوالی میں سے عید کی نماز پڑھی ہے) ہماری طرف سے اس کو واپس جانے کی اجازت ہے (یعنی اسکو جمعہ کی نماز کیلئے رکنا ضروری نہیں ہے) اور جو جمعہ کیلئے رکنا چاہے وہ رکے۔

اہل عوالی ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو مدینہ شہر سے باہر رہا کرتے تھے یعنی دیہات کے لوگ عید کی نماز کیلئے یہ مدینہ شریف حاضر ہوتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت صرف مدینہ سے باہر سے آنے والوں کے لئے تھی۔ یہ رخصت عام مسلمانوں کے لئے نہیں تھی، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے، ان کا معمول یہی تھا، اور

صحابہ کرام کا معمول خصوصاً خلیفہ وقت کا معمول اپنی رائے سے نہیں ہوگا ان کا وہی معمول ہوگا جو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا عام طریقہ اور آپ کی اصل سنت تھی۔ تو اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ احادیث میں جو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رخصت کا اعلان تھا وہ صرف اہل عوالی یعنی مدینہ شریف کے باہر سے آنے والوں کیلئے تھا، شہر مدینہ میں رہنے والوں کے لئے نہیں تھا، بدایۃ المجتہد میں علامہ ابن رشد لکھتے ہیں۔

وقال قوم هذه رخصة لاهل البوادی الذین یردون الامصار للعید والجمعة خاصة کما روی عن عثمان انہ خطب فی یوم عید و جمعة فقال : من احب من اهل العالیة ان ینتظر الجمعة فلینتظر ومن احب ان یرجع الی فلیرجع رواہ مالك فی الموطا روی نحوہ عن عمر بن العزیز رضی اللہ عنہ وبہ قال الشافعی۔

یعنی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ یہ رخصت خواص طور پر ان دیہات والوں کے لئے تھی جو عید اور جمعہ کے لئے مدینہ تشریف لایا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اس روز خطبہ دیا جس دن عید اور جمعہ اکٹھا ہو گئے تھے، آپنے فرمایا تھا، دیہات سے آنے والوں میں سے جو جمعہ کی نماز پڑھنا چاہیں وہ انتظار کریں اور جو واپس جانا چاہے وہ واپس چلا جائے (اسلئے کہ دیہات والوں پر جمعہ واجب نہیں ہے) حضرت عمر بن عبد العزیز (خلیفہ راشد) سے بھی اسی طرح کی بات منقول ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

غیر مقلدین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ اور اعلان کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے، حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل یا قول کی حقیقت اور اس کا منشار اور صحیح مطلب جاننے کیلئے اکابر صحابہ کرام کے قول وعمل کو بھی دیکھنا ضروری ہوتا ہے، صحابہ کرام کے اقوال وافعال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے لئے شرح وتفسیر ہوتے ہیں، اسلاف کرام کا یہی طریقہ تھا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث

مبارکہ کو صحابہ کرام کی سنتوں اور ان کے عمل کی روشنی میں دیکھا کرتے تھے، غیر مقلدین نے اسلاف کے اسی طریقہ کو چھوڑ رکھا ہے۔

ایک بات اور ذہن میں رکھئے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب سب کو معلوم ہے کہ ان کے نزدیک اہل مدینہ کے عمل کی بڑی اہمیت تھی حتیٰ کہ اگر کوئی صحیح حدیث بھی اہل مدینہ کے عمل کے خلاف ہوا کرتی تھی تو وہ اہل مدینہ کے عمل کو ترجیح دیا کرتے تھے، اور حدیث پاک کو چھوڑ دیا کرتے تھے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی مدینہ پاک میں گزری تھی، اگر مدینہ پاک میں مسلمانوں کا یہی عمل ہوتا کہ جمعہ اور عید جمع ہو جانے کی شکل میں صحابہ و تابعین جمعہ نہ پڑھا کرتے تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہوتا اور وہ بھی اسی کے قائل ہوتے کہ عید اور جمعہ جمع ہو جانے کی شکل میں جمعہ نہ پڑھا جائے مگر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں وہی مذہب ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، یعنی ان کے نزدیک بھی مسلمانوں پر جمعہ پڑھنا واجب ہے اور فرض ہے۔

علامہ ابن رشد فرماتے ہیں :

وقال مالک وابو حنیفۃ اذا اجتمع عید وجمعۃ فالمکلف مخاطب بھما جمیعًا العید علی انہ سنۃ والجمعۃ علی انھا فرض ولا ینوب احدھما عن الآخر وھذا ھو الاصل ۔

یعنی حضرت امام مالک اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی سال عید اور جمعہ دونوں کا اجتماع ہو جائے تو جو مکلف ہے یعنی جس پر شرعی احکام و عبادات کی ادائیگی واجب اور ضروری ہے وہ ان دونوں کا مخاطب ہے، یعنی اسے عید کی بھی نماز پڑھنی ہے اس وجہ سے کہ وہ سنت ہے اور جمعہ بھی پڑھنا ہے اس وجہ سے کہ وہ فرض ہے، اور ایک نماز دوسری نماز کے قائم مقام نہیں ہو سکتی ہے اور یہی اصل حکم ہے۔

اور اصل حکم اور اصل شریعت یہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فرض فرض کے قائم مقام ہو

اور سنت سنت کے قائم مقام ہو یہ بات تو عقلاً سمجھ میں آتی ہے، مگر سنت فرض کے قائم مقام ہو یہ عقل کے بالکل خلاف ہے اور شریعت کا کوئی حکم عقل کے خلاف نہیں ہو سکتا عید کی نماز سنت ہے، اور جمعہ فرض ہے تو عید کے لئے جمعہ چھوڑ دیا جائے اور عید کی نماز جمعہ کے قائم مقام ہو جائے یہ بات غیر مقلدین کی عقل قبول کرے تو کرے مگر دین کی فہم رکھنے والا اور شریعت کے اصول سے واقف کوئی انسان یہ بات نہیں کہہ سکتا۔

غیر مقلدین کی دین کی فہم کا تو عالم یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے البتہ ظہر کی نماز پڑھنی ضروری ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ جب غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ عید کی نماز جمعہ کے قائم مقام ہوتی ہے، عید کی نماز پڑھنے سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے، تو یہ جمعہ تو ظہر کا قائم مقام تھا اب تو ظہر بھی ساقط ہو گی، تو اب ظہر کا پڑھنا کیوں ضروری ہے؟

ذرا غیر مقلدین کسی حدیث پاک سے ثابت کر دیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر یعنی عید اور جمعہ کے جمع ہونے کی شکل میں عید کی نماز بھی پڑھی ہو اور ظہر بھی پڑھی ہو؟ تو جو کام حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کام کو غیر مقلدین اپنی عقل اور اپنے اجتہاد سے سنت قرار دے رہے ہیں، ماشاء اللہ یہ ہے انکا اجتہاد اور حدیث پر عمل کرنے کا جذبہ، حالانکہ غیر مقلدین کا یہ عمل سراسر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف کوئی عمل کرنا اور اس کو اصل دین قرار دینا بدترین قسم کی گمراہی اور بدترین قسم کی بدعت ہے، جب آدمی تقلید کا پھندا گلے سے اتار دیتا ہے اور ائمہ دین اور ماہرین فقہ وحدیث کی اتباع سے گریزاں ہوتا ہے تو وہ اسی قسم کی گمراہی میں پڑتا ہے اور اس کی بدبختی کی بات یہ ہوتی ہے کہ اس گمراہی کو اصل دین سمجھتا ہے۔

غیر مقلدین کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ حدیث پر عمل کرنے والے لوگ ہیں، ان کا

عمل حدیث پر کس طرح کا ہوتا ہے، اوپر کی گفتگو میں اس کی حقیقت واضح کر دی گئی ہے۔

اب ہمیں آپ سے یہ کہنا ہے کہ یہ پروپیگنڈائی گروہ ہے، ان کے عوام بیچارے تو عوام ہیں ان کے علماء تک کو احادیث کے معنی و مفہوم کا ادراک نہیں ہوتا اور نہ انکو اس کی توفیق ہوتی ہے کہ وہ احادیث پر غور وفکر کے بعد عمل میں لائیں، مثلاً یہاں اسی حدیث میں جو شروع میں حضرت ابوہریرہؓ کی ذکر کی گئی ہے دیکھئے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھنے کے بعد کیا ارشاد فرمایا تھا، آپ کا ارشاد یہ تھا کہ انا مجمعون (ہمیں تو جمعہ پڑھنا ہی ہے) یعنی کلمہ ان جو عربی زبان میں تاکید کے لئے آتا ہے، اس کا آپ نے استعمال کیا، اس کا لفظی ترجمہ ہوگا، بیشک ہم لوگ جمعہ کی نماز ادا کریں گے، یعنی اس کا محاورۃ ترجمہ کا ہوگا، ہمیں تو جمعہ ادا کرنا ہی ہے، یعنی ہم چونکہ اسی شہر کے رہنے والے ہیں، دیہات سے نہیں آئے ہوئے ہیں اس وجہ سے ہمارے اوپر تو جمعہ کا پڑھنا لازم ہی ہے، ہمارے لئے رخصت نہیں ہے، رخصت باہر سے آنے والوں کیلئے ہے یعنی حدیث پاک کا لفظ خود ہی بول رہا ہے کہ شہر والوں پر جمعہ کی ادائیگی واجب اور ضروری ہے۔

مگر غیر مقلدوں کو اتنی فرصت کہاں کہ ان باریکیوں میں پڑیں، اور حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کیلئے غور و فکر کی زحمت برداشت کریں، زحمت تو وہ برداشت کریں جن کے نزدیک کتاب وسنت کی اہمیت ہوتی ہے، اور کتاب وسنت پر عمل کرنے کا صحیح جذبہ ہوتا ہے۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر بالفرض والمحال حدیث پاک کا وہی مفہوم ہوتا جو غیر مقلدین نے اپنی قلت فہم اور دین میں بے بصیرتی سے سمجھا ہے، تب بھی اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا اصول شریعت کے خلاف ہوتا، اس لئے کہ جمعہ تو قرآن کی نص قطعی سے واجب اور فرض ہے، اور احادیث خصوصاً جو مشہور اور متواتر نہ ہوں وہ ظنی ہوتی ہیں، اگر قرآن وحدیث میں تعارض اور ٹکراؤ کی شکل پیدا ہو تو علماء شریعت اور اسلاف امت

قرآن کو مقدم رکھتے ہیں اور احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ احادیث کے بارے میں شبہ ہوسکتا ہے کہ راویوں سے غلطی ہوگئی ہو، صحیح طور پر حدیث نقل نہ ہوئی ہو، مگر قرآن کے بارے میں اس طرح کے شبہ کا امکان نہیں ہے، قرآن پاک میں خدا کا ارشاد ہے۔

یا ایُّھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ۔

اس آیتِ کریمہ نے جمعہ کی نماز کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے، اس لئے کسی مسلمان سے بلا عذر شرعی نماز جمعہ کے ساقط ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا ہے، اور نہ کوئی حدیث جس کا مفہوم اس آیت پاک کے خلاف ہو قابلِ قبول ہوسکتی ہے۔

افسوس غیر مقلدین نے حدیث حدیث کا ایسا نعرہ بلند کیا کہ ان کے نزدیک قرآن کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی ہے، اور نہ قرآن پر عمل نہ کرنے کا ان کو غم ستاتا ہے وہ حدیث کے مقابلہ میں بلا تکلف قرآن سے منہ موڑ لیتے ہیں اور افسوس تو یہ ہے کہ اپنی اس گمراہی پر ان کو ناز ہوتا ہے اور انکی اہلحدیثیت کو چار چاند لگتا ہے۔

میں نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے اس کی تائید حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے مزید ہوتی ہے وہ اپنی کتاب کتاب الام میں فرماتے ہیں۔

(امام شافعی نے کہا) اور اگر عید الفطر کا دن جمعہ کا ہو تو امام جب نماز کا وقت ہوجائے تو عید کی نماز پڑھائے گا پھر ان کو جو شہر کے لوگ نہیں ہیں اجازت دے گا کہ اگر وہ چاہیں تو واپس ہوجائیں اور اپنے گھروں کو جائیں اور جمعہ پڑھنے دوبارہ نہ آئیں اور ان کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ ٹھہرے رہیں اور جمعہ پڑھ کر گھروں کو جائیں یا واپس جا کر دوبارہ آئیں اور جمعہ پڑھیں، اور یہ حکم ان کا ہے جو شہر کے لوگ نہیں ہیں، غیر شہر والوں میں سے کسی کے لئے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ جمعہ چھوڑیں اگرچہ وہ عید کا دن ہی کیوں نہ ہو، الایہ کہ ان کو کوئی عذر شرعی ہو، اور یہی حکم عید الاضحیٰ کا بھی ہے۔ (کتاب الام ص ۲۳۹/ج۱)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام اس مسئلہ کی حقیقت کو خوب واضح کر رہا ہے بشرطیکہ آدمی مسائل شرعیہ کو ائمہ فقہ و حدیث سے سمجھنا بھی چاہے۔

اب اخیر میں دنیائے غیر مقلدیت کے سب سے بڑے غیر مقلد اور غیر مقلدوں کے امام ابن حزم کا یہ کلام بھی ملاحظہ ہو، ابن حزم اپنی مشہور کتاب محلی میں فرماتے ہیں۔

واذا اجتمع عید یوم جمعۃ صلی للعید ثم للجمعۃ ولا بد، ولا یصح اثر خلاف ذلك۔

قال ابو محمد الجمعۃ فرض والعید تطوع والتطوع لا یسقط الفرض۔

(محلی ص ۲۹۳ ج ۳)

یعنی اگر عید جمعہ کے روز پڑ جائے تو عید کی نماز ادا کر کے جمعہ کی نماز پڑھے گا اور یہ ضروری ہے، اور کوئی حدیث اس کے خلاف صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، ابن حزم فرماتے ہیں کہ جمعہ فرض ہے اور عید کی نماز نفل ہے اور نفل فرض کو ساقط نہیں کرتا۔

لیجئے ابن حزم نے تو اعلان کر دیا کہ غیر مقلدین زمانہ جس اثر یا حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے، اب اس کے بعد بھی یہی کہیں کہ نہیں جناب حق ہم ہی لوگوں کے ساتھ ہے، اور حدیث پر ہمارا ہی عمل ہے، اور مسئلہ یہی ہے کہ عید کے روز جمعہ کی فرضیت ہے، اور عید کے روز جمعہ کی نماز پڑھنا یہ خلاف سنت ہے، تو ان کی زبان و قلم کو کون پکڑ سکتا ہے ان سے تو اللہ ہی سمجھے گا۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ کتاب و سنت اور آثار صحابہ اور اسلاف امت سے یہی ثابت ہے کہ اگر عید کے روز جمعہ پڑ جائے تو شہر والوں کو جمعہ پڑھنا واجب اور ضروری ہے جمعہ ان سے ساقط نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

از نور الدین نور اللہ الاعظمی

حضرت مولانا غازی پوری مدظلہ نے اس مسئلہ پر بڑی محققانہ نگاہ ڈالی ہے، اور بحث کا کوئی گوشہ چھوڑا نہیں ہے، مولانا غازی پوری نے دلائل کی روشنی میں

واضح کر دیا ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل سنت یہی تھی کہ عید اور جمعہ ایک دن پڑنے کی شکل میں جمعہ کی نماز پڑھنا بھی واجب اور ضروری ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معمول تھا اس پر روشنی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی پڑتی ہے جس کو ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں پہلی رکعت میں سبح اسم ربک اور دوسری رکعت میں ھل اتٰک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے اور کبھی عید اور جمعہ ایک ہی دن جمع ہو جاتے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید اور جمعہ میں ان ہی دونوں سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم عید کے روز جمعہ ترک نہیں کیا کرتے تھے۔

---

# ضروری نوٹ

زمزم کے خریدار اپنا نیا خریداری نمبر نوٹ کرلیں اور خط وکتابت میں اسی کا حوالہ دیں۔

محمد ۱۰ جمل مفتاحی

مولانا رشید احمد فریدی
مدرسہ مفتاح العلوم (تراج)
گجرات

# نظریۂ اجتماع

## اجتماعی تلاوت کی مشروعیت

اور

# ایصالِ ثواب کیلئے اجتماعی تلاوت کا حکم

قرأت قرآن کے مختلف احوال و اوقات ہیں، ان میں ایک حالت اجتماعی تلاوت کی بھی ہے جس کی کچھ تفصیل پیش کی جارہی ہے۔ اس سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلام میں "جمع" و "جماعت" اور "اجتماع" کی حیثیت اور اس کی کتنی قدر ہے۔ اور احکام و اعمال میں کس قدر اس کی اہمیت و رعایت ہے اس پر بھی روشنی ڈالی جائے۔

کسی کام کو انجام دینے کی عقلاً دو صورتیں ہیں۔ (۱) تنہا کیا جائے (۲) یا چند افراد مل کر کریں۔ دوسری صورت میں تعاون اور سہولت ہوتی ہے۔ انسان کی طبیعت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ بعض کاموں کو انفراداً اور بعض کو اجتماعاً و اشتراکاً (مل کر) کیا جائے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اس نے بھی اپنے احکام و اعمال میں دونوں پہلو اختیار کیا ہے۔ البتہ متعدد آیات و روایات سے یہ حقیقت واضح ہے کہ عبادات، معاملات، معاشرت، وغیرہ میں اجتماعی حیثیت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ بعض احکام میں جمع و جماعت کو ضروری قرار دیا ہے اور بہت سے اعمال میں اجتماع کو مسنون و مستحب بتایا ہے اور بہت سے افعال میں اجتماع

کی ترغیب دی ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے۔

نماز میں جماعت کی فضیلت و تاکید، جمعہ و عیدین میں جمعیت کی خاص رعایت، افعال حج میں اجتماع کا مظاہرہ، جہاد میں اجتماع و اتحاد کی ضرورت، سفر میں جماعت کے فوائد، ذکر و تلاوت میں اجتماع کی فضیلت اور دعا میں اس کا مطلوب ہونا۔ بلکہ دین کے اکثر ہی شعبوں میں اسے فوقیت دی گئی ہے۔ معاشرت بالخصوص نکاح سراسر اجتماع پر مبنی ہے اور معاملات میں بھی یہ روح کار فرما ہے۔ غرض کہ دین کے تحفظ و بقاء اور تبلیغ و اشاعت میں اجتماعی شکل بھی ملحوظ و مطلوب ہے، یہی وجہ ہے کہ جماعت کے نفع کو افراد کے منافع پر مقدم رکھا گیا ہے اور اسی وجہ سے شرع نے ۔ اجماع ، کو ایک مستقل دلیل اور حجت تسلیم کیا ہے ۔ لن یجتمع امتی علی ضلالۃ (مشکوٰۃ) اور جمہور کے قول کو شخصی اقوال پر ترجیح دی جاتی ہے ۔ حاصل یہ ہے کہ اسلام جس طرح قلوب کے اتفاق و اتحاد کا طالب ہے اسی طرح ظاہر میں اجتماع کا بھی داعی ہے ۔ قرآن پاک نے یداللہ فوق ایدیھم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یداللہ علی الجماعۃ* سے اسی روح کا اظہار فرمایا ہے، بلکہ جماعت کی اجتماعی بعض خرابیوں کو انفرادی اچھائیوں کے مقابلہ میں نظر انداز کرنے کی فہمائش کی جارہی ہے ۔ ماتکرھون فی الجماعۃ خیر مما تحبون فی الفرقۃ (مقاصد حسنہ ص۲۰۸ عن دیلمی) چنانچہ اسرار شریعت کے واقف کار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں ۔ لاشک ان اجتماع المسلمین راغبین ذاکرین یجلب الرحمۃ والسکینۃ ویقرب من الملائکۃ (حجۃ اللہ ص۲ج) یعنی مسلمانوں کا ذکر و فکر کے لئے جمع ہونا باعثِ نزولِ رحمت و سکینت اور قرب کا ذریعہ ہے ۔ یہ عام مسلمانوں کا حال ہے

---

عہ استسقاء کیلئے جم غفیر کو مجتمع کرنا

سہ مثلاً اجتماعی کھانا۔ الاجتماع علی الطعام افضل من الانفراد ۔ بستانی سمرقندی

* عن ابن عباس رفعہ مقاصد حسنہ ص۲۰۸

پھر صالحین اور کاملین کے اجتماع کا کیا کہنا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا جو صبح وشام رضائے الٰہی کیلئے اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه (قرآن) اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (ترجمہ) ، جب تم جنت کے باغوں سے گذرو تو چر لیا کرو ، صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ جنت کے باغات کیا ہیں ؟ فرمایا ذکر کے حلقے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ مخصوص فرشتے حلقۂ ذکر کی تلاش میں گشت لگاتے رہتے ہیں پس جب ذاکرین کے پاس پہنچتے ہیں تو انھیں گھیر لیتے ہیں[۱] اور ارشاد نبوی ہے: مامن قوم يذكرون الله الاحفت بهم الملائكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة وذكرهم الله فيمن عنده[۲] - جو قوم (جماعت) اللہ کا ذکر کرتی ہے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے، سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب فرشتوں میں ان کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ اور اسی طرح کے دوسرے دلائل کی روشنی میں سلف وخلف کا اجماع ہے کہ اجتماعی ذکر مندوب و مستحب ہے ۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے امام عبدالوہاب شعرانیؒ کا قول نقل کیا ہے ,, اجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة فى المسجد وغيره الا ان يشوش جهرهم على نائم او مصل او قارئ (شامی ص۶۶۱) اور تلاوت قرآن بہرحال ذکر ہے بلکہ افضل الذکر اور مشہور ذکر سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس قرأت قرآن اجتماعاً کے جواز بلکہ استحباب پر اجماع ہوا۔

مزید صرف تلاوتِ قرآن اجتماعاً کے دلائل کا مطالعہ فرمائیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

ماجتمع قوم فى بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم الانزلت عليهم السكينه وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكة

---

۱ـ اذکار نووی ص۲۹ ۲ـ تبیان ص۱۰۱ بحوالہ مسلم

وذکرھم اللہ فیمن عندہ[۱] یعنی چند افراد جو اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوں کتاب اللہ کی تلاوت کریں اور آپس میں قرآن سیکھیں اور سکھائیں تو ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے، رحمت الٰہی انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا مقربین میں ذکر کرتے ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہدایت ہے: اجتمعوا علی القرآن ما ائتلفتم علیہ فاذا اختلفتم فقوموا[۲]

اور چونکہ تلاوت میں بلند آوازی مطلوب و مستحب ہے اور اجتماعی تلاوت کی صورت میں ایک کا جہر دوسرے کیلئے تکلیف کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اعتدال کا حکم فرما رہے ہیں تاکہ کسی کو اذیت نہ ہو اُلا ان کلکم مناجٍ ربہ فلا یؤذین بعضکم بعضا ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القراۃ[۳] سن لو بیشک تم میں (تلاوت کرنے والوں میں) کا ہر ایک اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے پس کوئی کسی کو ایذاء نہ پہنچائے اور پڑھنے میں ایک دوسرے پر آواز بلند نہ کرے۔

حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی روایت ہے وکان یسمع لمسجد رسول اللہ ضجۃ بتلاوۃ القرآن حتی امرھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یخفضوا اصواتھم لئلا یتغالطوا[۴] اور حضرت علیؓ سے منقول ہے انہ سمع ضجۃ ناس یقرءون القرآن فقال طوبیٰ لھولاء کانوا احب الناس لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۵] اس قسم کی روایات سے حضرات صحابہؓ کا ماحول اور معمول کا پتہ چلتا ہے، امام غزالیؒ صحابہ کرام کا یہ معمول بھی نقل کرتے ہیں " وفی الخبر کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اجتمعوا امروا احدھم ان یقرء سورۃ من القرآن[۶] سب کا خلاصہ محقق مورخ عاشق رسول مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے الفاظ میں سنئے۔

---

[۱] تبیان ص۱۰۱ عن مسلم [۲] کنز العمال ص۱۲۰ عن طبرانی [۳] " ص۱۰۳ عن ابی داؤد [۴] مناھل العرفان ص۴۷۱ [۵] تبیان ص عن ابی داؤد [۶] احیاء العلوم ص۲۰۳

. جہاں کہیں ایک جگہ چند صحابی بھی جمع ہو جاتے تھے تو لوگوں کا بیان ہے کہ ذویؓ کدوی النحل (شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ) کی آواز گونجنے لگتی تھی یعنی قرآن کا وردہ ایک شروع کر دیا تھا۔ (تدوین قرآن ص۴۷)

صاحب اتقان علامہ سیوطیؒ ان وجوہ کی بنا پر لکھتے ہیں ۔ لا بأس باجتماع الجماعۃ فی القرأۃ ولا بادارتها وهی ان یقرأ بعض الجماعۃ قطعۃ ثم البعض قطعۃ بعدها [۱] اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولا بأس باجتماعهم علی قرأۃ الاخلاص جهراً عند ختم القرآن ولو قرأ واحد واستمع الباقون فهو اولیٰ [۲] نیز ختم قرآن کے وقت جمع ہونا اور اجتماعی دعا کرنا اور اس کیلئے متعلقین کو جمع کرنا بھی احادیث اور صحابہ و تابعین کے آثار سے ثابت ہے ۔ چنانچہ حضرت انسؓ جب قرآن ختم کرتے تھے تو اپنے گھر والوں کو جمع فرماتے اور دعا کرتے ۔ حکم بن عُیینہ تابعی فرماتے ہیں کہ امام مجاہد اور عتبہ بن ابی لبابہ نے مجھے بلا بھیجا کہ ہم قرآن ختم کرنا چاہتے ہیں اور ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے ۔ نیز امام مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرات تابعین ختم قرآن کے وقت جمع ہوا کرتے تھے اور فرماتے تھے ۔ "ختم قرآن کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے" (اور نزول رحمت کے موقع پر جمع ہونا مطلوب و محبوب ہے) حضرت انس بن عباسؓ ایک شخص کو مقرر کرتے تھے کہ وہ نگرانی رکھے کہ کون قرآن پڑھتا ہے ۔ پس جب قاری ختم کا ارادہ کرتا تو وہ مراقب اطلاع دیتا اور آپ دعا میں حاضر ہوتے [۳] اور اجتماعی دعا کی قبولیت کا ذکر اولاً قرآن پاک ہی میں ہے " قد اُجیبت دعوتکما " اور وقوف عرفہ کے بارے میں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں ۔ ویرتل بها مع الناس لان الانتهاء مجهور والحال حال التضرع والاجابۃ فی الجمع ارجی ، ایک حدیث میں ہے ۔ ان لصاحب القرآن عند کل ختم دعوۃ مستجابۃ (کنز العمال ص۲۵۸/۱) اور ایک روایت میں جس نے قرآن پڑھا اور ختم کیا

---

[۱] اتقا ص۱۴۲/۱ [۲] عالمگیری ص۳۱۶/۵ [۳] التبیان

پھر دعا کی تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔ (تبیان صفحہ ۱۶۰) حاصل تحریر یہ ہے کہ قرأت قرآن کیلئے جمع ہونا خواہ محض تلاوت ہی مقصد ہو یا تعلیم و تعلم ہو یا ختم قرآن کا موقع ہو تو دعا میں شرکت کرنا مقصود ہو یا تلاوت کا اور کوئی منشأ دینی ہو جیسے طلب شفاء یا دفع وباء وغیرہ بہر حال قرآن پڑھنے کیلئے اکٹھا ہونا درست ہے اور ہر طرح سے قرأت قرآن کا شغل بہیئت انفرادی و بہیئت اجتماعی صحیح و ثابت بالشرع ہے اس میں کوئی وجہ ممانعت معلوم نہیں ہوتی ہے۔

اجتماعی تلاوت کی چند صورتیں یہ ہیں۔ اول قرآن کا مذاکرہ و مدارسہ۔ یعنی چند افراد کسی مسجد یا گھر میں جمع ہوں اور حلقہ لگا کر قرآن پڑھیں یا سیکھیں۔ اس کی تین شکلیں ہیں۔ (۱) ایک شخص ابتداء میں ایک حصہ پڑھے دوسرا اس کے آگے سے تیسرا اس کے بعد سے یہاں تک کہ قرآن ختم ہو جائے (۲) ایک شخص پڑھے دوسرا پھر تیسرا اخیر تک سب اسی حصہ کو دھرائیں (۳) ایک شخص پڑھے اور سب مل کر اسی حصۂ قرآن کو دھرائیں۔

ثانی۔ قرآن کا دور۔ یعنی ایک پڑھے دوسرا سنے، ثالث چند افراد کسی جگہ (مسجد یا مکان میں) جمع ہوں اور ہر ایک اپنی اپنی قرأت میں مشغول ہو خواہ حفظ کیلئے جیسے طلبۂ حفظ یا فقط تلاوت کیلئے بشرطیکہ اس تلاوت سے کوئی دنیوی غرض نہ ہو۔ یہ تمام شکلیں اور صورتیں جائز اور ثابت ہیں۔

اخیر کی تیسری صورت میں آیت واذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا سے اشکال ہوتا ہے کہ اجتماعی تلاوت میں استماع کا حکم فوت ہو جاتا ہے مگر حقیقت میں اشکال نہیں ہے اسلئے کہ ایک ہے مقام قرأت اور ایک ہے مقام استماع۔ اگر مجمع میں کوئی شخص قرأت کیلئے متعین ہے جیسے خطیب اور امام کہ شارع نے اس کو قرأت کیلئے متعین کر دیا ہے تو بقیہ لوگوں کیلئے مقام استماع تجویز کیا [1] اور یہی ان کا وظیفہ ہو گا گویا ایک کو

---

[1] صیغۂ قرآنی اس کی دلیل ہے۔ یعنی قُرِیَٔ اور فاستمعوا وانصتوا۔

چھوڑ کر سبھوں نے سماع کو اپنا مقصود بنا لیا۔ یہ تقسیم وتعیین شارع کی طرف سے ہے یا اس کی تقسیم وتعیین بندوں کی طرف سے ہو جیسے نماز وخطبہ کے علاوہ دوسرے مجالس وعظ اور محافل قرأت وغیرہ میں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کے مجمع میں تشریف لے گئے اور سورہ رحمٰن پڑھی صحابہ کرام ہمہ تن گوش سنتے رہے مگر جب کوئی شخص قرأت کیلئے متعین نہیں ہے بلکہ ہر ایک نے قرأت کو مقصود بنایا تو ایسی صورت میں جب کہ ہر ایک اپنی اپنی قرأت میں مشغول ہے اس پر دوسرے کی قرأت کا سننا ضروری نہیں کہ ترک استماع کی وجہ سے حکم کی خلاف ورزی لازم آئے۔

* مفتیٔ اعظم مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

۔ کان لگانا اور سننا صرف ان جگہوں میں واجب ہے جہاں قرآن کو سنانے ہی کیلئے پڑھا جا رہا ہو جیسے نماز وخطبہ وغیرہ میں اور اگر کوئی شخص بطور خود تلاوت کر رہا ہے یا چند آدمی کسی ایک مکان میں اپنی اپنی تلاوت کر رہے ہیں تو دوسرے کی آواز پر کان لگانا اور خاموش رہنا واجب نہیں [1]

* فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اجتماعی جہراً تلاوتِ قرآن کے متعلق لکھتے ہیں:

۔ اعلیٰ بات یہ ہے کہ سب آہستہ آہستہ تلاوت کریں تاکہ ایک کی آواز دوسرے سے نہ ٹکرائے اور قرأت قرآن کو سننے کا فریضہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہو لیکن اگر جہراً پڑھیں تب بھی ایک قول پر اجازت ہے جب ایک شخص خود ہی تلاوت میں مشغول ہے اور دوسرے کی تلاوت کو نہیں سن رہا ہے تو وہ قرآن پاک کی طرف سے اعراض کرنے والا شمار نہ ہوگا [2]

* فقیہ النفس مفتیٔ گجرات حضرت سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ لکھتے ہیں:

قرآن شریف پڑھا جائے اس وقت خاموش ہو کر سننے کا وجوبی حکم نماز میں پڑھا جائے

---

[1] معارف القرآن ص ۱۶۳/۴ [2] فتاویٰ محمودیہ ص ۲۹/۱۴ ۔

اُس وقت ہے اور بیرونِ نماز جب کہ تبلیغ کی غرض سے پڑھا جائے اس وقت یہ حکم ہے مگر یہاں تو ایصال ثواب کے لئے پڑھا جا رہا ہے اور دوسرے بھی اس مقصد میں مشترک ہیں لہٰذا اس کے خاموش رہ کر سننا ضروری نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۹۰/۱)

پس احادیث و آثار اور علماء کے اقوال سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اجتماعی تلاوت خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو باعثِ نزول رحمت و سکینت اور فرشتوں کی معیت کا ذریعہ ہے اور اس کے لئے جمع ہونا بلا تردد صحیح و مستحسن ہے بشرطیکہ اس میں کسی منکر و خلافِ شرع امر کا ارتکاب نہ ہو۔

---

# آپ یقین کریں

کہ اکابر و اسلاف کا راستہ ہی حق کا راستہ ہے، وہی صراطِ مستقیم ہے، اس راستہ کو چھوڑ کر کوئی ہدایت نہیں پا سکے گا۔ اللہ نے پانچ وقت کی نمازیں ہمیں یہی سکھلایا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

محمد اجمل مفتاحی ۳۰

نور الدین نور اللہ الاعظمی

قسط نمبر ۴

## مولانا اسماعیل سلفی کی کتاب

# "رسول اکرمؐ کی نماز" پر ایک نظر

مولانا شیخ الحدیث سلفی نے اپنی اس کتاب میں حضرت شیخ الہند اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہما اللہ پر بھی بلاوجہ زبان طعن دراز کی ہے۔

حضرت شیخ الہند نے غیر مقلدوں سے مطالبہ کیا کہ رفع یدین کا ثبوت سب کو تسلیم ہے تم وہ صحیح حدیث پیش کرو جس سے رفع یدین کا دوام ثابت ہو، چونکہ حضرت شیخ الہند کا مطالبہ پورا کرنا غیر مقلدوں کے بس میں نہیں تھا اور نہ اب ہے، تو اس پر ہمارے سلفی شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ یہ مطالبہ بس ایک چٹکلہ ہے اور اس قسم کے چٹکلے سے دیوبند کے طلبہ مطمئن ہو سکتے ہیں، آپ فرماتے ہیں۔

"اس قلت علم اور شیوع تقلید کے دور میں دیوبند کے طالب اس چٹکلے پر مطمئن ہوں گے"

اور فرماتے ہیں:

حضرت الشیخ کا مقام ان چٹکلوں سے بہت ارفع ہے۔ ص۶

اگر شیخ الہند کا یہ مطالبہ محض چٹکلہ تھا تو غیر مقلدوں کو کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ رفع یدین

کا دوام ثابت کرنے کیلئے موضوع روایت کا سہارا لیں، ان سلفی شیخ الحدیث صاحب نے بھی فما زالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ کی جھوٹی روایت سے رفع یدین کا دوام ثابت کرنا چاہا ہے اور بے شرمی یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں بحث کی ضرورت نہیں ہے، جوبات آپ کے نزدیک چونکہ تھی اس کو آپ ثابت کرنے کے لئے موضوع اور جعلی حدیث کا سہارا لیں، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہند کی بات اور ان کا یہ مطالبہ کہ رفع یدین کا دوام ثابت کرو غیر مقلدین پر پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری ثابت ہو رہا ہے۔

حضرت شاہ انور صاحب کے متعلق شیخ الحدیث سلفی کی گوہر افشانی ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں۔

" مرحوم کو مخالف کے دلائل کی قوت سے بے حد ضیق اور دکھ محسوس ہوتا ہے ص۶۲

اور فرماتے ہیں۔

" شاہ صاحب بے حد متعصب ہیں " ص۶۲

ناظرین کرام، آپ خود انصاف فرمائیں کہ مخالف کے دلائل سے کون ضیق میں ہے اور کون بے حد متعصب ہے، وہ لوگ جو احادیث میں خیانت کریں، ضعیف اور موضوع حدیث سے استدلال کریں یا وہ لوگ جو ان تہمتوں سے پاک ہیں، رفع یدین ابتداء صلوٰۃ میں تمام امت کے نزدیک بالاتفاق مشروع اور سنت ہے، اور یہ متواتر احادیث سے بھی ثابت ہے اور امت کے عملی تواتر سے بھی احناف نے اسی اجماعی رفع یدین کو اختیار کر لیا ہے، تو ان کا مذہب تو ہو گیا کمزور اور ان غیر مقلدین نے جو رفع یدین اختیار کیا ہے، اس کی کوئی کل سیدھی نہیں، وہ قرار پا رہا ہے مسنون اور واجب، واہ رے انصاف، آپ نے دیکھا کہ غیر مقلدین کے اس بڑے عالم شیخ الحدیث سلفی اس کتاب میں رفع یدین کی پہلی حدیث میں زبردست گھپلا کیا اور ترجمہ میں بد دیانتی کا ریکارڈ توڑ دیا، اور یہ شخص تعصب کا الزام دیتا ہے علامہ انور شاہ کشمیری جیسے غیر متعصب عالم کو، شیخ الحدیث محقق صاحب فرماتے ہیں۔

رفع الیدین کے حدیث کے رواۃ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، ابن مسعودؓ سے

بھی برسوں پہلے مسلمان ہوئے (م۵۸ حاشیہ)

کیا خوب تحقیق ہے سلفی شیخ الحدیث محقق صاحب کی، اور تاریخ دانی ایسی کہ اہل علم اس پر عش عش کرتے رہ جائیں، محقق سلفی کی تحقیق اور تاریخ دانی یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے پہلے مسلمان ہوئے، اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں واسلم قبل عمر وحفظ من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبعین سورۃ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۶) یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے اور آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دہان مبارک سے ستر سورتیں یاد کیں، رفع یدین کے مسئلہ نے سلفی محقق شیخ الحدیث صاحب کو چکرا دیا ہے، نہ حافظہ کام کر رہا ہے اور نہ دماغ۔

آئیے رفع یدین کا مسئلہ ہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق بھی حل کریں، اہل علم کو معلوم ہے کہ امام بخاری نے رفع یدین پر مستقل ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے جزء رفع یدین، اور یہ رسالہ غیر مقلدین کے اس مسئلہ میں بہت بڑا سہارا ہے۔ ہم اسی رسالہ سے چند حدیثیں نقل کرتے ہیں ان سے ظاہر ہوگا کہ غیر مقلدین اس مسئلہ میں عوام کو کتنا فریب دیتے ہیں، ذرا ان احادیث میں آپ غور فرمائیں۔

(۱) امام بخاری حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ذکر کرتے ہیں اس میں صرف دو جگہ رفع یدین کا ذکر ہے۔ اذا کبر واذا رفع راسہ من رکوع۔ یعنی حضرت عبداللہ نے آنحضور کو صرف دو جگہ رفع یدین کرتے دیکھا، ابتداء صلوٰۃ کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رکوع میں جاتے وقت کا ذکر نہیں ہے، اس لئے غیر مقلدین اس روایت کو چھپاتے ہیں۔

(۲) حضرت ابو حمید ساعدی کی ایک روایت میں بھی صرف دو جگہ کا ذکر ہے ابتداء صلوٰۃ کے وقت اور رکوع کرتے وقت (یہ پہلی والی روایت کے خلاف ہے اس کو بھی غیر مقلدین چھپاتے ہیں۔

(۳) حضرت علی کی روایت میں دونوں سجدوں سے کھڑے ہونے پر بھی رفع یدین

کا ذکر ہے۔ واذا قام من السجدتین اس کا ایک غیر مقلد ترجمہ کرتا ہے۔ اور جب دو سجدے کر کے کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے غیر مقلدین رفع یدین پر استدلال کرتے ہیں مگر امام بخاری اپنے اس رسالہ میں ان کے لڑکے کی زبانی حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ عمل نقل کرتے ہیں۔ کان اذا رفع راسہ من السجود واذا اراد ان یقوم رفع یدیہ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر جب سجدہ سے سر اٹھاتے اور جب رکعت پوری کر کے کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے۔

تین جگہوں پر رفع یدین کی روایت کرنے والے حضرت عبداللہ بن عمر ہیں اور وہ روایت تمام غیر مقلدین کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح ہے مگر امام بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عمل صرف تین جگہوں پر رفع یدین کا نہیں تھا بلکہ وہ سجدہ سے سر اٹھا کر بھی رفع یدین کرتے تھے اور رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ مگر غیر مقلدین بخاری رحمہ اللہ کی اس روایت کو بھی چھپاتے ہیں۔

(۵) علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع سے پہلے (یعنی صرف ایک مرتبہ) رفع یدین کرتے دیکھا۔

(اس روایت کو بھی غیر مقلدین چھپاتے ہیں۔)

میں نے یہاں جزء بخاری سے صرف پانچ روایتیں نقل کی ہیں ان میں سے کسی ایک پر بھی غیر مقلدین کا پورا پورا عمل نہیں ہے، حالانکہ ان روایتوں کو اپنے رسالہ میں جمع کرنے والے امام بخاری ہیں جن کے بارے میں کم از کم غیر مقلدوں کو شبہ نہ ہونا چاہیے کہ انھوں نے ضعیف روایتوں سے اپنا یہ رسالہ بھر رکھا ہے۔

غیر مقلدوں کا آخر یہ تعصب نہیں ہے تو اور کیا ہے کہ خود تو امام بخاری کی بھی روایت کردہ حدیثوں پر ان کا عمل نہ ہو اور دوسروں کو متعصب قرار دیں، ان احادیث پر عمل نہ کر کے وہ گویا اعلان کر رہے ہیں کہ لوگو امام بخاری بھی قابلِ اعتماد نہیں ہیں اور

ان کی روایت کردہ روایتوں پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ معاذاللہ ثم معاذاللہ۔

حضرت مولانا محمد ابوبکر غازی پوری مدظلہ نے امام بخاری کے رسالہ جزء رفع یدین سے تقریباً چالیس حدیثوں کو نقل کرکے زمزم کے شمارہ نمبر میں شائع کردیا ہے، ناظرین ان کا وہ مضمون ضرور ملاحظہ فرمالیں۔

آمین کی بحث میں پہلے تو شیخ الحدیث صاحب نے سرّ والی آمین کی روایتوں کو ضعیف قرار دیا، پھر فرماتے ہیں:

"بظاہر جہر اور آہستہ آمین کہے ۔ ۔ ۔ ۔ تمام نمازی ہلکی آواز سے آمین کہیں اس سے مسجد گونج سکتی ہے" ص ۶۵

خدا شیخ الحدیث صاحب کو جزائے خیر دے ایک بات تو صحیح کہی، آپ غیر مقلدین اس پر عمل کریں، ہم احناف سے بھی گذارش کریں گے کہ بظاہر جہر اور آہستہ آمین کہا کرو، ہم اطلاعاً عرض کردیتے ہیں کہ شیخ محمد ناصر الدین البانی جن کو آجکل کے غیر مقلدین دنیا کا سب سے بڑا غیر مقلد محدث سمجھتے ہیں، ان کا مذہب آمین کے سلسلہ میں امام شافعی والا مذہب ہے، البانی لکھتے ہیں۔ فالاقرب الی الصواب فی ھذہ المسئلۃ ما ذھب الیہ الشافعی ان یجھر الامام دون المؤتمین - واللہ اعلم بالصواب۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ ج ۲ ص ۳۶۸) ترجمہ - یعنی درست بات وہ ہے جو امام شافعی کا مذہب ہے، یعنی صرف امام زور سے آمین کہے گا، مقتدی نہیں۔

نماز میں ہاتھ کہاں باندھا جائے اس بارے میں شیخ الحدیث سلفی صاحب کا ارشاد ہے:

"ناف کے نیچے باندھنا یہ احناف کا مذہب ہے، ناف کے اوپر باندھنا امام شافعی اور ان کے فقہاء کا مسلک ہے، سینہ پر ہاتھ باندھنا جماعت اہلحدیث کا معمول ہے" ص ۶۶

اس سے واضح ہوا کہ احناف کے ساتھ ساتھ شیخ الحدیث صاحب نے امام شافعی کو بھی جماعت اہلحدیث سے خارج کردیا۔

معلوم نہیں امام ترمذی اہلحدیث تھے یا نہیں انھوں نے تو صرف دو مذہب کا ذکر کیا ہے
ناف کے نیچے اور ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کا، سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے کا انھوں نے تذکرہ
ہی نہیں کیا ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی کے وقت میں اس کا بالکل رواج نہیں تھا
یہ جماعت اہلحدیث نے اب ایجاد کیا ہے ، اور آج کل تو سلفی سینہ کے اوپر وانحر والی آیت
پر عمل کرتے ہوئے جہاں جانور کو ذبح کرنے کیلئے چھری رکھی جاتی ہے وہاں ہاتھ باندھتے
ہیں ان کی دلیل سب سے قوی ہے اس لئے کہ ان کا استدلال قرآن سے ہے ۔

سورہ فاتحہ کے بیان میں ہمارے شیخ الحدیث صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں
اہل علم کیلئے بصیرت ہے ، غیر مقلدین جاہلین کی بھی اس سے آنکھ کھل سکتی ہے ۔

فرماتے ہیں ہر نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے ص ۶۸

اس بارے میں انھوں نے پہلی حدیث یہ ذکر کی ہے ۔

عن ابی سعید امرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وماتیسر

ابو سعید فرماتے ہیں کہ فاتحہ اور کچھ زیادہ پڑھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے ۔

اس حدیث میں جس کو سلفی شیخ الحدیث صاحب نے خود نقل کیا ہے صرف سورہ
فاتحہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور پڑھنے کا بھی مصلیوں کو مامور بنایا گیا ہے ۔
اب یہ حدیث چونکہ موصوف سلفی شیخ الحدیث صاحب کے مسلک کے خلاف تھی اس وجہ سے
آپ فرماتے ہیں :

یعنی اگر فاتحۃ الکتاب سے کچھ زیادہ کبھی پڑھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے ص ۶۸

دیکھا آپ نے حدیث کے ساتھ ان سلفیوں کا کھیل اور مذاق ، حدیث میں تو صاف
صاف یہ ہے کہ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور پڑھنے کا مصلیوں کو حکم ہے اور آپ حدیث کے حکم کیخلاف
سورہ فاتحہ کو تو ضروری قرار دے رہے ہیں اور ما زاد کو مصلیوں کے ارادہ پر موقوف رکھتے ہیں ۔

شیخ الحدیث سلفی صاحب نے اس دو صفحہ ص ۶۸ و ص ۶۹ میں چار حدیثیں ذکر کی ہیں
جن میں تین میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور کبھی پڑھنے کا حکم ہے ، مگر آپ ایسے اہلحدیث

ہیں کہ صرف سورہ فاتحہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

ہے اس دھاندلی کا کوئی جواب، کسی شافعی نے حدیث رسول کے ساتھ اس قسم کا بھونڈا مذاق نہیں کیا ہوگا۔

سورہ فاتحہ کے سلسلہ میں مولانا ابوبکر غازی پوری کا مفصل مضمون ہے جس کو ان کی کتاب مسائل غیر مقلدین کے آخر میں شائع کر دیا گیا ہے، ناظرین اس کو ضرور دیکھ لیں اس مضمون سے غیر مقلدین کے عمل بالحدیث کی قلعی کھل چکی ہے، ناظرین اس مضمون کو پڑھ کر بیحد محظوظ ہوں گے۔

شیخ الحدیث صاحب نے حضرت عبادہ سے ایک حدیث نقل کی ہے، اس میں خلف الامام کے ساتھ روایت موجود ہے، اور یہ روایت ائمہ حدیث کے نزدیک نامقبول ہے مگر جب احناف نے کہا کہ اہلحدیث لوگو قرأت خلف الامام کو واجب بتلانے کیلئے صحیح حدیث پیش کرو، ضعیف حدیث سے وجوب مت ثابت کرو، تو شیخ الحدیث صاحب اس پر خفا ہوگئے، اور فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ حنفیوں کے خلاف روایت ہے اس لئے اس کے قبول کرنے کے لئے دل تیار نہیں (ص۲۳) یعنی شیخ الحدیث صاحب کا کہنا یہ ہے کہ دیکھو حدیث رسول کا نام لے کر ہم جو کچھ پیش کریں بلا چوں چرا اسے قبول کر لو، اس بارے میں کسی تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں ہے، کاش بیچارے کو معلوم ہوتا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے۔

| | |
|---|---|
| وھذا الحدیث معلل عن ائمۃ الحدیث کاحمد وغیرہ من الائمۃ وقد بسط الکلام علی ضعفہ۔ (فتاویٰ) | یعنی اس حدیث کو امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر دوسری جگہ تفصیل سے کلام کیا گیا ہے۔ |

اب دیکھئے کہ اس ضعیف حدیث سے شیخ الحدیث صاحب استدلال بھی کر رہے ہیں اور احناف پر غصہ بھی اتار رہے ہیں، اللہ ان شیخ الحدیث صاحب کو معاف کرے۔

شیخ الحدیث صاحب قرأت فاتحہ کے بارے میں ائمہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۔ امام مالک امام احمد اور بعض دوسرے ائمہ کا خیال ہے کہ سری نمازوں میں امام کے ساتھ سورہ فاتحہ پڑھی جائے اور اگر امام جہر کرے تو مقتدی چپ رہے ص۸۳

آپ فرمائیں شیخ الحدیث صاحب کہ ان ائمہ کا مذہب آپ سلفی اہلحدیث لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے یا موافق؟ اگر خلاف ہے تو آپ نے ان کے خلاف کتنی کتابیں لکھی ہیں؟ اور یہ بھی بتلائیے کہ ان ائمہ کا مذہب حدیث کے خلاف ہے یا موافق، اگر موافق ہے تو آپ نے اس کے خلاف کیوں مذہب بنایا، اور اگر خلاف ہے تو آپ نے ان ائمہ کے خلاف کتنی کتابیں اور رسائل لکھے ہیں؟ اور یہ بھی بتلائیے کہ امام مالک اور امام احمد وغیرہما ائمہ اہلحدیث تھے یا نہیں اگر تھے تو آپ کی اہلحدیثیت اور انکی اہلحدیثیت میں کیا فرق ہے؟ براہ کرم کوئی غیر مقلد اہلحدیث اس کا جواب دے۔

ہمارے سلفی شیخ الحدیث صاحب نے نہ امام احمد کا مذہب صحیح بیان کیا ہے اور نہ امام مالک کا یا تو انھوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہے یا بیچارے شیخ الحدیث صاحب کو ان دونوں ائمہ کرام کا مذہب ہی نہیں معلوم تھا۔

ان دونوں اماموں کا مذہب غیر مقلدین کے مذہب کی طرح سری نمازوں میں قرأت کے وجوب کا نہیں ہے، ان کے نزدیک اگر مقتدی نے فاتحہ پڑھی اچھا ہے نہ پڑھی تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی، اور غیر مقلدین کے یہاں نماز ہی باطل ہو جاتی ہے، دونوں مذہبوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

جلسہ استراحت کے بارے میں شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں۔

" یہ جلسہ واجب نہیں سنت ہے " ص۸۳

کیا اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے جلسۂ استراحت کو واجب نہیں سنت کہا ہے؟ اگر یہ فرمان رسول ہے تو براہ کرم وہ حدیث پیش کر دیں جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ حکم موجود ہو، ورنہ اپنی طرف سے دین میں کچھ کہنا مذہب اہلحدیث میں حرام ہے، خدارا اس حرام کا آپ ارتکاب نہ کریں، شریعت میں کسی چیز کو واجب یا سنت قرار دینا آپ کا منصب نہیں ہے، ذرا آپ اپنی حیثیت پہچانیں ۔

فرماتے ہیں شیخ الحدیث صاحب :

اہلحدیث کے نزدیک (تشہد میں) درود شریف ضروری ہے ۔ ص ۸۹

مگر پیش نہیں کیا شیخ الحدیث صاحب نے حدیث کوئی، ہو جس میں تشہد کا پڑھنا واجب اور ضروری، اور کہنا بات اپنی رائے سے بیچ دین میں نہیں ہے مگر حرام مذہب اہلحدیث میں ۔

تراویح کے بارے میں شیخ الحدیث کا نظر کشا یہ فرمان ہے :

" رمضان المبارک میں تراویح یا رمضان کا قیام وہی نماز ہے جس کا ذکر پہلے تہجد کے نام سے ہوا ......... فضیلت اسی میں ہے کہ رات کے آخری حصہ میں پڑھے ۔ ص ۹۸

اور اس فضیلت والی تراویح کو غیر مقلدین مستقل چھوڑے ہوئے ہیں، اور غیر فضیلت والی تراویح عشاء کے ساتھ پڑھتے ہیں، رمضان میں لوگ کوشش کرتے ہیں کہ فضیلت والا کام کریں اور غیر مقلدین اجتماعی طور پر غیر فضیلت والا کام کر کے سنت کو زندہ کرتے ہیں ۔ غیر مقلدین زندہ باد ، غیر فضیلت والا کام زندہ باد ، جماعتِ اہلحدیث پائندہ باد

اور شیخ الحدیث صاحب کا یہ فرمان تو بہت زیادہ نظر کشا ہے ، حقائق دینیہ کے بیان کا شاندار شاہکار علم و معرفت فقہ بصیرت سے مالا مال بیان ملاحظہ ہو ۔

" آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے رمضان میں فرائض کے علاوہ تراویح کے سوا کوئی نماز ثابت نہیں "

یعنی نہ سنت نہ نوافل نہ وتر بس صرف فرائض ، ۲ رکعت فرض فجر کی ، ۴ رکعت فرض ظہر کی ۴ رکعت فرض عصر کی ، ۳ رکعت فرض مغرب کی ، ۴ رکعت فرض عشاء کی اور آٹھ رکعت

تراویح کی، یہ تھی آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان شریف میں نمازوں کی مکمل جمع پونجی مطابق فرمان شیخ الحدیث سلفی اہلحدیث صاحب کے۔

شیخ الحدیث نے آٹھ رکعت تراویح ثابت کرنے کے لئے بخاری کی روایت ذکر کی ہے، اس میں ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد چار چار رکعت کر کے پڑھا کرتے تھے تو چار چار رکعت کر کے تراویح میں مطابق اہلحدیث مذہب کے ہونا چاہیئے مگر شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں۔

"لیکن افضل یہی ہے کہ دو دو رکعت پڑھنا چاہیئے"

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف چار کے بجائے دو دو رکعت تہجد پڑھنا یعنی رمضان میں دو دو رکعت تراویح پڑھنا افضل کیوں ہے؟ شیخ الحدیث صاحب نے اس کی وجہ نہیں بیان فرمائی۔ جب کہ ہمارے کان اس کے سننے کیلئے بہت مشتاق تھے۔

اور اے ناظرین کرام شیخ الحدیث صاحب سے ہم نے نماز سیکھ لی جو کہ تھی رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم والی اور سونے جاتی ہے صحبت ختم ساتھ شیخ الحدیث سلفی کے بس یہ آخری بات بھی سن لیں جو کہ ہے انھیں کی زبان فیض ترجمان سے، فرماتے ہیں کہ تہجد کی نماز ساتھ وتر کے چھ رکعت بھی تھی (ص ۹۶) اب ساتھ وتر کے تہجد چھ رکعت کیسے ہوگی، نہیں آئی بات عقل ہماری میں، پس سمجھائے کوئی اہلحدیث علامہ اس بات کو کہ آجائے سمجھ میں ہم کم فہموں و بدعقلوں کے بھی، چھ تہجد مع وتر کے نقشہ یہ بنتا ہے، ایک رکعت وتر تو تہجد پانچ رکعت ہوئی، تین رکعت وتر تو تہجد تین رکعت ہوئی۔ والسلام

محمد اجمل مفتاحی

# ان حضرات نے ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کیا ہے

محترم حضرت الاستاذ المکرم زید مجدکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

زمزم کے مطالعہ سے بڑا فائدہ ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ مجھے ان لوگوں کے نام حوالہ کے ساتھ معلوم کرنا ہے جنھوں نے ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کیا ہے، آپ کی نگاہ میں ایسے کچھ لوگ ضرور ہوں گے، براہ کرم انکی نشاندھی فرمائیں ۔

والسّلام

آپ کا شاگرد عبدالرحیم اورنگ آبادی

زمزم ! مصنف ابن ابی شیبہ جلد دوم مطبوعہ دارالفکر بیروت کے ص ۳۸۶ پر ایک باب اس طرح ہے ۔

من رخص ان یقرأ القرآن فی لیلۃ وقرأتہ فی رکعۃ

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ پورا قرآن ایک رات اور ایک رکعت میں پڑھنا جائز ہے۔

اس باب کے تحت: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ، حضرت تمیم الداریؓ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت علقمہؒ، حضرت علی الازدی کے بارے میں آثار ہیں کہ ان لوگوں نے ایک رات میں پورا قرآن ختم کیا تھا۔

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان فرماتے ہیں کہ میں نے مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز شروع کی، میں نے محسوس کیا کہ مجھے پیچھے سے کوئی دبا رہا ہے، میں نے مڑ کر کے دیکھا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے، تو میں پیچھے کھسک گیا اور وہ آگے بڑھے اور نماز شروع کیا اور پورا قرآن ایک رات میں ختم کیا پھر واپس ہوئے۔

(۲) حماد بن سلیمان فرماتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر کو سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے کعبہ میں پورا قرآن ایک رات میں پڑھا ہے۔

(۳) حضرت ابراہیم نخعی حضرت علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک رات میں پورا قرآن پڑھا۔

(۴) حضرت مجاہد علی الازدی رمضان میں ہر رات ایک قرآن ختم کرتے ہیں۔

سیر و اعلام کی کتابوں کا مطالعہ کرو ایسے لوگوں کے ناموں کی ایک طویل فہرست ملے گی۔

---

ابن الحسن عباسی

# شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ

حافظ ابن حجر کے شاگرد اور شیخ عبدالوہاب شعرانی کے استاذ، نویں صدی کے مشہور محدث اور بعض کے خیال میں اس صدی کے مجدد تھے۔

بڑی تنگدستی اور فقر وفاقہ میں تعلیم حاصل کی، وہ خود فرماتے ہیں:

"میں جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کرتا تھا، بعض اوقات فاقے کی شدت کی بنا پر نوبت یہاں تک پہنچتی کہ کھانے کو اور کچھ نہ ہوتا تو رات کی تاریکی میں وضوخانے کے قریب پڑے ہوئے تربوز کے چھلکے اٹھالیتا اور دھو کر ان سے اپنی بھوک مٹالیتا۔ بعد میں اللہ کے ایک مخلص بندے نے میری دیکھ بھال شروع کردی اور میری ضروریات خورد و نوش اپنے ذمہ لیں اور انھوں نے مجھے یہ بشارت بھی دی کہ ان شاء اللہ تم بہت دن زندہ رہو گے اور شیخ الاسلام بنو گے اور تمہارے شاگرد بھی تمہاری زندگی ہی میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوں گے"[1]

پوری زندگی درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور علمی مشاغل میں مصروف رہے، آخر میں اگرچہ نابینا ہوگئے تھے لیکن علمی مشاغل پوری آب و تاب کے ساتھ جاری رکھے۔

حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی ان کے متعلق لکھتے ہیں:

وقد خدمته عشرین سنة فما رأیته قط فی غفلة ولا اشتغال بما لایعنی لا لیلاً ولا نهاراً، وکان رضی اللّٰہ عنه مع کبر سنه یصلی سنن الفرائض قائماً، ویقول: لا أعوّد نفسی الکسل[2]

---

[1] الکواکب السائرة للغزی ص ۱۹۶-۱۹۷ [2] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج ۲ ص ۱۱۲

"میں نے بیس سال شیخ الاسلام زکریا کی خدمت کی، اس پورے عرصہ میں میں نے کبھی آپ کو غفلت میں نہیں دیکھا اور نہ کسی فضول کام میں مشغول پایا، نہ دن میں نہ رات میں اور بڑھاپے کے باوجود فرائض کی سنتیں ہمیشہ کھڑے ہو کر ادا کرتے رہے فرماتے۔ "میں اپنے نفس کو سستی کا عادی بنانا نہیں چاہتا"

کوئی شخص آکر اگر آپ کے پاس لمبی بات کرتا تو فرماتے:

"جلدی کرو، تم نے ایک زمانہ ضائع کر دیا" [1]

علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ جب میں آپ کو کوئی کتاب پڑھتا تو بعض اوقات کتاب کا کوئی لفظ درست کرنے کیلئے درمیان میں کچھ وقفہ ہو جاتا آپ اس وقفے کو بھی ضائع نہ فرماتے اور اس وقفہ میں آہستہ آہستہ "اللہ، اللہ" کے ذکر میں مشغول ہو جاتے [2]

وقت کی اسی قدر شناسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے چالیس سے زائد عظیم الشان تالیفات چھوڑی ہیں۔

**ایک خصوصیت** شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ کے فیض کو اللہ نے بڑی وسعت بخشی، آپ کے دور کے اکثر علماء بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ کے شاگرد ہیں، بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ ایک شخص نے آپ سے زبانی بلاواسطہ علم حاصل کیا اور پھر ایسے لوگوں سے بھی علم حاصل کیا جن کے اور شیخ الاسلام کے درمیان سات واسطے تھے، یہ خصوصیت کسی اور عالم کو حاصل نہ ہوئی [3]

---

[1] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج ۲ ص ۱۱۱

[2] ایضاً

[3] شذرات الذہب ج ۸ ص ۱۳۵

ابن الحسن عباسی

# حافظ ابن حجرؒ

**متوفی : ۸۵۲ھ**

بچپن ہی میں ماں باپ دونوں کی شفقت سے محروم ہونے والے "احمد" کے بارے میں کون کہہ سکتا تھا کہ آگے جاکر "حافظ ابن حجر عسقلانی" کے نام سے چار دانگ عالم میں ان کی شہرت ہوگی، اسلامی علوم خصوصاً علم حدیث کے عظیم خادموں میں سے ہوں گے اور امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب بخاری کی وہ زندہ جاوید شرح لکھیں گے جو حدیث کی تمام شرح میں اپنی نظیر آپ ہوگی۔

حافظ کو حافظہ عجیب ملا تھا، لکھا ہے کہ اول بار جب مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو آب زمزم پیتے وقت دعا کی:

"یا اللہ! مجھے حافظ ذہبی جیسا حافظہ عطا فرما"..... دعا قبول ہوئی، بیس سال بعد پھر حاضری ہوئی، دوبارہ دعا کی، یا اللہ! مجھے مزید حافظہ عطا کر۔ بعد کے اہل نظر علماء کا خیال ہے کہ ابن حجر کو حافظ ذہبی پر اللہ جل شانہ نے حافظہ میں فوقیت عطا فرمائی تھی[1]

نو سال کی عمر تک وہ قرآن کے حافظ بن گئے تھے، پھر حدیث کی طرف متوجہ ہوئے، دس برس مسلسل زین الدین عراقی رحمہ سے حدیث پڑھی، عالم اسلام کے علمی شہروں کے چکر کاٹے، مدینہ، زبید عدن، یمن، شام، غزہ، رملہ، قدس اور دمشق کا گشت کیا، محنت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ دمشق میں سو دن رہے اور حدیث کے ایک ہزار جزء پڑھے۔

---

[1] ذیل طبقات الحفاظ للسیوطی ص ۳۸۱

مصر واپس آکر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے، یہیں سے ان کی شہرت اور علم کی دھوم مچی، حکومت اور اہل علم دونوں کی طرف سے عہدہ قضا کا اصرار ہوا، مجبوراً قبول کیا اور مجموعی طور پر اکیس برس تک " قاضی القضاۃ " رہے[1]

## وقت کی قدر اور اس کی برکت

یہ قرات کی سرعت تھی یا وقت کی برکت یا دونوں کا نتیجہ کہ ایک مرتبہ حافظ ابن حجرؒ نے ظہر تا عصر کے درمیانی وقفہ کی دس مجلسوں میں پوری بخاری ختم کر ڈالی، صحیح مسلم ڈھائی دن کی پانچ مجلسوں میں ختم کی، طبرانی کی معجم صغیر ڈیڑھ ہزار احادیث سندوں کے ساتھ ظہر اور عصر کے درمیان صرف ایک مجلس میں پوری پڑھیں[2] ......
سرعت قرأت ہوگی سو وہ اپنی جگہ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ چیز وقت کی برکت ہی کا کرشمہ ہے، جو لوگ اپنی زندگی نظام الاوقات کی پابند کر دیتے ہیں اور جنھیں زندگی کے لمحہ لمحہ کی قیمت وصول کرنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے، وقت کی یہ برکت انھیں عطیہ کر دی جاتی ہے۔

ابن حجرؒ گھڑی گھڑی تول تول کر خرچ کرتے، لکھا ہے کہ..... لکھتے لکھتے قلم پر قط لگنے کی ضرورت پیش آتی تو اتنی دیر بھی بیکار گزارنا ان کو گوارا نہ تھا فوراً ذکر میں مشغول ہو جاتے[3]

ان کی فتح الباری چودہ جلدوں میں، تہذیب التہذیب نو جلدوں میں، الاصابہ پانچ جلدوں میں لسان المیزان چار جلدوں میں اور تغلیق التعلیق پانچ جلدوں میں ہے، ایک سو پچاس سے اوپر تصانیف ہیں۔

تواضع کا حال دیکھئے، اپنی تصانیف پر تبصرہ کیا تو فرمایا۔

واکثر ذلک مما لا تساوی نسختہ لغیرہ، لکن جری القلم بذلک۔

میری اکثر تصانیف دوسرے اہل علم کی ایک کتاب کے بھی برابر نہیں لیکن بس قلم چل گیا۔

---

[1] دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۱۸۰

[2] تفصیل کیلئے دیکھئے بستان المحدثین ص ۲۰۲ ـ ۲۰۳

[3] ابن حجر العسقلانی، شاکر عبد المنعم ص ۱۸۵ ـ

ابن الحسن عباسی

# شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ

برصغیر میں علم حدیث کی نشرو اشاعت کے داعی و مبلغ، دہلی میں مسند درس حدیث کے عظیم محدث اور بقول بعض ہندوستان میں سب سے پہلے حدیث نبوی کی اشاعت کرنیوالے شیخ عبدالحق ۹۵۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

علم و مطالعہ کا شوق انھیں بچپن ہی سے نصیب ہوا، روزانہ دو میل کی مسافت طے کر کے سبق پڑھنے جاتے اور اس طرح سات سال کے عرصے میں وہ تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔

صاحب نزہۃ الخواطر ان کی تحصیل علم اور مطالعہ میں انہماک کے متعلق لکھتے ہیں:

"شیخ عبدالحقؒ نے سات سال کے عرصے میں تمام علوم سے فراغت حاصل کی، دہلی کے جس مدرسے میں وہ زیر تعلیم تھے وہ آپ کے گھر سے دو میل کی مسافت پر تھا، سردی اور گرمی ہر موسم میں آپ صبح و شام وہاں جاتے ..... آپ ہمیشہ مشغول رہتے تھے، رات کی تاریکیوں میں بھی مطالعہ پر چھائے رہتے، کئی بار ایسا بھی ہوا کہ دوران مطالعہ سامنے جلتے ہوئے چراغ سے آپ کا عمامہ جل گیا لیکن آپ کو اسی وقت اندازہ ہوتا جب آگ عمامہ کو جلاتے جلاتے سر کے بالوں تک پہنچتی"[1]

وہ خود فرماتے ہیں کہ مطالعہ کرتے کرتے جب رات نصف سے زیادہ گزر جاتی تو والد صاحب ازراہِ شفقت فرماتے۔ ارے بابا کیا کر رہے ہو؟ میں جلدی لیٹ کر کہتا، آرام کر رہا ہوں، کچھ دیر

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۰۱

بعد دوبارہ اٹھتا اور مصروف مطالعہ ہوجاتا، اپنی تعلیم کے ابتدائی زمانے کے بارے میں وہ کہتے تھے :

"ابتدائے تعلیم نمی دانم کہ بازی چیست وخواب کدام، ومصاحبت کیست وآرام چہ وآسائش وسیر کجا .... "

"ابتدائے تعلیم کے وقت میں یہ نہیں جانتا تھا کہ کھیل کیا ہے؟ نیند اور دوستی وآرام کیا چیز ہے؟ اور آسائش وتفریح کسے کہتے ہیں۔"

راہ علم میں اس محنت اور جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ سے علم حدیث کی وہ عظیم خدمت لی جو ہندوستان میں بہت ہی کم لوگوں کے حصے میں آئی، چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" میں لکھتے ہیں :

"فن حدیث کی نشر واشاعت کیلئے اللہ تعالی نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ کو منتخب فرمایا .... انھوں نے دارالسلطنت دہلی میں مسند درس آراستہ فرمائی اور اپنی کوشش وصلاحیت اس علم کی نشر واشاعت پر صرف فرمائی۔

فن حدیث کی نشر واشاعت میں ان کی جدوجہد اور کوشش اپنے پیشروؤں سے اسقدر نمایاں وممتاز ہیں کہ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ فن حدیث کو ہندوستان میں سب سے پہلے لانے والے یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں [1]

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت ج۴ ص ۱۸۰۔

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

# خمار سلفیت

## شیخ کلو حفظہ اللہ کی پریشانی
## اور شیخ جمن حفظہ اللہ کی یقین دہانی

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی شیخ کلو حفظہ اللہ آج کل سخت پریشان ہیں، فتاویٰ ثنائیہ کا مطالعہ کر رہے ہیں، جتنا ان کا مطالعہ بڑھتا ہے، ان کی پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے کہتے ہیں کہ فتویٰ کی یہ کتاب عجائب وغرائب کا مجموعہ ہے ۔

باپ ۔ بیٹا ۔ فتاویٰ ثنائیہ بڑی مستند کتاب ہے، فقہی مسائل کا مجموعہ ہے، اس میں بڑی تحقیق ہے، ہر بات کتاب وسنت سے مدلل کر کے لکھی گئی ہے، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب کے قلم کا شاہکار ہے، شیخ کلو کس بات سے پریشان ہیں ؟

بیٹا ۔ اباجی فرض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا از روئے شرع کیسا ہے، اسی مسئلہ کو لیکر شیخ کلو ایک حنفی سے جھگڑ رہے تھے، شیخ کلو حفظہ اللہ کہہ رہے تھے کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے، حنفی نے کہا کہ اس کا بدعت ہونا دلیل سے ثابت کرو، اب شیخ کلو بھاگے ہوئے شیخ جمن کے پاس دلیل لینے آئے، تو شیخ جمن

نے ان کو یقین دلایا کہ ہمارے پاس اس مسئلہ میں دلائل کا انبار ہے، فتاویٰ ثنائیہ دیکھو اس میں اس کے بدعت ہونے پر دلائل کا انبار نظر آئے گا۔ شیخ کلو جامعہ سلفیہ سے فتاویٰ لائے اور اس کا رات بھر مطالعہ کیا تو نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے بدعت ہونے پر کوئی دلیل تو ملی نہیں البتہ ان کی پریشانی میں بہت اضافہ ہوگیا۔

باپ ۔ بیٹا فتاویٰ ثنائیہ میں اس مسئلہ پر کتاب وسنت سے کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔

بیٹا ۔ اباجی شیخ کلو کو فتاویٰ ثنائیہ میں دو جگہ اس کا ذکر ملا، ایک جگہ لکھا ہے کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا سنت مؤکدہ نہیں ہے۔ (ص۵۱۸/ج۱)

شیخ کلو نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ مولانا فرما رہے ہیں کہ سنت تو ہے مگر سنتِ مؤکدہ نہیں ہے، یعنی آنحضورؐ سے یہ عمل ثابت ہے مگر اس کے کرنے کا تاکیدی حکم نہیں ہے۔

باپ ۔ بیٹا، بیشک اس کا یہی مطلب ہے ورنہ مولانا سنت مؤکدہ کا لفظ استعمال نہ کرتے۔

بیٹا ۔ اور دوسری جگہ مولانا امرتسری لکھتے ہیں۔ بعد نماز فرض ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت ہے، نہ بدعت، کیونکہ ایک دو ضعیف روایتوں میں ثبوت ملتا ہے جن سے نہ سنت ثابت ہوتی ہے نہ بدعت۔ (ص۵۰/ج۱)

مولانا نے اس فتویٰ میں اپنے پہلے فتویٰ کے بالکل خلاف بات کہی ہے۔

باپ ۔ بیٹا، مولانا نے ایک ہی مسئلہ میں دو طرح کی بات کہہ کر مسئلہ الجھا دیا ہے اچھا مولانا نے دونوں فتووں میں کچھ کتاب وسنت کا بھی ذکر کیا ہے۔

بیٹا ۔ اباجی کہیں کچھ نہیں ہے، نہ دونوں فتووں میں کوئی قرآن کی آیت سے مسئلہ بیان کیا گیا ہے نہ کوئی حدیث ذکر کی گئی ہے، بس ہوا میں گولہ پھینکا ہے۔

باپ ۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اتنا بڑا عالم حدیث اور جماعت اہل حدیث کا شیخ الاسلام جس کے علم کا شہرہ جگہ جگہ پھیلا ہے، وہ اپنے فتووں میں قرآن

وحدیث سے دلیل نہ پیش کرے۔

بیٹا - اباجی، اور غضب تو مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب نے کیا ہے جن کا
اس فتاویٰ میں جگہ جگہ نوٹ ہوتا ہے۔

باپ - اے بیٹا یہ تو بڑے مشہور اہل حدیث عالم ہیں، بڑے پایہ کے
محدث تھے انھوں نے ضرور نماز بعد دعا کرنے کو دلائل قاہرہ وراسخہ وغیرہ
کی روشنی میں بدعت ثابت کیا ہوگا۔

بیٹا - نہیں اباجی انھوں نے تو بڑا غضب کر دیا ہے، سارا کھیل بگاڑ دیا، مولانا
امرتسری پر بڑا داغ ودھبہ لگایا ہے، وہ تو لکھتے ہیں جو لوگ نماز بعد ہاتھ اٹھاکر
دعا کرنے سے منع کرتے ہیں وہ رسول اللہ کے عمل اور آپ کی تعلیم کے خلاف
کرتے ہیں " اسلئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی بعد فرائض برفع یدین
دعا کی ہے اور امت کو بھی ترغیب دی ہے فرمایا ہے کہ یہ وقت قبولیت دعا کا
ہے پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ دعا کا یہ بھی طریقہ ہے کہ ہاتھ اٹھاکر دعا کی جائے۔
(ایضاً ص ۵۰۰ ج ۱)

باپ - بیٹا یہ نوٹ تو بڑا خطرناک ہے، جو لوگ نماز بعد ہاتھ اٹھاکر دعا مانگتے ہیں
ان کا عمل سنت ہوجائے گا، اور ہم لوگوں کا اس کو بدعت کہنا غلط ہوگا۔

بیٹا - اباجی - انھیں باتوں نے تو شیخ کلو کو پریشان کر رکھا ہے، شیخ جمن کی یقین
دہانی سے بڑا نقصان ہوا، یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہوگیا۔
اباجی جو مسئلہ حدیث سے ثابت ہو وہ عمل سنت ہوگا یا بدعت، یا نہ سنت
ہوگا نہ بدعت۔؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

## شیخ کلو حفظہ اللہ کا چیلنج اور شیخ جمن حفظہ اللہ کی تحقیق انیق۔

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی، آج چوپال میں بڑا تماشہ ہوا، دیوبندی مولوی کو شیخ کلو حفظہ اللہ نے چیلنج دے دیا کہ امام ابوحنیفہ کی کوئی حدیث بخاری میں نہیں ہے، امام ابوحنیفہ حدیث میں کمزور تھے، امام بخاری کمزور راوی سے روایت نہیں لیتے ہیں۔

باپ ۔ تب تو وہ دیوبندی بڑا کھسیانا ہوگا، چوپال سے بھاگ کھڑا ہوا ہوگا۔

بیٹا ۔ اباجی دیوبندی بڑے سخت جان ہوتے ہیں وہ میدان چھوڑ کر بھاگتے کہاں ہیں وہ دیوبندی بھی کھڑا مسکرا رہا تھا، اور شیخ کلو حفظہ اللہ کی اچھل کود سے مزا اٹھا رہا تھا۔

باپ ۔ پھر کیا ہوا بیٹا۔

بیٹا ۔ اباجی، بس شیخ جمن حفظہ اللہ نے سارا کھیل بگاڑ دیا وہ بھی گھومتے پھرتے آگئے ان کے ہاتھ میں حافظ ابن حجر کا مقدمہ فتح الباری تھا۔

باپ ۔ بیٹا شیخ جمن نے کھیل کیسے بگاڑ دیا۔

بیٹا ۔ اباجی جب انھوں نے اس دیوبندی اور شیخ کلو حفظہ اللہ کی بحث سنی تو وہ بیچ میں کود پڑے، اور کہا کہ میں اہل حدیث عالم ہوں، اللہ کے رسول نے فرمایا ہے کہ الصدق ینجی والکذب یھلک یعنی سچ میں نجات ہے اور جھوٹ میں ہلاکت ہے، پھر شیخ کلو سے کہا کہ تمہارا چیلنج سراسر باطل ہے کہ بخاری میں ضعیف راویوں کی روایت نہیں ہے۔

باپ ۔ بیٹا شیخ جمن نے ایسا کہا؟

بیٹا ۔ جی اباجی ایسا ہی کہا اور پھر کہا کہ بخاری کا ایک راوی اسید بن زید الجمال ہے

نسائی اس کو متروک کہتے ہیں، ابن معین کہتے ہیں کہ وہ جھوٹی احادیث بیان کرتا تھا، دارقطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے، ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ثقہ راویوں سے سن کر روایت بیان کرتا تھا اور حدیث چراتا تھا، بزار کہتے ہیں کہ پکا شیعہ تھا اور حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ میں نے اس کی توثیق کرتے ہوئے کسی کو نہیں پایا۔

باپ۔ بیٹا تو پھر کلو نے امام بخاری کے دفاع میں کیا کہا ؟

بیٹا ۔ کچھ نہیں کہا اباجی، بس ان کو زکام ہوگیا اور ان کی ناک سرسر کرنے لگی، اور اپنے گھر کا راستہ لیا۔

باپ ۔ بیٹا اور دیوبندی نے کیا کہا ؟

بیٹا ۔ اباجی اس کی بھی مسکراہٹ غائب ہوگئی اور اس نے شیخ جمن سے کہا کہ ذرا اس صفحہ کا حوالہ دے دیں جہاں مقدمہ فتح الباری میں اس راوی کا ذکر ہے تو شیخ کلو نے ان کو ص۲۹۱ نوٹ کرا دیا۔ اباجی شیخ کلو حفظہ اللہ کہیں ہماری جماعت کے خلاف تو نہیں جا رہے ہیں۔

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

## بخاری شریف کی حدیث سے شیخ جمن کی پریشانی

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی ہمارے شیخ جمن حفظہ اللہ کو سخت بخار چڑھا ہے، بدن بالکل ٹھنڈا ہے اور پسینہ چھوٹ رہا ہے۔

باپ ۔ بیٹا کیا مطلب، سخت بخار چڑھا ہوا ہے، بدن ٹھنڈا ہے، پسینہ چھوٹ رہا ہے، یہ کیا بکواس ہے۔

بیٹا۔ اباجی بکواس نہیں ہے، حقیقت ہے، اوپر کا چمڑا گرم ہے، بدن کا گوشت ٹھنڈا ہے، بخار کی یہ نئی قسم ہے، جو کبھی کبھی نا اہلوں کو بخاری شریف پڑھنے سے ہو جاتی ہے۔

باپ۔ تو کیا شیخ جمن نے بخاری شریف پڑھنا شروع کر دیا ہے۔

بیٹا۔ جی اباجی، اب ان میں ہماری صحبتوں میں رہنے سے یہ حوصلہ پیدا ہو گیا ہے وہ بخاری شریف کا مطالعہ حافظ ابن حجر کی شرح کی روشنی میں کر رہے ہیں۔

باپ۔ تو اس میں بخار چڑھنے کی وجہ کیا ہوئی۔

بیٹا۔ اباجی بخاری شریف میں ایک حدیث ہے۔ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قضی بالدین قبل الوصیۃ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرنے والے کی وصیت نافذ کرنے سے پہلے مرنے والے کے ذمہ جو قرض تھا اس کے ادا کرنے کا حکم فرمایا۔

باپ۔ بیٹا۔ یہ بخاری کی حدیث ہے بالکل صحیح ہو گی سارے اہل علم کا یہی مذہب ہے۔

بیٹا۔ نہیں اباجی بخاری کی شرح شیخ کلو حفظہ اللہ نے حافظ ابن حجر کی اس حدیث کے بارے میں یہ رائے پڑھ لی ہے۔ وھو اسناد ضعیف یعنی جو اس کی سند ہے وہ ضعیف ہے۔ اور سند ضعیف ہے تو حدیث ضعیف ہوئی، حالانکہ شیخ جمن کا ایمان تھا کہ بخاری کی ہر حدیث صحیح ہے۔

باپ۔ تو یہ وجہ ہوئی ان پر بخار چڑھنے کی۔

بیٹا۔ جی اباجی بالکل یہی وجہ ہے۔ اباجی کیا بخاری کی اس ضعیف حدیث پر اہل حدیث حضرات کا بھی عمل ہے؟

باپ۔ بیٹا ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ وصیت کے نفاذ سے پہلے میت کا قرض ادا کیا جائیگا۔

بیٹا۔ اباجی آپ کو بھی پسینہ آنے لگا ہے، آپکی آواز بھی پست ہو رہی ہے، کیا آپکو بھی بخار چڑھ رہا ہے؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

# برطانیہ کا سفر

۳۰ جولائی۔ صبح نماز سے فارغ ہو کر ہم نے ناشتہ کیا، پھر ہم لوگ دارالعلوم بری مولانا یوسف متالا سے ملنے جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک صاحب جو بنگلہ دیش کے کسی مدرسہ کے سفیر تھے اور اسی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے تشریف لائے، اور کہا کہ میں نے سوچا کہ ہمارا تعارف آپ لوگوں سے ہو جائے، انھوں نے بتلایا کہ بنگلہ دیش کے کسی مدرسہ دارالعلوم حسینیہ سے وہ چندہ حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں، اور تین ماہ سے برطانیہ میں ہیں۔

میں نے ان سے نام پوچھا تو انھوں نے اپنا نام بتلایا، اب وہ مجھے یاد نہیں رہا، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا پڑھاتے ہیں، کہا کہ میں ادب عربی پڑھاتا ہوں اور فقہ، میں نے پوچھا کہ ادب میں کون سی کتاب، کہا کہ القرأۃ الواضحہ، میں نے پوچھا اور فقہ میں کونسی کتاب آپ پڑھاتے ہیں؟ تو بہت دیر تک سوچتے رہے اور کتاب کا نام انھیں یاد نہیں آیا، فرمایا وہ اردو کی کوئی کتاب ہے، میں نام بھول گیا ہوں۔

یہ بیچارے سیدھے سادھے نوجوان تھے، تین ماہ سے وہ برطانیہ میں رہ کر چندہ وصول رہے تھے، میں نے پوچھا کہ کتنا چندہ ہوا تو بتلایا کہ اس سال بہت کم ہوا ہے، صرف آٹھ ہزار پونڈ، یعنی بنگلہ دیش کا دس لاکھ سے زیادہ روپیہ انھوں نے تین ماہ میں وصول لیا اور دس ہزار پونڈ تک کا نشانہ تھا، کہا کہ جب دس ہزار پونڈ پورا ہو جائیگا تو میں چلا جاؤں گا، معلوم ہوا کہ وہ ہر سال تشریف لاتے ہیں، اور دس بارہ ہزار پونڈ

چندہ کر کے لیجاتے ہیں، جس میں دو تین لاکھ ان کا ہوتا ہے۔

ہم لوگ دار العلوم بری جانے کیلئے تیار ہو چکے تھے، بھائی محمد صاحب جن کا تذکرہ گزر چکا ہے ان کے بھائی اپنی گاڑی لے کر آئے اور ہم لوگ دار العلوم بری کے لئے روانہ ہوئے، شہر سے باہر نکلے تو بڑا دلچسپ منظر تھا، ہر طرف ہریالی تھی، پورا راستہ جھاڑیوں سے آباد تھا، سڑک بڑی صاف ستھری، ابھی ہم دس بارہ کیلو میٹر ہی گئے ہوں گے کہ سڑک پر جام نظر آیا، میلوں تک گاڑیاں کھڑی تھیں، ہمارے سر پر ایک ہیلو کاپٹر چکر لگا رہا تھا، معلوم ہوا کہ کوئی بڑا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، ہمارے رفیق سفر جو گاڑی چلا رہے تھے انکو اندازہ ہوا کہ یہاں گھنٹوں کھڑا رہنا ہوگا اسلئے انھوں نے گاڑی پیچھے کی اور دوسرا راستہ اختیار کیا، اس سے فاصلہ کافی طویل ہو گیا، تقریباً دو گھنٹہ دار العلوم بری پہونچنے میں لگ گیا۔

دار العلوم بری کے گیٹ پر جب ہم پہونچے تو ایسا محسوس ہوا کہ ہم اسلام کے کسی آہنی قلعہ میں داخل ہو رہے ہیں، پہاڑیوں کے دامن میں اور ان کے بیچ و بیچ یہ برطانیہ کا سب سے بڑا دار العلوم ہے، جو مولانا یوسف متالا خلیفہ و مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے عزم و ہمت کا شاہکار ہے، برطانیہ میں یہ روشنی کا قطب مینار ہے جسکے سامنے دلی کا قطب مینار ہیچ ہے، یہ دار العلوم برطانیہ میں ایک علامت ہے کہ یہاں اسلام کا چراغ جلتا رہے گا اور الحاد و دہریت کے ماحول میں صدائے کلمہ لا الٰہ گونجتی رہے گی اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے علی الرغم دین حق کا جھنڈا بلند رہے گا۔

برطانیہ میں بہت سے علم دین کے مراکز ہیں، بیشتر وہی مراکز ہیں جن کے فضلاء نے اسی دار العلوم سے کسب فیض کیا ہے، گویا دار العلوم بری ام المدارس کا درجہ رکھتا ہے، دار العلوم کا ماحول بڑا سنجیدہ پروقار ہے اور روح پرور ہے، تقریباً ساڑھے چار سو طلبہ یہاں دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، دورہ شریف تک کی تعلیم ہے، عمارت بہت خوبصورت اور مسجد تو فن تعمیر کا شاہکار ہے، مسجد کو دیکھو تو دیکھتے رہو، بلا کسی ستون کے ایک ہال کی

لمبی چوڑی مسجد مولانا یوسف متالا صاحب دامت برکاتہم کے لمبے چوڑے اوران کے آہنی عزم کی غماز ہے، اس مسجد میں لکڑی کا استعمال کثرت سے ہوا ہے، یہ لکڑی بڑی مہنگی ہے اور معلوم ہوا کہ کسی دوسرے ملک سے منگائی گئی ہے، غالباً جرمنی سے اس کو منگایا گیا ہے، اس مسجد کو دیکھنے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔

جب ہم لوگ دارالعلوم پہونچے تو دارالعلوم کے مہتمم مولانا یوسف صاحب گھر پر تھے انھیں اطلاع ہوئی تو انھوں نے ہم لوگوں کو گھر ہی پر بلالیا، وہ کسی سفر کی تیاری میں تھے مگر ہم لوگوں کو کافی وقت دیا، چائے وغیرہ سے تواضع کی، ان سے دیر تک فتنۂ غیر مقلدیت کے بارے میں گفتگو رہی، مولانا کو میں نے اپنی نئی عربی کتاب ، صوت منطق ، پیش کی تو انھوں نے اس کے تین نسخے اپنے دارالعلوم کیلئے بھجوانے کا حکم فرمایا اور اس کی اسی وقت قیمت ادا کردی۔

ہمارے ساتھ کچھ دیر کے لئے دارالعلوم تشریف لائے، پھر ہم لوگوں کو ایک مدرس صاحب کے حوالہ کیا کہ ہمیں دارالعلوم اور اس دارالعلوم کے کتب خانہ کو تفصیل سے دکھائیں۔

میں کتب خانہ دیکھ رہا تھا کہ بہت سے اساتذہ یہ معلوم کر کے میں یہاں آیا ہوں جمع ہو گئے ان میں سے زیادہ وہ تھے جو مجھ سے غائبانہ واقف تھے اوران کی نگاہ سے زمزم یا میری کتابیں گذر چکی تھیں، یہ حضرات بڑی محبت اور عقیدت سے ملے، اکثر نے یہ بتلایا کہ انھوں نے میری کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، ان حضرات سے میں نے گذارش کی کہ آپ حضرات کیلئے مواد سارے فراہم ہیں تھوڑی سی توجہ ہو تو آپ حضرات اس فتنہ کا برطانیہ میں سر کچل سکتے ہیں، برطانیہ میں سعودی شیوخ وعلماء کی آمد زیادہ ہوتی ہے، وہ سلفیت کے جراثیم یہاں لاتے ہیں اور چھوڑ کر جاتے ہیں، میں نے کہا کہ آپ میں سے بعض وہ ہیں جن کو انگریزی زبان میں لکھنے پڑھنے اور تقریر کرنے کی اچھی قدرت حاصل ہے، اگر وہ چاہیں تو اس موضوع پر اچھا خاصا انگریزی زبان میں لٹریچر تیار کر سکتے ہیں۔

بعض اساتذہ کی اس موضوع سے خاص مناسبت محسوس ہوئی، ان حضرات سے ملاقات بہت مفید رہی، ان حضرات کے اصرار پر دوپہر کا ہم نے یہیں کھانا کھایا اور

پھر اپنی قیامگاہ بلاک برن واپس ہوگئے، راستہ میں ایک جگہ لکھا نظر آیا کہ آگے کا راستہ بند ہے، اس سے پتہ چلا کہ آتے وقت جو اکسیڈنٹ ہوا تھا ابھی تک اس کی وجہ سے راستہ پر جام لگا ہوا ہے، اسلئے ہم کو واپسی میں وہی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑا جس سے فاصلہ دوگنا ہوگیا، ظہر کے وقت ہم لوگ اپنی قیامگاہ پر آگئے اور ظہر کی نماز ادا کرکے آرام کیلئے اپنے بستر پر پڑگئے۔

آج ہی ہمیں عصر بعد بولٹن (BOLTAN) جانا تھا، مولانا عبداللہ صاحب سابق مہتمم جامعہ فلاح دارین ترکیشور ضلع سورت کے صاحبزادے لینے آنے والے تھے، ہم ان کا انتظار کر رہے تھے، وہ ساڑھے چار بجے پہونچے اور ہم انکی گاڑی میں بیٹھ کر بولٹن BOLTAN کے لئے روانہ ہوئے، آدھ گھنٹہ میں بولٹن پہنچ گئے، مولانا عبداللہ صاحب کے صاحبزادے بولٹن ہی میں رہتے ہیں، پہلے وہ اپنے گھر لے گئے، وہاں ہم نے چائے پی اور کچھ ناشتہ کیا اور قدرے آرام بھی کیا گیا، جس کمرہ میں ہم بیٹھ کر چائے پی رہے تھے اس میں دو الماریاں کیسٹوں سے بھری تھیں، جس میں کئی کیسٹ حضرت قاری طیب صاحب نوراللہ مرقدہ کی تقریروں اور ان کے ملفوظات کی تھی، میں نے ایک کیسٹ حضرت قاری صاحب کی لگائی جوں ہی کیسٹ نے اپنا کام شروع کیا میرے بدن میں ایک جھرجھری سی پیدا ہوئی، حضرت قاری صاحب کی آواز کان میں کیا پہونچی کہ حضرت کا سراپا آنکھوں کے سامنے آموجود ہوا، مسکراتا ہوا پُرنور اور نہایت حسین چہرہ میری نگاہ کے سامنے تھا، حضرت قاری صاحب کی تقریر کا انداز جس پر ہر مقرر نثار ہوجائے، میں نے اپنی زندگی میں تقریر وبیان، علم وشرافت میں ان کی مثال کوئی دوسری نہیں دیکھی، قاری صاحب اس دنیا سے تشریف لے گئے کہ دارالعلوم کا اہتمام چلا گیا، قاسمیت اور دیوبندیت کا ترجمان چلا گیا۔[1]

---

(۱) حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد میں نے تذکرہ طیب کے نام سے ایک کتاب مرتب کی تھی جس میں مشاہیر علماء دیوبند سے انکی شخصیت پر مقالات لکھوا کر شائع کیا تھا

میں نے مولانا اسمٰعیل سلمہٗ (حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودری کے صاحبزادے) سے کہا کہ مجھے حضرت قاری صاحب کی تقریروں کے کیسٹ میں سے دو ایک دے دیں، انھوں نے ازراہ کرم دو کیسٹوں کی کاپی کرا کر میرے حوالہ کر دی جو میرے پاس قاری صاحب کی یادگار کے طور پر محفوظ ہے۔

آج مجھے یہاں عصر سے پہلے چھ بجے علماء کی مجلس میں گفتگو کرنی تھی، ساڑھے چھ بجے تک بہت سے علماء اور طلباء اور مدارس سے تعلق اور دینی ذوق رکھنے والے لوگ جمع ہو گئے۔

دارالعلوم بری سے مولانا عبدالرحیم صاحب جو ایک نوجوان صالح اور علمی ذوق کے مالک اور دارالعلوم کے سینئر اساتذہ میں سے ہیں وہ بھی پہنچ گئے، ان کو غیر مقلدیت کے موضوع سے بڑی دلچسپی ہے۔

میں نے تقریر شروع کی، علماء کا سنجیدہ مجمع تھا اسلئے طبیعت خوب لگی، تقریر کے ختم کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا، مجھے خوشی تھی کہ علماء کی طرف سے سوالات تھے اور ان محترمین کو خوشی تھی کہ ان کے بہت سے ایسے سوالات کے جوابات جو ان کو پریشان کئے ہوئے تھے ان کا ان کو جواب مل رہا تھا۔

یہ مجلس سنجیدہ بڑی علمی اور بڑی مفید رہی، مجھے بھی بڑا انشراح تھا اسلئے مغرب تک اس مجلس کا سلسلہ جاری رہا۔

---

افسوس کہ وہ کتاب نزاعی بن گئی اور پھر میں نے اس کی تقسیم بند کر دی، اس تذکرہ طیب میں حضرت قاری طاصاحب پر میری ایک نظم تھی جس کا عنوان تھا:

تھا زمیں پر جو مثال آسماں جاتا رہا

حضرت قاری صاحب کے اس موقع پر ذکر کی مناسبت سے طبیعت چاہتی ہے کہ اس پوری نظم کو یہاں شائع کر دیا جائے، یاد رہے کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے استاذ بھی تھے، میں نے ان سے حجۃ اللہ پڑھی تھی۔ یہ نظم صفحہ ۶۲ پر دیکھئے

بعد نماز مغرب ہم کھانے سے فارغ ہوئے، کھانا مولانا عبداللہ صاحب کے صاحبزادے عزیزم مولوی اسمٰعیل سلمہٗ کے یہاں تھا، پھر ہم اپنی قیامگاہ ساڑھے گیارہ بجے شب میں واپس ہوئے۔

۱۳؍ جولائی ۔ آج دوپہر کا کھانا مولوی ہاشم نزدلوی کے یہاں تھا، ان سے عجیب وغریب طریقہ سے ملاقات ہوئی، میں ان سے واقف نہیں تھا۔ میں اپنی قیامگاہ سے نیچے اتر کر ٹہل رہا تھا، تو میں نے دیکھا کہ ایک صاحب اپنی گاڑی لے کر میری قیامگاہ کے نیچے ہی جو ایک ورکشاپ تھا اس میں آئے، میں نے جو ان کی صورت مولوی شکل دیکھی تو یوں ہی ان سے بات کرنے لگا، انھوں نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور آپ کا نام کیا ہے جب میں نے اپنا نام بتلایا تو وہ مجھ سے چمٹ گئے اور کہا کہ میں آپ کو صبح سے تلاش کر رہا ہوں، میرے بھائی[1] صاحب کا کلیتھن سے بار بار فون آ رہا ہے کہ مولانا غازی پوری صاحب تمہارے شہر پہونچے ہیں ان سے ملو، میں تو یہاں اپنی گاڑی ٹھیک کرانے آیا تھا، اللہ نے آپ سے ملاقات کرادی، اس کے بعد تو پھر یہ میرے ساتھ ہی ساتھ رہے، انھوں نے دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا۔

آج اسی شہر کے مدرسہ جامعۃ العلم والہدیٰ میں میرا پروگرام تھا[2]، اس مدرسہ میں میرے شاگرد مولوی سعید کاکڑیا پڑھاتے ہیں، بعد ظہر طلبہ سے خطاب ہوا، عصر بعد (PRESTON) پرسٹن کی مسجد میں تقریر کرنی تھی، دارالعلوم بری کے

---

(۱) کلیتھن میں مولوی اسماعیل جو گوواڑی کے پڑوس میں جو بھائی محمد رہتے ہیں جن کا تذکرہ گذشتہ ابتدائی قسطوں میں گذر چکا ہے، مولوی ہاشم ان کے چھوٹے بھائی ہیں، بڑے فعال اور متحرک، بڑے مخلص اور خدمت گذار۔

(۲) اس کے مہتمم مفتی عبدالصمد صاحب ہیں جو دارالعلوم کنتھاریہ گجرات کے مہتمم مولانا اسماعیل منوبری کے بھائی ہیں، جس وقت میں تھا اپنے دارالعلوم میں ایک شاندار مسجد کی تعمیر کرا رہے تھے۔

استاذ مولوی شبیر مجھے لینے آئے تھے، یہ شہر بیک سورن سے آدھ گھنٹہ کے فاصلہ پر ہے، شہر چھوٹا ہے مگر خوبصورت، برطانیہ میں عموماً شہروں میں ہما ہمی چیخ و پکار اور لوگوں کی بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی ہے، عام طور پر خاموشی اور سکون کا ماحول رہتا ہے۔ آکسفورڈ کے علاوہ مجھے کہیں، دہلی، کانپور، لکھنؤ اور بنارس وغیرہ ہندوستان کے شہروں میں جو ہنگامہ والی کیفیت رہتی ہے برطانیہ میں یہ کیفیت نظر نہیں آئی۔

یکم اگست۔ آج صبح چائے پی کر ذرا باہر تفریح کیلئے نکلے موسم بڑا خوشگوار تھا، ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ میں اس پھوار ہی میں تفریح کرتا رہا، آج کا ناشتہ مولوی ہاشم کے گھر کرنا تھا، وہ ساڑھے نو بجے گاڑی لیکر آگئے، ہم لوگ ناشتہ سے فارغ ہو کر اگلے سفر کا پروگرام بنا رہے تھے، یہاں سے مانچسٹر جانا تھا، وہاں سے گاڑی آئی تھی مگر مولوی ہاشم نے کہا کہ میں ہی آپ کو مانچسٹر لیجاؤں گا، ہم لوگ اپنی قیامگاہ پر واپس آئے اور سامان درست کیا، مولوی ہاشم بھی تیار ہو کر اپنی گاڑی کے ساتھ تھوڑی دیر میں آگئے، اور ہم اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

مانچسٹر کا اصل پروگرام مولوی اقبال رنگونی نے بنایا تھا، اقبال رنگونی کئی کتابوں کے مصنف ہیں، صاحب قلم اور علم کا ذوق رکھنے والے جید الاستعداد فاضل ہیں، لکھنے پڑھنے کا مشغلہ رکھتے ہیں، رد غیر مقلدیت پر چھوٹے بڑے ان کے کئی رسائل ہیں، اسی مناسبت سے میرا ان کا غائبانہ تعارف تھا، جب انکو علم ہوا کہ میرا لندن کا سفر ہونے والا ہے تو انھوں نے مولوی اسمٰعیل صاحب سلمہ سے مانچسٹر کیلئے پروگرام لے لیا تھا۔ ایک گھنٹہ میں ہم مانچسٹر پہنچ گئے۔

یہاں ہمارا قیام مولوی اسماعیل صاحب سلمہ کے ایک متعارف کے گھر میں ہوا جو پورا خالی تھا، اور ہر طرح کی آسائش سے مزین بھی تھا۔

یہاں پہونچ کر مولوی اقبال صاحب کو فون کیا گیا، مگر ان سے رابطہ قائم نہ ہو سکا راہ چلتے ان سے ملاقات ہو گئی، انھوں نے پروگرام تو بنایا تھا مگر خود انکو نہ ملنے کا اشتیاق تھا نہ اس پروگرام سے کوئی دلچسپی تھی، نہ اس کی کھوج کہ ہم لوگ کب پہونچیں گے، نہ ہمارے

قیام کا کوئی انتظام انھوں نے اپنے ذمہ لیا تھا، مولوی اسماعیل سلمۂ شرمندہ ہو رہے تھے کہ میں نے کیوں مولوی اقبال رنگونی کی دعوت پر یہاں پروگرام بنایا، مگر جب مولوی اقبال صاحب سے آمنا سامنا ہوا تو ساری کلفت دور ہو گئی، پھر انھوں نے ہمیں ایسا اپنے ہاتھ میں لیا کہ گزشتہ کوتاہی کی ساری کسر انھوں نے پوری کر دی۔

آج جمعہ کا دن تھا، مولوی اقبال ہی کے بہنوئی کی مسجد میں میرا پروگرام تھا اس مسجد میں آدھ گھنٹہ اصلاحی بیان ہوا، پھر انھیں کے گھر کھانا کھایا گیا، اس کے بعد عصر تک ہم نے آرام کیا۔

عصر بعد مولانا اقبال رنگونی کی مسجد میں میری تقریر ہوئی مسجد کے لحاظ سے مجمع اچھا تھا، لوگوں نے بڑی توجہ سے باتوں کو سنا ان کے چہرہ سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا، بہت سے لوگوں نے کہا کہ آج پہلی مرتبہ ہمارے کانوں میں سلفیت کے بارے میں یہ معلومات پہونچی ہیں۔ تقریر کے بعد دیر تک مصافحہ کا سلسلہ جاری رہا، مغرب کی نماز کے بعد کھانے کا انتظام یہیں تھا جس میں مولانا رنگونی نے بہت سے لوگوں کو مدعو کیا تھا۔

لندن میں ایک صاحب علامہ خالد محمود پاکستان کے رہتے ہیں[1]، یہ اپنی تصنیفات اور فرق باطلہ سے مناظرہ کی وجہ سے عالمی شہرت کے مالک ہیں، زبردست مقرر اور بڑے مشہور مناظر اور صاحب قلم ہیں، جماعت حقہ کی ترجمانی ان کی زندگی کا مشن ہے، اور فرق باطلہ سے مناظرہ وجہاد ان کے عمل کا میدان، عمر ۶۵ کے لگ بھگ ہے، گورے چٹے لحیم وشحیم یہ میری کتابوں کے ذریعہ مجھے جانتے تھے، میں بھی ان کی کتابوں ہی کے ذریعہ ان کو

---

(۱) پاکستان میں اسلامی عدالت کے سابق چیف جسٹس مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم کو پاکستانی صدر کی خواہش کے مطابق کام نہ کرنے کی پاداش میں جب صدر مشرف نے ان کو اس عہدہ سے معزول کیا تو اس کی نگاہ علامہ خالد پر پڑی اور اب اس صدر نے علامہ خالد کو انکی جگہ پر رکھا ہے، یعنی یہ پاکستانی اسلامی عدالت کے چیف جسٹس ہیں۔

جانتا تھا، ان کو معلوم ہوا کہ میرا لندن میں قیام ہے، اور مختلف جگہوں پر میرے پروگرام ہو رہے ہیں، تو غالباً انھوں نے مولانا رنگونی سے رابطہ قائم کیا تاکہ مجھ سے ملاقات ہو سکے، مولانا رنگونی نے ان کو بھی کھانے پر مدعو کیا تھا۔ یہ کھانے میں شریک تو نہ ہو سکے، کھانے کے بعد تشریف لائے، ان سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں، مجھے خود سمجھ کر اپنے مشوروں سے نوازتے رہے اور گُر اور تجربہ کی باتیں اس طرح بتلاتے رہے کہ انکی یہ باتیں گویا میرے کانوں میں پہلی دفعہ پہونچ رہی ہیں، دیر تک ان سے گفتگو رہی، پھر سلام مصافحہ کے بعد یہ رخصت ہوئے اور میں نے بھی آرام کی سانس لی۔

یہیں ایک مصری عرب سے ملاقات ہوئی جو مانچسٹر کے کسی کالج میں استاذ ہیں مولانا رنگونی نے انکو بھی کھانے پر مدعو کیا تھا، مصری علماء عام طور پر بلا ریش ہوتے ہیں، اور ان کا لباس بھی اوپری حصہ کو چھوڑ کر انگریزی ہوتا ہے، مگر یہ صاحب ڈاڑھی عمامہ اور عربی لباس میں تھے، بات چیت میں بڑے متواضع، خلیق و ملنسار اور دین سے تعلق رکھنے والے اور دین کی فکر والے نظر آئے، مجھ سے دیر تک بڑی محبت سے بات کرتے رہے، جب میں وہاں سے اپنی قیامگاہ پر واپس ہوا تو میرے ساتھ ہی میری قیامگاہ پر بھی آئے اور قیمتی عطر کا ہدیہ پیش کیا۔

ان کا موجودہ حلیہ اور سیرت وصورت یہ سب تبلیغی جماعت کی برکت تھی، معلوم ہوا کہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور جماعت کے کام میں لگے رہتے ہیں۔

کھانے کے بعد کی مجلس دیر تک رہی اور جب کافی دیر ہو گئی تو ہم لوگ اپنی قیامگاہ پر واپس ہو گئے اور عشاء کی نماز ادا کر کے سونے کیلئے اپنے اپنے بستر پر پڑ گئے۔

---

محمد ابوبکر غازی پوری

## حضرت قاری طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی یاد میں

# تھا زمیں پر جو مثالِ آسماں جاتا رہا

آبروئے دین وملت کا نشاں جاتا رہا — کاروانِ علم کا وہ پاسباں جاتا رہا

جس کے دم سے زندگی تھی قوم کی تابندہ تر — وہ چراغ روشن کوکب نشاں جاتا رہا

کاروانِ علم کا جو قافلہ سالار تھا — چھوڑ کر ہم کو وہ میر کارواں جاتا رہا

وہ کہ جس کو دیکھ کر ہوتے تھے دل سب کے نہال — وہ سکونِ قلب، وہ آرامِ جاں جاتا رہا

نطق جس کا قلبِ مردہ کے لئے آبِ حیات — وہ خطیبِ قوم وملت خوش زباں جاتا رہا

جس کی ہر ہر بات تھی اک علم و دانش کی کتاب — ہائے وہ شیریں سخن وہ خوش بیاں جاتا رہا

یادگار قاسم ومحمود جس کی ذات تھی — تھا سلف کا آخری جو اک نشاں جاتا رہا

وہ گذار زندگی میں آنے والوں کے لئے — چھوڑ کر اپنا وہ نقش جاوداں جاتا رہا

قوم کو جس نے دکھائی تھی رہِ رشد و نجات — قوم وملت میں جو تھا گوہر فشاں جاتا رہا

شارحِ قرآن وسنت واقفِ اسرارِ دیں — دینِ حق کا ترجمان و پاسباں جاتا رہا

عارفِ سرِ حقیقت تابش نور جمال — تھا زمانہ میں جو مثلِ کہکشاں جاتا رہا

جس کا ڈنکا بج رہا تھا عالم اسلام میں — بت کدے میں دے رہا تھا جو اذاں جاتا رہا

جس کے سینے میں تڑپ تھی ملتِ اسلام کی — اب وہ فخر قوم وملت از میاں جاتا رہا

جس سے ہوتے تھے عیاں سب رازہائے زندگی — زندگی کے راز کا وہ رازداں جاتا رہا

زندگی کی راہ میں اک نیر تاباں جو تھا — جس کا ہر نقش قدم تھا ضو فشاں جاتا رہا

وہ امین علم وحکمت نکتہ سنج و نکتہ رس — یادگار قاسمی کا وہ نشاں جاتا رہا

مظہرِ شانِ جمالِ مصطفےٰ تھی جس کی ذات — وہ جمالِ مصطفےٰ کا اک نشاں جاتا رہا
دل پریشاں، روح مضطرب بات کچھ آتی نہیں — چھوڑ کر ہم کو یہاں وہ خود کہاں جاتا رہا
خوب صورت، خوب سیرت پاک باطن جسکی ذات — تھا زمیں پر جو مثالِ آسماں جاتا رہا
ہائے میں کیسے کہوں کریاں سے وہ کیسے گیا — لیکے اپنے دل میں زخم خوں چکاں جاتا رہا
لم یکن فی عصرنا احد یدانی فضلہ — چھوڑ کر اپنا یہاں نام ونشاں جاتا رہا
خیرہ قد شاع فیما بیننا لاریب فیہ — برکت اہلِ زماں فخر زماں جاتا رہا
لم یزل فی سعیہ فی نشر دین المصطفےٰ — امتحان گاہ عمل سے کامراں جاتا رہا
لا تلم یالائمی قد طاب عندی ذکرہ — اس جہاں سے ساکن باغ جناں جاتا رہا

طیب اللہ ثراہ ، انعم اللہ علیہ
ازمیانِ قوم میر کارواں جاتا رہا

---

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونیوالا دوماہی
دینی و علمی مجلہ
زمزم
جلد ۸
جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۶ھ
شمارہ ۳
مدیر مسئول ومدیر التحریر
محمد ابوبکر غازیپوری
سالانہ چندہ ——— ۷۰/ روپے
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی
پتہ
مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ غازیپور۔ یوپی
پن کوڈ۔ ۲۳۳۰۰۱
فون نمبر ۰۵۴۸۲۲۲۱۸۵۷

# فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی

## اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# عصر حاضر کے تناظر میں قرآن فہمی اور دین کی تفہیم و تشریح

موجودہ دور کی بہت سی بدعتوں میں سے ایک بدعت یہ بھی ہے کہ کچھ ارباب فکر و دانش اپنی ذہنی و فکری مرعوبیت کی وجہ سے یا اپنی روشن خیالی کا مظاہرہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو جدیدیت میں ڈھالنے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں، اور ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کتاب و سنت اور اللہ کے دین کو بھی اسی جدیدیت کے قالب میں ڈھال دیں، اس کے لئے یہ ارباب دانش جدید قسم کے جملے اور جدید قسم کی تعبیریں استعمال کرتے ہیں، سیمینار منعقد کئے جاتے ہیں، اجتماعات ہوتے ہیں، آزاد فکروں کا اجتماع ہوتا ہے، دین کے بارے میں طرح طرح کی باتیں ہوتی ہیں، دشمنان اسلام کے اعتراضوں سے کیسے بچا جائے، اس پر غور و فکر ہوتا ہے، اور زیادہ تر سپر اندازی کا اظہار ہوتا ہے اور نشستند و برخاستند کے سوا ان اجتماعات کا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اس قسم کے اجتماعات و سیمناروں میں دلچسپی لینے والوں کے چند طبقات ہیں، ایک طبقہ تو وہ ہے جو موجودہ زمانہ میں اسلام کو لغو اور از کار رفتہ چیز سمجھتا ہے، اسکی کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی دین ہی کو خیر باد کہہ دے اور زمانہ کے کاندھے سے کاندھا ملا کر اس طرح چلے کہ ہر قید و بند

سے آزاد ہو اور کسی شرعی پابندی کا بوجھ اپنے کاندھے پر نہ رکھے ۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھ میں کھیل رہا ہے، کتاب وسنت کا نام بھی وہ لیتا ہے مگر کام وہ کرتا ہے جو دشمنان اسلام کا عین منشا ہے ، اس کی پوری کوشش یہ ہے کہ افراد امت کا رشتہ وتعلق اسلاف سے کاٹ دے ، اس طبقہ نے بڑی ہوشیاری وچالاکی سے حدیث کا نام لے کر ائمہ حدیث کی کتابوں کے خلاف سازش رچی اور لوگوں کو یہ باور کرایا کہ ان کتابوں میں ضعیف احادیث ہیں اسلئے اسلام کی صحیح خدمت یہ ہے کہ ان کتابوں سے ان ضعیف احادیث کو نکال دو تاکہ مسلمان خالص اسلام کی تعلیمات پر صحیح احادیث کی روشنی میں عمل پیرا ہوں ، چنانچہ ائمہ حدیث کی کتابوں کو جن پر آج تک تمام مسلمانوں کا عمل اور ان کے بارے میں حسن ظن رہا ہے اس طبقہ کے افراد نے دو ٹکڑوں میں کر دیا ۔

ایک حصہ کا نام صحیح رکھا اور دوسرے حصہ کا نام ضعیف رکھا ، اس طبقہ نے امت کو قرآن سے بھی بے پرواہ کر دیا بلکہ کتاب اللہ کا استخفاف پیدا کیا اس نے حدیث حدیث کا ایسا نعرہ بلند کیا کہ لوگوں نے سمجھا کہ دین جو کچھ ہے وہ صرف حدیث ہے ، نہ قرآن کوئی چیز ہے اور نہ فقہ کا شریعت میں کوئی مقام اور کوئی حصہ ہے ۔

ان سیمناروں والا تیسرا طبقہ وہ ہے جو دین کو عصر حاضر کے تناظر میں سمجھ چکا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ دین کو جس طرح اس نے سمجھا ہے تمام مسلمان اسی راہ پر آجائیں ، اسلاف کی کتابوں سے اور پرانے ذخیروں سے بہتر اس طبقہ کے اہل قلم نے اپنی تحریروں اور تالیفوں میں دین کی جو تفہیم وتشریح کی ہے امت کے افراد اسی روشنی میں دین کو سمجھیں اور اقامتِ دین کا فریضہ انجام دیں ۔

ان سیمناروں میں دلچسپی لینے والا چوتھا طبقہ وہ ہے جس کا نہ اپنی کوئی فکر ہے اور نہ اپنا کوئی ذہن وہ صرف اپنی نمائش چاہتا ہے اسے اجلاسوں کی کرسیوں کی صدارت سے دلچسپی ہوتی ہے ، جہاں صدارت کی کرسی ملے اس طبقہ کا لوگ اسمیں حاضر ہونے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں ۔

انھیں چار طبقوں کے لوگوں کو زیادہ تر اس طرح کے سیمناروں اور اجلاسوں سے دلچسپی ہوتی ہے جن میں اسلام کو جدیدیت کا لباس پہنانے پر غور وفکر کیا جاتا ہے۔

یہ سیمنار کرنے والے اسلام کے تئیں کتنے مخلص ہوتے ہیں اس کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ ویڈیو فلم تیار کرنے والوں کو اور اخبارات کو رپورٹ بھیجنے والوں کو بھاری رقم دے کر ان اجلاسوں کے لئے پہلے ہی سے تیار کر لیا جاتا ہے تاکہ ان اجلاس میں شریک ہونے والوں کی خوب نمائش بھی ہو اور ملک اور بیرون ملک میں یہ پروپیگنڈہ بھی ہو کہ فلاں لوگ اسلام اور شریعت کیلئے بڑے فکر مند ہیں۔

مارچ کے مہینہ میں یوپی کے ایک علاقہ میں اس طرح کا ایک سیمنار ہوا جس میں مذکورہ چاروں طبقوں کے افراد اور ارباب علم ودانش نے شرکت کی، یہ سیمنار دوروزہ تھا، اخبار کے ذریعہ جو کچھ معلوم ہوا اس کا حاصل یہ ہے کہ ان ارباب علم ودانش نے ان دوروزہ سیمنار میں اس پر بحث کی اور مقالات پیش کئے کہ عصر حاضر کے تناظر میں قرآن کی تعلیمات کو کس انداز سے پیش کیا جائے جس سے اسلام کی اس پاکیزہ ومتبرک کتاب پر دشمنوں کے اعتراض سے بچا جا سکے، اور پھر خلاصہ سیمنار یہ رہا کہ مسلمانوں میں قرآن فہمی پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ مسلمانوں سے کہا جائے کہ وہ قرآن کو ترجمہ کے ساتھ پڑھیں اور نصاب کی کتابوں میں تبدیلی پیدا کر کے تفسیر ابن کثیر کا درس مقرر کیا جائے۔

گویا اتنا اگر ہوگیا تو عصر حاضر کے تناظر میں قرآن اور اسلام پر دشمنوں کے اعتراضات کا جواب دیا جا سکے گا۔ اور امت کے افراد میں قرآن فہمی پیدا کی جا سکتی ہے۔

یعنی ان ارباب دانش کے یہاں تفسیر ابن کثیر جو آٹھویں صدی کی تفسیر ہے اور اس کا مصنف آٹھویں صدی کا آدمی ہے اس کی تفسیر سے پندرہویں صدی کے چیلنج کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور عصر حاضر جو کہ ایٹم اور میزائل اور ٹی وی اور موبائیل اور انٹرنیٹ اور میڈیا کی زبردست طاقت کا دور ہے اس عصر حاضر میں آٹھویں صدی کے مصنف کی کتاب ان تمام چیلنجوں کا جواب دے گی جو مسلمانوں کو در پیش ہیں اور مسلمانوں کو فکر وآگہی کی حقیقی

دولت سے مالا مال کردے گی ۔

جن کی فکر و عقل کا یہ حال ہو وہ عصر حاضر کے چیلنجوں کا مقابلہ کریں گے ، جس طرح احادیث کی امہات الکتب سے امت کے افراد کا رشتہ کاٹنے کی اور ان کتابوں کی قیمت گرانے اور ان کتابوں اور ان کے مؤلفین کو بے وقعت بنانے کی سازش رچی گئی ہے ، اب یہی معاملہ تفسیر کی کتابوں کے ساتھ کرنے کا پروگرام بنا لیا گیا ہے ، اب تفاسیر کے تمام ذخیروں میں سے صرف تفسیر ابن کثیر ہی کو قابل اعتماد تفسیر ہونے کا پروپیگنڈہ کیا جائے گا ، بقیہ تفاسیر سے امت کا رشتہ کمزور کر دیا جائے گا یا کاٹ دیا جائے گا ، قرآن کریم کے ساتھ بیہودہ مذاق کرنے کا اسلام دشمن طاقتوں سے سگنل مل چکا ہے ۔

اس سیمینار میں سفارش یہ کی گئی ہے کہ تفسیر ابن کثیر کو مدارس کے نصاب میں داخل کیا جائے ، یہ سفارش ان کی طرف سے کی جا رہی ہے جو قرآنیات کے بزعم خود ماہر لوگ ہیں اور مدارس عربیہ کے معاملات سے خوب اچھی طرح سے واقف لوگ ہیں ، جب کہ یہ تفسیر کئی ضخیم جلدوں میں ہے ، کیا اتنی ضخیم تفسیر کی کتاب درس نصاب کا جز بننے کے لائق ہے ، اس کتاب کو یہ حضرات کتنے سال میں پڑھائیں گے یا سال دو سال میں صرف اس کی ورق گردانی کرا کر طلبائے مدارس میں قرآن فہمی پیدا کریں گے ، جن کو یہی معلوم نہ ہو کہ مدارس کے نصاب کے لائق کونسی کتاب ہو سکتی ہے ، انھیں قرآنیات کا ماہر سمجھ لیا گیا ہے ، چاہے انھوں نے اپنی پوری زندگی میں قرآن کے بارے میں نہ کوئی مضمون لکھا ہو اور نہ کوئی کتاب پیش کی ہو اور نہ قرآن کے درس و تدریس سے ان کو واسطہ رہا ہو نہ قرآن کے مطالعہ اور اس کے مضامین و مفاہیم میں غور و تدبر کرنے کا انھیں موقع ملا ہو ۔

آج کل عصر حاضر کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کیلئے بڑے بڑے پہلوان اور سورما نظر آتے ہیں جو اپنی جادوئی شخصیت سے اسلام اور قرآن کے معترضین کا منہ بند کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ، یعنی جو کام خدا کا نبی نہیں کر سکا وہ کام اب یہ سورما کریں گے خدا کا صاف ارشاد ہے ولن ترضی عنك اليهود ولا النصاری حتی تتبع

ملتهم یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ سے یہود اور نصاریٰ ہرگز نہیں راضی ہونگے تاآنکہ آپ ان کے مذہب کی اتباع نہ کریں۔

خدا اور قرآن کے اس صاف اور واضح ارشاد کے بعد بھی ان سورماؤں میں یہ حوصلہ ہے کہ دشمنانِ اسلام کا اسلام کے خلاف قرآن کی ایک خاص قسم کی تفسیر کرکے اور ایک خاص انداز میں دین کی تفہیم و تشریح کرکے دشمنانِ اسلام کا جواب دے سکیں گے، یہ حوصلہ اسی کو ہو جس کی طاقت خدا سے بڑی ہو اور خدا کے کلام کو جھوٹا ثابت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو، خدا کہتا ہے۔ ولتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیہود والذین اشرکوا یعنی آپ ضرور ضرور پائیں گے یہودیوں اور مشرکین کو مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والا۔

یعنی یہود اور مشرکین نصاریٰ ان کے ساتھ مسلمانوں کا رشتہ استوار ہونے کی کوئی شکل ہی نہیں ہے الایہ کہ مسلمان اپنے دین و شریعت کو خیر باد کہہ دیں اور ان کا مذہب و عقیدہ قبول کرلیں، آپ لاکھ ان کے اعتراضوں کا جواب دیں دور حاضر کی زبان میں دیں، دور قدیم کی زبان میں دیں بے سود اور بے فائدہ ہے، یہ قرآن کا واضح اعلان ہے تو کیا ہماری کوششوں سے قرآن کا یہ اعلان اور خدا کا فیصلہ اور فرمان غلط ثابت ہوجائے گا ادنیٰ درجہ کا بھی اس کا امکان ہے، اگر نہیں اور یقیناً نہیں، سو فی صد نہیں تو یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ اہل اسلام کی معرکہ آرائی اور ان کی مسلمانوں کے ساتھ مخالفت اور معاندت اس وقت تک رہے گی جب تک کہ دنیا باقی رہے گی۔ تو پھر یہ کوششیں نارو ا بار بار کیوں کی جاتی ہے کہ ہم عصر حاضر کے اس چیلنج کا مقابلہ کریں گے، اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیکر انکو مطمئن کریں گے۔

اسلام کے مخالفین کا اعتراض یہ ہے کہ قرآن میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا اچھے انداز میں تذکرہ نہیں ہے، ان آیات کو نکالدیا جائے، تو اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے، اور اس کا کوئی معقول جواب دے کر کسی ایک مخالف قرآن کو آج کا بڑے

سے بڑا دانشور اور عصر حاضر میں اسلام کے خلاف چیلنجوں کا مقابلہ کرنے والا خاموش کر دے تو ہم جانیں ۔

اصل میں بات یہ ہے کہ اس طرح کی بات کرنے والے خود مرعوبیت کا شکار رہتے ہیں، خود ان کو اسلام کی تعلیمات و ہدایات کے بارے میں تذبذب ہوتا ہے، خود ان کا ایمان قرآن اور خدا کے فرمان پر کمزور ہوتا ہے، ان میں اتنی جرأت تو نہیں ہے کہ وہ اپنی اس کمزوری کا کھلم کھلا اعتراف کریں ، اس کے لئے وہ دوسرا راستہ ڈھونڈھتے ہیں، اور امت کے عوام کو یہ بتلاتے ہیں کہ ہمارا جو موجودہ علمی و فکری سرمایہ ہے وہ ناقابلِ اعتبار ہے، اس لئے ہمیں اس سے چھٹکارا حاصل کرکے دوسرے انداز سے اسلام کی تشریح و تفسیر اور قرآن کا ترجمہ و مطلب بیان کرنے کی ضرورت ہے اور اس کیلئے جدید عصری اسلوب اختیار کرنا چاہئے اور عصر حاضر کے ذہن و مزاج کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے، پرانے ذخیروں سے عصر حاضر کے چیلنجوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ۔

حالانکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کفر و اسلام کی جنگ قیامت تک کیلئے ہے ، یہ جنگ جاری رہے گی ، اور یہود و نصاریٰ کبھی اسلام کے دوست نہیں ہو سکتے، مشرکین کی عداوت بھی ختم ہونے والی نہیں ہے، تو پھر ان دشمنوں سے مرعوب ہونے کی کیا ضرورت ہے اور ان کو خوش کرنے کی خواہش ہمارے دلوں میں کیوں کروٹ لیتی ہے ، اور پرانے علمی ذخیروں سے ہماری بدگمانی کیوں بڑھتی جارہی ہے، اور کیوں ہمیں عصر حاضر کے تناظر میں گفتگو کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ۔

یہود و نصاریٰ کی دشمنی اور خدائی فرمان کی صداقت کا اندازہ افغانستان پر امریکہ و برطانیہ کی بمباری سے لگایا جا سکتا ہے، عراق نے امریکہ و برطانیہ کی ہر بات مانی ہر شرط قبول کی مگر ان طاقتوں نے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی ، اور پوری دنیائے کفر و شرک اس ظلم و ستم میں ان بڑی طاقتوں کی ہم نوائی کرتی رہی ، یہود و نصاریٰ اسلام اور مسلمانوں سے اپنی گزشتہ ہزیمتوں کا بدلہ لینے کے درپے ہیں، اور ہم ان کو خوش کرنے کے درپے ہیں

اسرائیل میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سراسر ظلم ہے، دنیائے کفر اس ظلم کو دیکھ رہی ہے مگر کسی کو فلسطین کے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے، کافروں کو اگر ہمدردی ہے تو ظالم اسرائیل سے ہے، اسلئے کہ الکفر ملۃ واحدۃ، سارے کافر ایک ہی ہیں، ہم اپنے دین و مذہب پر باقی رہ کر یہود و نصاریٰ کو خوش نہیں کر سکتے، یہ ایک کھلی حقیقت ہے معلوم نہیں اس واضح حقیقت کو ہمارے یہ دانشور سمجھتے کیوں نہیں۔

عصر حاضر اور دور جدید کے تناظر میں گفتگو کرنے والے یہ سیمیناری مفکرین اسلام کے ہمدرد ہیں یا کچھ اور یہ مسلمانوں کے بہی خواہ ہیں یا اسلام اور مسلمان دشمن طاقتوں کے ہاتھ کا کھلونا۔ بقول عربی شاعر

" ورب فدی الجفن غیر کئیب "

والا تو معاملہ نہیں ہے۔

واللہ یعلم بما فی الصدور

---

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

# نبوی ہدایات

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر چھ حق ہے (۱) یسلم علیہ اذا لقیہ، یعنی جب اس سے ملاقات کرے تو سلام کرے (۲) ویجیبہ اذا دعاہ یعنی جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے (۳) ویشمتہ اذا عطس جب اسے چھینک آئے تو اس کے الحمد للہ کہنے پر یرحمک اللہ کہہ کر اس کے لئے دعا کرے (۴) ویعودہ اذا مرض جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کرے (۵) ویتبع جنازتہ اذا مات، جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جائے (۶) ویحب لہ ما یحب لنفسہ یعنی جو بات اپنے لئے پسند کرے وہ اس کیلئے بھی پسند کرے۔ (ترمذی)

مسلمان کا مسلمان کے ساتھ جو دینی رشتہ و تعلق ہے، وہ فی الحقیقت نسبی رشتوں سے اور دیگر دنیاوی رشتوں سے کہیں بڑھ کر ہے، ایمان کا رشتہ روحانی اور خدائی رشتہ ہے، اس رشتہ کا خیال زیادہ رکھنے کی ہی ہدایت دی گئی ہے، اور اس رشتہ کی حفاظت و بقا اور اس میں پائیداری پیدا کرنے کیلئے ہی ان چھ باتوں کی ہدایت کی گئی ہے، اور آخر والی بات ان میں بڑی اہم ہے، ایک حدیث میں اللہ کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس آدمی کا ایمان ہی نہیں ہے جو وہی بات جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے اپنے بھائی کیلئے نہ پسند کرے۔

اگر یہ بات مسلمانوں میں پیدا ہوجائے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان چھ ہدایتوں پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق حاصل ہوجائے تو مسلمانوں کے مابین محبت بھائی چارگی، اتحاد واخلاص کی ہمیشہ فضا پیدا رہے گی، جھگڑے فساد ختم ہوجائیں گے، مسلمان معنوی اعتبار سے ایک مضبوط قوم ہوگی، مقدمات سے بچیں گے، عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے اور مقدمات پر ہزاروں اور لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے بوجھ سے آدمی بچا رہے گا۔

قربان جائیے ہمارے آقا صلے اللہ علیہ وسلم پر اس ذات گرامی نے مسلمانوں کے مابین اتحاد واتفاق پیدا ہونے اور اسلامی معاشرہ کو صالح بنانے کا کتنا آسان نسخہ بتلا دیا ہے، آج ہر شخص مسلمانوں کے مابین عدم اتحاد اور اختلافات کی کثرت سے پریشان ہے، اور اس کے لئے مختلف قسم کی سعی وعمل میں لگا رہتا ہے، اجتماعات ہوتے ہیں، سیمنار کئے جاتے ہیں، مگر جو اصل نسخہ ہے اس کی طرف ہماری نگاہ نہیں جاتی ہے، اور اگر جاتی بھی ہے تو ہم اس کو حقیر سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ اتحاد واتفاق اس کا نام ہے کہ ہر شخص کی سوچ ایک ہوجائے یہ فطرت کے خلاف بات ہے، اللہ نے جب فطری طور پر ہر شخص کی سوچ کو الگ بنایا ہے تو اس کے متحد کرنے کی جدوجہد کرنا ایک سعی لاحاصل ہے اور فطرت کے خلاف اقدام ہے جو کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، ہر شخص اپنی سوچ پر رہ کر کے محبت ویگانگت کی فضا میں زندگی گذار سکتا ہے بشرطیکہ وہ خود اس کے لئے کوئی نسخہ نہ تجویز کرے، خدا کے نبی نے اس کے لئے جو نسخہ تجویز کیا ہے اس کو بروئے کار لائے اور اس پر عمل کرے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھینک کا آنا اللہ کی طرف سے ہے، اور جمائی کا آنا شیطان کی طرف سے ہے، جب کسی کو

جمائی آئے تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے اس لئے کہ جب وہ آ آ کرتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔

(ترمذی)

چھینک آنے کو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی میں نشاط ہوتا ہے چستی ہوتی ہے، بدن پھرتیلا ہوتا ہے تو چھینک آتی ہے اس وجہ سے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جب یہ اللہ کی طرف سے ہے اور ایک طرح کی نعمت ہے تو اس پر الحمدللہ کہنے کا حکم ہے، اور جمائی کو بتلایا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے، اسلئے کہ جمائی کا آنا یہ سستی کاہلی اور پیٹ میں زیادہ کھانا ہونے اور معدہ پُر ہونے کی علامت ہے۔ اس لئے آپ نے جمائی کو شیطان کی طرف منسوب کیا ہے، اور اس وقت لاحول پڑھنے کا ہمیں حکم ہے تاکہ شیطان بھاگے، آپ نے فرمایا کہ جمائی کے وقت جب انسان آ آ کرتا ہے تو اس سے شیطان مزا لیتا ہے، اس کو ہنسی آتی ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ جمائی کے وقت آدمی اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے، تاکہ اس کے منہ سے یہ کریہہ آواز نہ نکلے اور اس سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔

آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ ہر خیر کے کام اور اچھی بات کو اللہ کی طرف منسوب فرماتے تھے اور ہر گندی حرکت کو اور خراب فعل کو شیطان کی طرف منسوب فرماتے تھے، چونکہ نشاط اور چستی اچھی بات ہے اس وجہ سے آپنے چھینک کو اللہ کی طرف منسوب کیا، اور سستی و کاہلی بری اور ناپسندیدہ چیز ہے اور جمائی اس سے پیدا ہوتی ہے اس وجہ سے آپنے جمائی کی نسبت شیطان کی طرف کی۔

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ پر بیٹھے۔ (ترمذی)

اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدایات و تعلیمات میں اس کا بہت زیادہ خیال رکھا ہے کہ کوئی شخص کسی کی عزت نفس کو مجروح نہ کرے، اسی سلسلہ کی یہ بھی ہدایت جو اوپر کی حدیث میں آپ نے پڑھی، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ کسی مجلس میں

کوئی شخص پہلے سے موجود ہے اور وہ اپنی جگہ پر بیٹھا ہے تو وہ اس کو اٹھا کر اس کی جگہ پر بیٹھے اس سے اس شخص کو اپنی بے عزتی کا احساس ہوگا اور اس کی عزت نفس مجروح ہوگی، یہ حرکت وہ کرتاہے جو خود کو اپنے کو دوسروں سے اونچا اور بڑا سمجھتا ہے جس میں کبر کا مرض ہوتا ہے اور دوسروں کو حقیر وکمزور سمجھتاہے۔

اندازہ لگائیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک کتنی باریک تھی اور آپ کیسے روحانی معالج تھے، اور ایک مسلمان کی قیمت آپ کی نگاہ میں کتنی تھی اور آپ کو مسلمانوں کا اور ان کی عزت کا کتنا احترام اور کتنا خیال تھا۔

---

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی

# امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی الملقب بامام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان

مولانا حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی مشہور اہلحدیث غیر مقلد عالم تھے، بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، انھیں کتابوں میں سے انکی ایک کتاب علمائے اسلام نام کی ہے جس میں ۲۲ فقہا۔ اور محدثین کا ذکر ہے، ان میں پہلا نام حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ ہی کے تذکرہ سے انھوں نے علمائے اسلام کے حالات بیان کرنے کا آغاز کیا ہے۔ انکی کتاب سے ان کا یہ مضمون نقل کرنے کا ایک مقصد یہی ہے کہ آج کے پرجوش غیر مقلدین اہل قلم جن کی اہلحدیثیت کی ابتدا اور انتہا یہ ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں بدزبانی کریں وہ اپنی روش پر اپنے اسلاف کی روش کی روشنی میں غور کریں۔ (ادارہ)

آپ ۸۰ھ میں عبدالملک بن مروان بن الحکم کے عہد میں کوفہ میں پیدا ہوئے، آپ کا دادا زوطی خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں مشرف باسلام ہوا اور پھر کوفہ کو وطن اختیار کیا۔ پس آپ کا باپ ثابت اسلام میں پیدا ہوا اور اسلام آپ کا جدی مذہب ٹھہرا۔ آپ کے ایام ولادت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کئی اصحاب زندہ تھے، مثلاً حضرت انسؓ بن مالک بصرہ میں اور عبداللہ بن ابی اوفیٰ کوفہ میں اور سہلؓ بن سعد ساعدی مدینہ طیبہ میں

اور ابوالطفیل عامرؓ بن واثلہ مکہ معظمہ میں رہتے تھے۔ لیکن آپ نے ان سے کوئی روایت نہیں کی،[1] کیونکہ ابتدائے عمر میں آپ اپنے آبائی پیشہ ریشم کی تجارت میں لگے رہے اور جب آپکی توجہ تحصیل علم کی طرف پھیری گئی تو اس وقت کوئی صحابی زندہ موجود نہ تھا۔ اس بنا پر بعض علماء آپ کو تابعی شمار کرتے ہیں اور بعض تبع تابعی۔ کیونکہ آپ نے صحابہ سے کچھ بھی نہیں سیکھا۔

آپ کی طبیعت بہت صاف اور ذہن بہت رسا تھا۔ علم فقہ حماد بن ابی سلیمانؒ سے حاصل کیا اور حدیثِ نبوی عطاؒ بن ابی رباح اور ابواسحٰق سبیعیؒ اور محاربؒ بن دثار اور ہیثمؒ بن حبیب صراف اور محمدؒ بن منکدر اور نافعؒ مولائے ابن عمرؓ اور ہشامؒ بن عروہؓ اور سماکؒ بن حربؒ سے سماعت کی۔ آپ سے بہت لوگوں نے فیض علم حاصل کیا اور آپ کے شاگرد امامت کے بلند رتبوں تک پہنچے۔ چنانچہ ان میں امام ابویوسفؒ قاضی القضاۃ اور امام محمدؒ اور امام عبداللہؒ بن مبارکؒ اور زفرؒ وغیرہم جلیل الشان امام آپ کے علمی کمالات کے نمونے ہیں۔

آپ کا قد درازی نما درمیانہ تھا اور ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ۔ آپ بہت خوبصورت، نیک سیرت، خوش مزاج، شیریں زبان تھے اور آپ کی آواز بلند تھی اور تقریر کے وقت آپ پر مضامین کا دروازہ ایسا کھل جاتا جیسے کوئی ہوا دی رواں ہے، آپ بہت فراخ حوصلہ تھے اور خویش و اقربا اور مساکین و فقراء سے بہت احسان و سلوک کرتے تھے۔

آپ بہت عابد و زاہد، متقی اور متورع تھے اور خوفِ الٰہی آپ کے دل میں نہایت درجہ کا تھا۔ آپ کثرت سے جناب باری میں تضرع و زاری کرتے اور بہت کم بولتے تھے۔ جعفر بن ربیع کہتے ہیں کہ میں آپ کی صحبت میں پانچ سال تک رہا کسی شخص کو آپ سے زیادہ خاموش نہ پایا۔ آپ کے اخلاق بہت وسیع اور عادات بہت پسندیدہ اور طبیعت نہایت سلیم تھی۔ چنانچہ عبداللہؒ بن مبارکؒ (جو آپ کے لائق شاگردوں میں سے تھے) کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ غیبت و پس گوئی سے کس قدر دور ہیں کہ میں نے آپ کو کبھی کسی دشمن کی بھی غیبت کرتے نہیں سنا۔ حضرت سفیانؒ نے جواب دیا کہ ابوحنیفہ بہت دانا شخص ہے اپنی نیکیوں پر کسی کو مسلط کر کے ان کو اکارت نہیں گنواتا۔ آپ کا دماغ فقہی مسائل

---

(۱) یہ حافظ صاحب کی تحقیق ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب نے صحابہ کرام سے روایت بھی کی ہے اور ان کو دیکھا بھی ہے۔

کے استخراج اور اصول کے مقرر کرنے کے نہایت مناسب تھا، اور آپ کی قوتِ استدلال نہایت زبردست تھی، چنانچہ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس کسی کو علم فقہ میں تبحر منظور ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کا خوشہ چین اور محتاج ہے۔ اسی طرح آپ کا تقویٰ و طہارت بھی علماء میں مسلم ہے۔ چنانچہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کو بُرائی سے یاد نہ کرو اور جو کوئی ان کے حق میں بدگوئی کا کوئی حرف کہے اس کی تصدیق نہ کرو۔ کیونکہ بخدا میں نے ان سے بڑھ کر افضل اور پرہیزگار اور فقیہ نہیں دیکھا۔(۱)

اسی طرح آپ کی تعریف اور آپ کے کمالاتِ امامت کے تسلیم میں ہر زمانے کے کامل اور فاضل لوگ متفق اللسان ہیں اور آپ کے تقویٰ، دیانت اور انکساری پر کبھی بھی کسی نے حرف نہیں رکھا۔

خلیفہ ابوجعفر منصور آپ کو کوفہ سے بغداد لے گیا تاکہ آپ کو اس جگہ قاضی بنا دے۔ آپ نے قاضی بننے سے انکار کیا، اور خلیفہ کی سفارش کو قبول نہ کرنے پر قسم کھالی، خلیفہ منصور نے بھی منوا لینے پر قسم کھالی۔ آپ انکار پر قائم رہے اور کہا کہ میں قضا کے لائق نہیں ہوں۔ ربیع بن یونس حاجب نے پاس سے اشارہ کیا کہ آپ دیکھتے نہیں کہ امیرالمومنین نے قسم کھالی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ امیرالمومنین اپنی قسم توڑ کر کفارہ دینے کا مجھ سے زیادہ مقدور رکھتا ہے۔

خلیفہ نے اس پر (جھنجلا کر) آپ کو قید کر دیا۔ مگر آپ پھر بھی اپنے پیشوا اور مقتدا حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ یعنی۔ اے میرے پروردگار جس کام کی طرف مجھے بلایا جاتا ہے مجھے اس سے قید بہتر ہے، کا نمونہ بنے رہے اور بے چھری ذبح ہونا گوارا نہ کیا، ربیع مذکور کہتا ہے کہ میں نے خلیفہ منصور کو امام ابوحنیفہؒ سے قضا کے بارے میں جھگڑا کرتے دیکھا ہے۔ امام صاحب فرماتے تھے کہ اللہ سے ڈر۔ یہ امانتِ قضا کسی ایسے شخص کے حوالے کر جو خوفِ خدا رکھتا ہو اللہ کی قسم میں تو مامون الرضا یعنی ایسا نہیں ہوں کہ رضا و خوشی کی حالت میں بھی نفس کی شرارت سے بچ سکوں۔ مامون الغضب یعنی ایسا کہ غضب و غصہ کی حالت میں نفس کی بدی سے بچ سکوں کس طرح

---

(۱) یہ مقولہ کسی اور کا ہوگا ابن عبدالبر اس کے ناقل ہیں، ابن عبدالبر امام ابوحنیفہ کے بہت بعد پیدا ہوئے ہیں۔ وہ امام ابوحنیفہ کو کیسے دیکھیں گے۔

ہو سکتا ہوں اور اگر تو مجھ کو دریائے فرات میں غرق کر دینے کے ڈرے والی حکومت بننے پر مجبور کرے تو میں ضرور ضرور دریا میں غرق ہونے کو اختیار کروں گا۔ (مگر بے چھری ذبح ہونا پسند نہ کروں گا) اور تیرے حاشیہ میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اس عزت کے محتاج ہیں۔ (بس انھیں کو سرافرازی بخش) لیکن میں تو اس کے لائق ہی نہیں ہوں۔

خلیفہ نے (جوش میں آکر) کہا کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں آپ ضرور اس کے لائق ہیں۔ آپ نے نہایت متانت سے جواب دیا فَقَدْ حَکَمْتَ لِیْ عَلٰی نَفْسِكَ۔ یعنی بس آپ نے خود میرے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اب آپ کو جائز نہیں ہے کہ کسی کذاب کو والیٔ قضاء بنا دیں۔

اسی طرح بنی اُمیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد کے عہد میں یزید بن عمر بن ہبیرہ فزاری حاکم عراقین نے آپ کو کوفہ کی قضا کے لئے کہا، مگر آپ نے انکار ہی کیا۔ یزید نے اس پاک امام کو ہر روز دس کوڑے کے حساب سے ایک سو دس کوڑے لگوائے مگر آپ اپنی بات پر قائم رہے اور بغیر چھری کے گلا نہ کٹوایا۔

بزرگانِ دین کو ایسے ایسے ابتلا پیش آتے رہتے ہیں یہ تکالیف صرف ظاہر میں بُری معلوم ہوتی ہیں۔ حقیقت میں یہ آزمائشیں ان پاک لوگوں کے لئے آخرت میں موجبِ فرحت بنتی ہیں، صبر و استقلال کی منازل طے کر کے مدارج عالیہ پر پہنچتے ہیں۔ چنانچہ امام احمد علیہ الرحمہ کو جن کا ذکر خیر انشاء اللہ آگے آئے گا۔ جب قرآن شریف کے غیر مخلوق کہنے پر خلیفۂ وقت نے سخت سزا دی تو اس وقت آپ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو یاد کر کے رو دیا کرتے تھے، اور ان کے حق میں دعائے رحمت کیا کرتے تھے۔

امام صاحب کو مخالفین کے رد اور ان کے ملزم کرنے میں بھی بہت ملکہ تھا۔ چنانچہ ناپاک فرقۂ دہریہ کے مقابلے میں آپ کے عجیب عجیب مناظرات منقول ہیں، چنانچہ ایک دفعہ امام صاحب کشتی میں سوار ہوئے تو کچھ دہریے بھی سوار تھے۔ معقول جواب سے گھر پورا کر دینے کی وجہ سے دہریوں کی آنکھ میں آپ چبھا کرتے تھے۔ دشمنوں نے منصوبہ باندھا کہ آپ کو اس تنہائی میں

قتل کر ڈالیں۔ آپ فراستِ خداداد سے ان کی بداندیشی کو تاڑ گئے اور کہنے لگے کہ دین اسلام جس کی میں حمایت کرتا ہوں اگر دین حق ہے جیسا کہ فی الواقع ہے تو وہ میرے مارے جانے سے مٹ نہیں جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کیلئے میرے جیسا کوئی اور پیدا کر دے گا اور اگر وہ دین جیسا کہ تم خیال کرتے ہو سچا نہیں ہے اور صرف میرے سبب قائم ہے تو میں اس کی حمایت کب تک کروں گا۔ آخر مجھے ایک روز مرنا ہے۔ بہرصورت تمہیں میرے مارنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ یعنی۔ جو دلیل کی رو سے ہلاک یعنی مغلوب ہو جائے وہ مر جائے اور جو دلیل کی رو سے زندہ یعنی غالب آئے وہ زندہ رہے، کے مطابق مجھ سے عالمانہ طور پر حجت و دلیل سے جھگڑو اور جاہلوں کی سی لڑائی و جنگ چھوڑ دو۔ وہ دشمن آپ کی اس تقریر سے دنگ رہ گئے اور ان کے قتل کرنے کی جوش کی آگ پر شرمنا کی کا پانی پڑ گیا۔ آپ سے پوچھنے لگے کہ بھلا بتلائیے تو سہی کہ آپ کے پاس (واجب الوجود موجود حقیقی) خدائے تعالیٰ کی ہستی کی کیا دلیل ہے۔ آپ نے کلام ربانی قرآن شریف میں نظر فکر کی۔ تو وہی کشتی جس میں سوار تھے واجب الوجود کی ہستی کے لئے زبان حال سے پکارتی نظر آئی۔ پس آپ نے دہریوں سے پوچھا کہ یہ کشتی جس پر ہم سوار ہیں ملاحوں کی تدبیر کے بغیر یقیناً اس پتن یا بندر پر جہاں ہمیں اترنا ہے ضرور ضرور خود بخود جا لگے گی۔ وہ بیچارے مغلوب تو پہلے ہی مرحلے میں ہو چکے تھے اس کا جواب سوائے نہیں کے اور کیا دے سکتے تھے۔ سب کہنے لگے کہ بیشک ملاح کی تدبیر کے بغیر منزل پر پہنچنا یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے فرمایا افسوس ہے ایک چھوٹی سی کشتی کے انتظام و تدبیر کیلئے کسی ناظم و مدبر کی ضرورت ہو اور اتنے بڑے عالم کا جس کے انتظام میں ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کوئی بھی فرق نہیں آیا اور چاند ستارے سورج غرض ہر شئی کے لئے ایک حساب مقرر ہے کوئی مدبر نہ ہو۔ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰى عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۔ اس جواب پر منکرین کے دانت بیٹھ گئے اور کچھ جواب نہ بن آیا۔ سبحان اللہ! کیسی معقولیت سے مخالفین کو ملزم و ساکت کر دیا اور

اور اپنی جان بھی بچ گئی ۔

اسی طرح حاضر جوابی اور وقت پر برمحل کہنے میں بھی آپ کو خوب مہارت تھی، چنانچہ ایک دفعہ خلیفہ منصور نے آپ کو بلایا، ربیع مذکور آپ سے کچھ کینہ رکھتا تھا۔ آپ کے سامنے خلیفہ کو مخاطب کرکے کہنے لگا کہ یا ابوحنیفہؒ آپ کے دادا ابن عباسؓ کی مخالفت کرتے ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ جب کوئی قسم و پیمان کرے تو ایک دو دن بعد بھی اس میں استثنا جائز ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ استثنا صرف عہد و قسم کے متصل ہی جائز ہے، بعد میں نہیں۔

امام صاحب اس بات کو خوب تاڑ گئے فوراً کہنے لگے کہ ہاں جناب ربیع یہ گمان کرتا ہے کہ آپ کے لشکر کی گردن آپ کی بیعت و اطاعت کے جوئے میں نہیں ہے ۔

خلیفہ نے پوچھا کس طرح ؟ آپ نے فرمایا، لشکری آپ کے سامنے اطاعت کی قسمیں کھالیویں اور گھر پہنچ کر استثنا کر دیں ۔ پس ان کی قسمیں جو آپ کے حضور میں کی تھیں باطل ہوجائیں گی ۔ اور ان پر اطاعت واجب نہ رہے گی ۔

خلیفہ منصور اس پر ہنس پڑا اور ربیع کو کہنے لگا کہ ابوحنیفہ کا پیچھا چھوڑ دے (اس کو نہ چھیڑ) کیونکہ یہ حجت میں مغلوب نہیں ہو سکتا ۔

اس کے بعد جب باہر نکلے تو آپ سے ربیع کہنے لگا کہ آپ نے تو میرا خون کروانا چاہا تھا۔ آپ نے فرمایا، نہیں ۔ بلکہ تم نے میرا خون کروانا چاہا تھا اور (میں نے بتوفیق ایزدی) اپنی بھی جان بچائی اور تجھے بھی خلاصی دلوائی ۔

اسی طرح ابوالعباس طوسی بھی آپ کی نسبت اچھا خیال نہیں رکھتا تھا اور آپ کو یہ امر معلوم تھا۔ ایک دن آپ خلیفہ منصور کے پاس گئے اور لوگ کثرت سے جمع ہو گئے تو ابوالعباس نے امام صاحب کے قتل کروانے کا منصوبہ گانٹھا ۔ چنانچہ امام صاحب کی طرف رخ کر کے پوچھنے لگا کہ اے ابوحنیفہؒ ! امیر المومنین ایک شخص کو بلاتا ہے کہ کسی شخص کی گردن مارے اور خلیفہ کو معلوم نہیں کہ وہ ہے کیا ؟ تو کیا اس صورت میں خلیفہ کو اس کے قتل کی گنجائش ہے یا نہیں ؟

امام صاحب جن کا دماغ ایسے مقامات وجوابات سے خاص مناسبت رکھتا تھا اس بات کو تاڑ گئے اور ابوالعباس سے پوچھنے لگے کہ خلیفہ اس امر میں حق کا حکم کرتا ہے یا ناحق! طوسی بے چارا سوائے حق کے اقرار کی کہاں جرأت رکھتا تھا۔ کہنے لگا کہ خلیفہ کا حکم تو حق ہے۔ آپ نے فرمایا، پس حق جس جگہ ہو اس کو جاری کرنا چاہیئے لہٰذا اس کی بابت پوچھ نہیں۔ اس طرح بات آپ سے ٹل گئی اور الٹا بداندیش پر اس کا بوجھ پڑا۔ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ یعنی بری تدبیر کا بُرا اثر بداندیشوں ہی پر پڑا کرتا ہے، آپ نے ایک شخص کو جو آپ کے پاس بیٹھا تھا۔ کہا کہ اس نے تو مجھے بندھوانا چاہا تھا۔ میں نے اسی کو گرفتار کروا دیا۔

خشیتِ الٰہی اور خوفِ خدا بھی آپ کے دل میں پورا پورا تھا۔ اس کی تصدیق علمائے زمانہ کی زبانی گزر چکی۔ لیکن ایک نہایت عجیب واقعہ جو آپ کے دل کی نہایت صفائی کی دلیل ہے ذکر کیا جاتا ہے۔

زید بن کمیت ؒ کہتے ہیں کہ ایک رات نماز عشاء میں علی حسین موذن نے سورہ اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ پڑھی۔ امام ابوحنیفہ بھی مقتدیوں میں تھے۔ پس جب نماز پوری ہو چکی اور لوگ چلے گئے تو میں نے دیکھا کہ امام ابوحنیفہ ؒ ابھی بیٹھے ہوئے ہیں اور متفکرانہ سانس بھر رہے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید اس تفکر کی حالت میں آپ کا دل میری طرف مشغول ہو کر اکھڑ نہ جائے اس لئے مناسب ہے کہ میں بھی چلا جاؤں۔ پس میں بھی روانہ ہوا اور چراغ جس میں تھوڑا تیل تھا اسی طرح جلتا چھوڑ دیا، صبح ہونے پر میں پھر نماز کیلئے مسجد میں آیا تو آپ کو دیکھا کہ آپ ابھی کھڑے ہیں اور اپنی ریش مبارک پکڑے ہوئے (سورۂ زلزال کے مضمون کو پیش نظر رکھے) جناب باری میں ان الفاظ سے تضرع کر رہے ہیں۔ يَامَنْ يَجْزِي مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرٍ خَيْرًا وَيَامَنْ يَجْزِي مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرٍّ شَرًّا أَجِرْ النُّعْمَانَ عَبْدَكَ مِنَ النَّارِ وَمِمَّا يُقَرِّبُ مِنْهَا مِنَ السُّوْءِ وَأَدْخِلْهُ فِي سَعَةِ رَحْمَتِكَ یعنی۔ اے اللہ تو جو ہر شخص کو اس کی ذرہ بھر نیکی کے بدلے نیک جزا دے گا اپنے بندے نعمان کو (جس پر تیری کئی نعمتیں ہیں) دوزخ سے پناہ دے اور نیز ان برائیوں سے جو دوزخ کے قریب

کر دیتی ہیں اور اس (نعمان) کو اپنی رحمت کی فراخی میں لے لے۔

یزید بن کمیت کہتے ہیں کہ میں نے صبح کی اذان کہی اور ابھی چراغ ٹمٹما رہا تھا اور آپ کھڑے عجز و زاری کر رہے تھے۔ پس جب میں اندر داخل ہوا تو آپ مجھ سے کہنے لگے کہ کیا چراغ لینا ہے (یعنی بجھانے کے لئے ابھی آپ کے خیال میں عشاء ہی ہے) میں نے کہا کہ میں نے تو صبح کی بھی اذان کہہ دی ہے۔ آپ نے فرمایا جو کچھ تو نے دیکھا ہے اسے چھپائے رکھیو، پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اُسی اول شب کے وضو سے نماز فجر ادا کی۔

اس امام جلیل الشان کے مناقب تعداد سے باہر ہیں اور شمار سے خارج۔ چنانچہ آپ کے مناقب میں بہت سی کتابیں مستقل طور پر ہر زمانہ میں لکھی جاتی رہی ہیں اگرچہ ان میں آپ کے معتقدین نے بہت کچھ غلو کیا ہے مگر یہ غلو بھی آپ کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ مبالغہ ہمیشہ کسی صاحب وصف کی صفت میں کیا جاتا ہے، گو اس حد تک نہ ہو جو صرف حسن ظن اور عدم تحقیق سے لکھا گیا ہے۔ مثلاً آپ کی نسبت بعض محبین نے یہ غلو کیا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام جب آسمان سے نازل ہوں گے تو وہ اور امام مہدی علیہ السلام بھی آپ ہی کے مذہب پر ہوں گے اور انہی کے مذہب کے موافق فیصلے کریں گے۔ ایسے سب امور سے محققین حنفیہ مثلاً ملا قاری اور مولانا ابو الحسنات لکھنوی نے سخت انکار کیا ہے۔ چنانچہ ان کی تصانیف شہادت دے رہی ہیں اور اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کا تیس سال تک آپ سے آپ کی حیاتی میں اور موت کے بعد آپ کی قبر پر علم حاصل کرتے رہنا اور چالیس سال تک عشاء کے وضو کے نماز فجر کا ادا کرنا اور اپنے مدفن پر ہزار ختم قرآن شریف کا کرنا، یہ سب بے اصل باتیں ہیں، جو غلبۂ محبت کی وجہ سے بے تحقیق لکھی گئی ہیں، مولوی عبد الحیٔ صاحب تعلیق مجد میں فرماتے ہیں کہ امام صاحب کی عظمتِ شان ثابت کرنے کے لئے آپ کے سچے مناقب کیا تھوڑے ہیں کہ اس کے لئے جھوٹی باتیں گھڑی جائیں، غرض آپ کے علم، تقویٰ، دیانت عجز تواضع کے سب زمانے معترف ہیں اور آپ کے برکات سے مستفیض، بے شک ایسا باکمال شخص اپنے پیشوا کا سچا نمونہ ہوتا ہے۔ پس نبوتِ محمدیہ

کی تصدیق کے لیے، امام اعظم علیہ الرحمۃ کا آپ کے امتیوں میں سے ہونا غیر کافی دلیل نہیں۔

ستر برس کی عمر تک اس چراغ علم و ہدایت کا روغن حیات ختم ہوگیا اور آپ ۱۵۰ھ میں بغداد کے قید خانہ میں فوت ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون اللھم ارحمہ الاف مرۃ۔ آپ کے جنازے پر پچاس ہزار مسلمان حاضر تھے۔ خلیفہ منصور نے بھی آپ کی قبر پر جنازہ پڑھا اور اسی طرح بیس روز تک آپ کی قبر منور پر لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے، اور آپ کیلئے دعائے رحمت کرتے رہے۔ آپ کی قبر مبارک مقبرہ خیزران میں مشہور ہے۔ شرف الملک ابوسعید محمد بن منصور خوارزمی مستوفی مملکت ملک شاہ سلجوقی نے ۴۵۹ھ میں آپ کی قبر پر قبہ بنایا اور پاس ہی ایک مدرسہ بھی حنفیوں کی تعلیم کے لیے بنا کیا، ابوجعفر مسعود بیاضی نے آپ کی قبر کی طرف اشارہ کرکے یہ شعر پڑھے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْعِلْمَ کَانَ مُبَدَّدًا فَجَمَّعَہٗ ھٰذَا الْمُغَیَّبُ فِی اللَّحْدِ

کَذٰلِکَ کَانَتْ ھٰذِہِ الْاَرْضُ مَیْتَۃً فَاَنْشَرَھَا فِعْلُ الْعَمِیْدِ اَبِیْ سَعْدِ

(ترجمہ) کیا تو نہیں دیکھتا کہ علم ضائع ہوچلا تھا۔ تو اس شخص نے جو اس قبر میں غائب ہے اسے جمع کیا۔ اسی طرح یہ زمین مردہ تھی تو سردار ابوسعد کے فعل سے پھر بارونق و آباد ہوگئی۔

اسلامی دنیا کے اکثر حصے میں آپ ہی کے مقلد و معتقد ہیں۔ اور ان ممالک میں آپ کا مذہب صدیوں سے رائج ہے، براعظم ایشیا کے اکثر ملکوں میں صرف آپ ہی کے مقلد ہیں اور ان میں اکثر آپ ہی کی فقہ کے مطابق امور شرعیہ فیصلہ پاتے ہیں۔ دیگر مذاہب کے مقلد ان کے مقابلے میں بالکل بہت تھوڑے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

خط اور اس کا جواب

# محدثین نے اپنی کتابوں میں ضعیف احادیث کیوں ذکر کی ہیں

مکرمی حضرت مولانا غازی پوری دامت برکاتہم مدیر زمزم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'      مزاج گرامی :

زمزم کے سال سات پورے ہوئے اور آٹھویں سال میں قدم رکھنے پر مبارکباد قبول فرمائیں، آپ کی تحریریں اور مضامین اہل علم کی دنیا میں بہت دنوں تک یاد رکھے جائیں گے اور علماء و طلبہ اس سے استفادہ کرتے رہیں گے، آپ نے سلفیت اور غیر مقلدیت کے فتنہ کا جس استقامت و پامردی اور بڑا اعتماد و حوصلہ سے مقابلہ کیا ہے، اس پر اسکے سوا اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

بارک اللہ فی حیاتکم۔

ایک بات یہ پوچھنی ہے کہ جب احادیث ضعیفہ کا شرعی مسائل میں اعتبار نہیں ہوتا ہے تو پھر محدثین نے ان مردود و غیر معتبر روایتوں کو اپنی کتاب میں کیوں جگہ دی ہے، غیر مقلدین کے سامنے جب کوئی روایت پیش کی جاتی ہے جو ان کے مسلک کے خلاف ہو تو فوراً اس کو ضعیف کہہ دیتے ہیں اور وہ مردود ہو جاتی ہے۔ براہ کرم اس پر تفصیلی روشنی

ڈال کر ہمیں مطمئن کریں، اطلاعاً عرض ہے کہ بہت سے حضرات کو اس کی وجہ سے محدثین سے سوءظن پیدا ہو رہا ہے کہ اصل قصور محدثین ہی کا ہے۔

والسلام

محمد طالب سکندر آباد، حیدر آباد

محترم! آج کے اس دور کا بڑا فتنہ ضعیف احادیث کا انکار کرنا ہے دور اول میں اس فتنہ کا وجود نہ ہونے کا برابر تھا لیکن آج اس فتنہ کو ہوا دینے والے جگہ جگہ ہیں اور سلفیت نے اس فتنہ کو دو آتشہ بنا دیا ہے خصوصاً شیخ محمد ناصر الدین البانی نے اس فتنہ کو شعلہ جوالہ بنا دیا ہے، اور اس کی فکر سے متاثرین نے اس فتنہ کو عام کر دیا ہے۔

ضعیف احادیث کا مطلقاً انکار کرنا انکار حدیث کا دروازہ کھولنا ہے، اور منکرین حدیث کی حمایت و تائید کرنی ہے، یہ نہج اہل سنت کا کبھی نہیں رہا ہے۔

محدثین کرام رحمہم اللہ کا امت محمدیہ پر یہ احسان ہے کہ انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت کو پہلے اپنے سینوں میں محفوظ کیا پھر ان کو سفینہ میں درج کر کے تمام امت کے لئے شریعت پر عمل کرنے کا راستہ آسان کر دیا۔ اس راہ میں انھوں نے جو جانفشانیاں اٹھائی ہیں ان کا اس زمانہ میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، ایک ایک حدیث کیلئے راتوں اور دنوں کا سفر کیا، خشکی کو طے کیا، بیابان کی خاک چھانی، سمندروں کو پار کیا، مال لٹایا، فاقہ کیا، کیا یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلط سلط باتوں کو جمع کرنے کیلئے یہ محنت و مشقت اٹھاتے تھے، یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دیوانے تھے، اخلاص کا پیکر تھے۔

اللہ کو اپنا دین قیامت تک کیلئے محفوظ کرنا تھا، اس کیلئے اللہ نے مختلف اسباب پیدا فرمائے، محدثین رحمہم اللہ کو بھی اللہ نے اپنے دین کی حفاظت کا ایک بڑا ذریعہ بنایا، اور ان کے ذریعہ سے اپنے پیارے رسول کی پیاری سنتوں کو قیامت تک کیلئے محفوظ رکھا، آنحضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنتیں اور آپ کی یہ حدیثیں اسلام کی تعلیمات کا دوسرا بنیادی ستون ہیں۔

اس ستون کو سنبھالنے والے یہی محدثین کرام تھے ۔

ان محدثین کے بارے میں یہ تصور بھی ہمارے لئے گناہ ہے کہ انھوں نے جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب جھوٹی باتوں کو درج دفتر کیا ہے، اور انھیں سے دن ورات اشتغال رکھتے تھے اور اپنی زندگی کا سرمایہ بنایا تھا۔

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میرے اوپر جھوٹ گڑھا اس کا ٹھکانا جہنم ہے، تو کیا امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور ان جیسے دوسرے محدثین کے بارے میں یہ لب کشائی جائز ہے کہ انھوں نے آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب جو جھوٹی بات تھی اسی کو انھوں نے اپنی کتابوں میں درج کر کے اتنے بڑے گناہ کا کام کیا اور اپنا ٹھکانا معاذاللہ ثم معاذاللہ جہنم میں بنایا۔

آج کے اس دور کا بڑا فتنہ ضعیف احادیث کا انکار کرنا بھی ہے، ضعیف احادیث مردود ہیں، ان پر عمل کرنا جائز نہیں، یہ دور حاضر کے سلفیوں کا پروپیگنڈہ ہے، اسلاف کرام، ائمہ عظام اور قدمائے محدثین کے زمانہ میں اس فتنہ کا وجود نہیں تھا۔

حضرات محدثین نے احادیث کے درجے تو قائم کئے ہیں، مثلاً جو احادیث بخاری و مسلم میں ہوگی وہ سب سے زیادہ صحیح ہوگی[1] پھر جو تنہا بخاری میں ہوگی، پھر جو تنہا مسلم میں ہوگی۔

---

(۱) یہ درجے بعد کے محدثین نے قائم کئے ہیں، زمانہ اول میں صرف حدیث کے دو درجے تھے، صحیح و غیر صحیح جس کے رواۃ حفظ و اتقان، عدالت وغیرہ امور سے متصف ہوتے اسکو صحیح کہا جاتا اور جن میں یہ صفات کم تر درجہ میں ہوتیں ان کی احادیث کو ضعیف اور غیر صحیح کہا جاتا، بخاری و مسلم سے پہلے جو کتابیں وجود میں آچکی تھیں ان کا درجہ بخاری و مسلم سے زیادہ بڑھا ہوا ہے کہ ان کی سندوں میں راویوں کا واسطہ کم ہے، دوسرے ان راویوں میں حدیث کی قبولیت کے شرائط بعد کی کتابوں کے راویوں سے بہت بڑھی ہوئی ہیں، مثلاً امام مالک کی مؤطا کا پایہ اس اعتبار سے بخاری سے بہت بڑھا ہوا ہے کہ اس کی احادیث کی سندیں تین چار واسطوں سے زیادہ کی نہیں ہیں، اور امام مالک کے شیوخ اور ان کے شیوخ کا

بعض احادیث حسن لذاتہ ہیں، بعض حسن لغیرہ ہیں، حسن لذاتہ کا درجہ حسن لغیرہ سے بڑھا ہے، بعض موقوف ہیں، بعض مرسل ہیں، موقوف کا درجہ مرسل سے بڑھا ہوا ہے، اسی طرح بعض شاذ ہیں، بعض منکر ہیں، بعض معلل ہیں، بعض معضل ہیں، بعض سند کے اعتبار سے مشہور ہیں، بعض عمل کے اعتبار سے مشہور ہیں، بعض عملاً متواتر ہیں، بعض سنداً متواتر ہیں، محدثین سنداً مشہور اور متواتر کو مقدم رکھتے ہیں، فقہاء عملاً مشہور و متواتر کو مقدم رکھتے ہیں، بعض احادیث ثلاثی ہیں (جس کی سند میں صرف تین واسطے ہوں) بعض رباعی ہیں (جس کی سند میں چار واسطے ہوں) بعض خماسی ہیں (جس کی سند میں پانچ واسطے ہوں) ثلاثی کا درجہ رباعی سے اور رباعی کا درجہ خماسی سے بڑھا ہوا ہے۔ بعض احادیث ایسی ہیں جس کی سند میں فقہاء کے واسطے ہیں، بعض احادیث صرف محدثین کے واسطوں سے نقل کی گئی ہیں، ایسی شکل میں محدثین محدثین کی سند والی روایتوں کو ترجیح دیتے ہیں، فقہاء فقہاء والی سند کو اختیار کرتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ محدثین کی سندوں والی حدیث تو حدیث ہوگی اور فقہاء کی سندوں والی حدیث حدیث نہ ہوگی، یا ان مذکورہ قسموں میں سے ایک قسم تو حدیث کہلائے گی اور اس کے مقابل والی قسم حدیثِ رسول نہ ہوگی اور اس پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا۔

پھر محدثین کے نزدیک احادیث کے قبول کرنے کا الگ الگ پیمانہ ہے، مثلاً امام بخاری فرماتے ہیں کہ راوی اور اس کے شیخ کی ملاقات کا تحقق ضروری ہے، یعنی امام بخاری کے نزدیک وہی حدیث صحیح ہوگی جس کے سند کے راویوں کی اپنے استاد اور شیخ سے ملاقات بالیقین ثابت ہو، امام مسلم فرماتے ہیں کہ ملاقات کا تحقق ضروری نہیں ہے بلکہ صرف لقاء کا امکان کافی ہے، یعنی اگر دونوں ہم زمانہ ہیں تو اس حدیث کے صحیح ہونے کیلئے یہی کافی ہے، اب جو حدیث

---

مقام و مرتبہ ہر اعتبار سے بخاری کے شیوخ اور ان کے شیوخ کے شیوخ سے بڑھا ہوا ہے۔

نورالدین نورالله الاعظمی

امام مسلم کے یہاں صحیح ہوگی  ضروری نہیں ہے کہ امام بخاری کے یہاں بھی وہ صحیح ہو، اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان لقاء کا تحقق نہیں ہے تو وہ حدیث امام بخاری کے نزدیک ضعیف ہوگی، جب کہ وہی حدیث امام مسلم کے مذہب پر صحیح ہوگی۔

یا مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر کوئی راوی ظاہر العدالۃ والحفظ والاتقان ہے تو اس کی روایت قابل قبول ہوگی، خواہ اس سے روایت کرنے والے ایک ہوں یا دو یا دو سے زائد جب کہ عام محدثین کا مذہب یہ ہے کہ راوی عادل بھی ہو اور اس سے روایت کرنیوالے کم از کم دو آدمی ضرور ہوں، ورنہ وہ راوی مجہول ہوگا اور اس کی روایت ضعیف ہوگی، جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان کے نزدیک اس کی روایت صحیح ہوگی۔ (۱)

غرضیکہ احادیث کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کا معیار بھی الگ الگ ہے، اب دیکھئے کہ کوئی روایت کتنی بھی صحیح سند سے ثابت ہو مگر اہل مدینہ کا عمل اس روایت کیخلاف ہو تو

---

(۱) یہیں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بہت سی وہ روایتیں جن پر محدثین ضعف کا حکم لگاتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ صحیح ہیں، اب لوگ محدثین کے فیصلے کے مطابق امام ابوحنیفہ کے مسائل کو جانچنا شروع کر دیتے ہیں تو ان کو ان مسائل کے دلائل ضعیف نظر آتے ہیں، حالانکہ امام ابوحنیفہ کے اصول اور قاعدہ پر وہ احادیث اور وہ دلائل صحیح اور قوی ہوتے ہیں۔

رہا امام ابوحنیفہ کا یہ اصول کہ اگر کوئی راوی ظاہر العدالۃ ہے تو اس کی روایت قبول کی جائے گی خواہ اس سے روایت کرنے والے ایک ہوں یا کئی تو اس کی بنیاد قرآن پاک کی یہ آیت ہے۔ وان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا یعنی اگر کوئی فاسق کوئی بات کہے تو اس کی تحقیق کرو، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص فسق سے محفوظ ہو تو اس کی بات بلا کسی دوسری شرائط کے قبول کی جائے گی۔

امام مالک کے نزدیک وہ روایت ضعیف ہو گی خواہ وہ بخاری ہی کی روایت کیوں نہ ہو، اور اہل مدینہ کا عمل مقدم ہو گا، مگر اس روایت کا امام مالک کے یہاں ضعیف ہونا ان کے اصول کی بنیاد پر ہے، عام محدثین کے نزدیک وہ روایت صحیح ہی قرار پائے گی۔

بہرحال ہماری گذارش کا حاصل یہ ہے کہ ضعیف احادیث کا انکار کرنا اور ان کو احادیث کی فہرست سے خارج کر دینا اور ان کو مہجور و متروک قرار دینا، یہ اسلاف کے طرز اور ان کے عمل کے خلاف ہے، یہ وقت حاضر کا فتنہ ہے، اور اس فتنہ کو سلفیوں نے خوب ہوا دے رکھی ہے۔ یہ حدیثِ رسول اور شریعتِ اسلامیہ کے ساتھ دوستی نہیں دشمنی ہے۔ دین کے نام پر یہ بے دینی کا کام ہے۔ اور جو لوگ ضعیف احادیث کا مطلق انکار کرتے ہیں انھوں نے ایک بڑی بدعتِ قبیحہ کا دروازہ کھول رکھا ہے، ان کا راستہ سبیل المومنین کا نہیں ہے، ان کا شمار منکرینِ سنت میں کیا جائے گا۔

ہم نے جو یہ عرض کیا ہے کہ ضعیف حدیث کا انکار کرنا یہ وقتِ حاضر کا فتنہ ہے، اسلاف کا یہ طریقہ نہیں تھا، اور متقدمین محدثین و فقہاء ضعیف احادیث کو قبول کیا کرتے تھے، اور ان پر اپنے عمل کی بنیاد رکھتے تھے، چونکہ ہماری یہ بات سلفیوں اور البانیوں کے پُرشور نعروں میں گم ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس وجہ سے ہم اپنی اس بات کو مزید پختہ کرنے کیلئے امام ترمذی کی کتاب ترمذی شریف کی طرف رجوع ہوتے ہیں تاکہ ناظرین ہر طرح کے وسوسوں سے دور رہ کر میری بات کی صداقت کی داد دیں۔

(۱) عدی ابن حاتم کی حدیث ہے۔ قال سألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن صید البازی فقال ما امسك علیك فكل۔ یعنی میں نے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے باز کے شکار کردہ جانور کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ تو آپ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شکار کو اس نے تمہارے لئے باقی رکھا ہے، یعنی اس میں سے خود نہیں کھایا ہے تو اس کو کھاؤ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ہم صرف مجالد بن عبد الرحمٰن عن الشعبی

کی سند سے جانتے ہیں، یعنی شعبی سے اس حدیث کا روایت کرنے والا صرف ایک شخص مجالد ہے اور شعبی کے علاوہ کسی اور سے یہ حدیث مروی نہیں ہے۔

اور مجالد بن عبدالرحمٰن کے بارے میں تقریب میں ہے کہ لیس بالقوی وقد تغیر فی آخر عمرہ یعنی یہ قوی نہیں ہے اور اس کا حافظہ بھی آخر میں خراب ہو گیا تھا۔ اور منذری فرماتے ہیں، فیہ مقال یعنی مجالد کے بارے میں محدثین نے جرحیں کی ہیں، یعنی یہ حدیث محدثین کے قاعدہ کے مطابق ضعیف ہے، باوجود اس کے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ العمل علی ھٰذا عند اھل العلم، یعنی اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

(ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۴۲)

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ حدیث کا ضعف اصول محدثین پر بالکل واضح ہے، مگر اہل علم یعنی صحابہ وتابعین اور تبع تابعین اور تمام ائمہ وفقہ حدیث کا اس حدیث پر عمل ہے، یعنی ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں ان اہل علم کا اجماع ثابت ہوتا ہے، اب کیسے یہ کہا جائے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، اور ضعیف حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی نہیں ہے۔

(۲) ترمذی کی حدیث ہے۔ مایقطع من البھیمۃ وھی حیۃ فھو میتۃ یعنی زندہ جانور سے اس کے بدن کا جو حصہ کاٹ لیا جائے تو اس حصہ کا حکم مردار کا ہے، اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار المدینی ہے، اس کے بارے میں امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔ فی حدیثہ ضعف یعنی اس کی حدیث میں ضعف ہے ابوحاتم فرماتے ہیں۔ لایحتج بہ یعنی اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی ہے، دوسرے محدثین نے بھی اس پر کلام کیا ہے، یعنی محدثین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ لیکن امام ترمذی فرماتے ہیں کہ والعمل علی ھذا عند اھل العلم یعنی تمام اہل علم یعنی فقہاء ومحدثین کا اسی پر عمل ہے۔ (ایضاً ص ۲۲۶ ج ۲۷)

بھلا بتلائیے کہ کتنے بڑے ظلم کی بات ہے کہ ضعیف حدیث کے بارے میں آج پروپیگنڈہ

کیا جائے کہ اس پر عمل کرنا ناجائز اور حرام ہے ۔ فی الاصل ضعیف حدیث کا انکار کرنا احادیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے ذخیرہ پر ہاتھ صاف کرنا ہے، یہ کام ایک دشمن اسلام تو کر سکتا ہے مگر کسی مخلص اہل ایمان سے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا ، یہ نہایت جاہلانہ بات ہے جو علم وتحقیق کے نام پر عوام میں پھیلائی جارہی ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے ، یا ضعیف حدیث سے استدلال کرنا حرام وناجائز ہے ، یہ دور حاضر کی سلفیت اور غیر مقلدیت کا پروپیگنڈہ ہے ۔

(۲) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ من ملك ذا رحم محرم فهو حر ۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنے کسی محرم کا مالک ہوجائے تو وہ آزاد ہوگا ۔ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ لا یصح ۔ یعنی یہ حدیث صحیح نہیں ہے ، امام بخاری کے استاذ ابن مدینی فرماتے ہیں کہ انہ حدیث منکر ، یعنی یہ حدیث منکر ہے ، یعنی محدثین کی اصطلاح میں یہ حدیث ضعیف ہے ، مگر ابن اثیر نہایہ میں فرماتے ہیں ۔ والذی ذهب اليه اكثر من اهل العلم من الصحابة والتابعين واليه ذهب ابو حنيفة واصحابه واحمد ان من ملك ذا رحم محرم عتق عليه ذكرا كان او انثى ۔ (الیضاً ص ۲۹)

یعنی اسی حدیث پر اکثر صحابہ وتابعین کا عمل ہے اور اسی کے قائل حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں اور یہی مذہب امام احمد کا بھی ہے ، یعنی ان حضرات کے یہاں کوئی شخص اپنے کسی ذی رحم کا مالک ہوجاتا ہے تو وہ محرم آزاد ہوجائے گا خواہ وہ محرم مذکر ہو یا مونث ۔

ذرا آپ اندازہ لگائیں کہ ایک حدیث امام بخاری اور ابن مدینی کی تحقیق میں ضعیف ہے ، مگر ان سے پہلے علماء کے نزدیک وہ ایسی صحیح تھی کہ صحابہ وتابعین میں سے اکثریت کا اس پر عمل تھا ، اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام اہلسنت امام احمد بن حنبل نے اسے قبول کر کے اس کو اپنا مذہب بنایا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعد کے ادوار میں جو حدیث ضعیف قرار پائے کوئی ضروری نہیں ہے کہ دور اول یعنی صحابہ وتابعین کے زمانہ میں بھی وہ حدیث ضعیف ہو اس لئے مطلقاً ضعیف حدیث کا انکار کرنا قطعاً درست اور جائز نہیں ہے۔

میں مضمون کی طوالت سے بچنے کیلئے اس وقت صرف انھیں مثالوں پر اکتفاء کرتا ہوں، ورنہ ترمذی شریف سے بلامبالغہ میں پچاسوں کیا سیکڑوں حدیثیں ایسی نکال سکتا ہوں جن کے بارے میں محدثین کا فیصلہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں مگر اہل علم نے انکو قبول کیا ہے اور ان پر عمل کی بنیاد رکھی ہے، اور یہاں اہل علم سے مراد ہماو شما نہیں ہیں بلکہ صحابہ وتابعین اور ائمہ فقہ و حدیث ہیں۔

ایک بات یہاں نکتہ کی اور یاد رکھئے کہ امام ترمذی کسی حدیث کے بارے میں فیصلہ اگر یہ کریں کہ وہ محدثین کے یہاں ضعیف ہے، اور پھر یہ کہیں کہ اسی پر اہل علم کا عمل ہے تو گویا یہ امام ترمذی کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔ یعنی امام ترمذی صرف اصول محدثین پر اس کو ضعیف کہہ رہے ہیں ورنہ حقیقت کے اعتبار سے وہ حدیث ان کے نزدیک پایہ ثبوت کو پہونچی ہوئی ایک واقعی حقیقت ہے، اگر ایسا نہ ہوتا اور وہ آنحضورؐ کی واقعی حدیث نہ ہوتی تو صحابہ کرام اور تابعین کا اس پر عمل ہرگز نہ ہوتا۔

جس طرح امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ محدثین کی اصطلاح کے اعتبار سے ضعیف حدیث کو ذکر کرتے ہیں پھر یہ کہہ کر کہ اس پر فقہاء ومحدثین وصحابہ وتابعین کا عمل اس حدیث کی صحت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اسی طرح حضرت امام ابوداؤد اپنی کتاب میں اور امام نسائی اپنی کتاب اور ابن ماجہ اپنی کتاب میں یہی طرز اختیار کرتے ہیں، یعنی یہ حضرات عام طور پر انھیں حدیثوں کو ذکر کرتے ہیں جس پر دور اول میں مسلمانوں کا عمل رہا ہے، ان کتابوں میں گنتی کی چند ہی حدیثیں ایسی ہوں گی جو سنداً ایسی ضعیف ہوں جن پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا، ابوداؤد اور نسائی میں تو شاذ ونادر اس طرح کی حدیثیں ہیں ابن ماجہ میں کچھ ایسی حدیثیں ضرور ہیں جن پر لوگوں نے شدید جرح کی ہے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ خود اپنی کتاب کی احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

واما ھٰذہ المسائل مسائل الثوری، ومالک والشافعی فھٰذہ الاحادیث اصولھا۔ (رسالۃ ابی داؤد ص ۴۱)

یعنی امام ثوری، امام مالک کے اور امام شافعی کے جو مسائل ہیں تو میری کتاب کی یہ حدیثیں ان کی اصل ہیں، یعنی عام طور پر ان ائمہ کے مذاہب کی بنیاد انھیں احادیث پر ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ ابوداؤد کی کچھ حدیثیں اصول محدثین پر ضعیف بھی ہوں تو بھی ان ائمہ کرام نے ان احادیث پر اپنے قول اور اپنے فقہ کی بنیاد رکھی ہے، یعنی یہ تمام احادیث ان ائمہ کرام کے یہاں معمول بہا ہیں، اور جب ان ائمہ کرام نے ان کو احکام میں قبول کیا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ان ائمہ کرام کے نزدیک فی الاصل یہ احادیث ضعیف اس معنی میں نہیں ہیں کہ یہ رسول اللہ کی احادیث نہیں ہیں بلکہ محض اصول محدثین پر ضعیف ہیں، اور جو احادیث محدثین کے اصول پر ضعیف ہوں ان کا ترک کرنا کسی امام کے یہاں ضروری نہیں ہے، الا یہ کہ ان ائمہ کرام کو خود اس کا ضعف اتنا واضح ہو کہ اس کی نسبت آنحضورؐ کی طرف کرنا درست نہ ہو۔

امام ابوداؤد مزید فرماتے ہیں:

والاحادیث التی وضعتھا فی کتاب السنن اکثرھا مشاھیر (ایضاً)

یعنی میں نے اپنی سنن میں جو احادیث داخل کی ہیں ان میں سے بیشتر مشہور ہیں۔

یہاں مشہور ہونے کا یہی مطلب ہے کہ عام طور پر ان پر فقہاء اور ائمہ کا عمل ہے اگرچہ وہ اصطلاحاً ضعیف ہیں مگر حقیقت کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے جن احادیث کو ذکر کرکے ان پر سکوت اختیار کیا ہے وہ چار قسم کی ہیں۔

(۱) بعض وہ ہیں جو بخاری و مسلم میں موجود ہیں یا وہ صحیح کی شرط پر ہیں۔

(۲) بعض وہ ہیں جو حسن لذاتہ کے قبیل کی ہیں۔

(۳) بعض وہ ہیں جو حسن لغیرہ ہیں (حافظ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں قسمیں زیادہ ہیں)

(۴) بعض وہ ہیں جو ضعیف ہیں۔

پھر فرماتے ہیں :

وکل ھذہ الاقسام عندہ تصلح للاحتجاج بھا۔

(النکت علی ابن الصلاح ص ۴۲۵)

یعنی تمام قسمیں امام ابوداؤد کے نزدیک احتجاج کے قابل ہیں۔

دیکھئے محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث سے حجت پکڑی جاتی تھی اور اسی وجہ سے ان محدثین نے ضعیف احادیث کو اپنی کتابوں میں داخل کیا ہے، مگر آج ان ضعیف احادیث کو ہمارے سلفی دوستوں نے ایسا شجر ممنوعہ بنا رکھا ہے کہ اس کے قریب بھی جانا ان کے نزدیک حرام ہے، اور اس طرح انھوں نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بہت بڑے حصہ کو چھوڑ رکھا ہے اور اس کا انکار کیا ہے اور اپنی اس بے راہ روی پر افسوس کرنے اور شرمندہ ہونے کے بجائے دوسروں کو طعنہ دیتے ہیں کہ فلاں امام ضعیف حدیث پر عمل کرتا ہے اور فلاں مسئلہ میں حدیث ضعیف ہے۔ خوب جان لیں کہ ضعیف حدیث کا مطلقاً انکار کرنا یہ دورِ جدید کا فتنہ ہے۔ اور اس فتنہ کی البانی اور اس کے شاگردوں نے خوب آب یاری کی ہے۔

محدث شام شیخ ابوغدہ فرماتے ہیں :

" محدثین ائمہ متقدمین اپنی کتابوں میں ضعیف احادیث بھی ذکر کیا کرتے تھے تاکہ ان پر بھی عمل کیا جائے اور ان سے مسائل شرعیہ میں دلیل پکڑی جائے۔ ضعیف احادیث سے انکو پرہیز نہیں تھا اور نہ ان احادیث ضعیفہ کو وہ منکر اور پست پشت ڈالنے والی بات جانتے تھے جیسا کہ آج کے بعض مدعیوں کا دعویٰ ہے۔" (ظفر الامانی ص ۱۸۶)

اور پھر انھوں نے حافظ ابن عبدالبر کی کتاب التمہید سے ان کا یہ کلام نقل کیا ہے۔

ورب حدیث ضعیف صحیح المعنی یعنی بہت سی احادیث سند کے

اعتبار سے ضعیف تو ہوتی ہیں مگر معنی کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں۔

اور معنی ہی تو اصل ہے۔ سند تو محض حدیث تک پہونچنے کا ذریعہ ہے، اگر ذریعہ خراب ہے اور اصل صحیح ہے تو اس اصل کو اختیار کرنے میں کونسی چیز مانع ہے اور محض ذریعہ کی خرابی کی وجہ سے اصل ہی کو چھوڑ دیا جائے اور اس کا انکار کیا جائے یہ کونسی عقلمندی کی بات ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا سلفیوں کے نزدیک شاید کوئی دوسرا محدث نہ ہو، صحیح بخاری کے سوا ان کی تمام کتابیں ضعیف احادیث سے بھری پڑی ہیں۔ الادب المفرد میں تو ان کی اتنی ضعیف احادیث ہیں کہ بعض البانیوں کو اس کے دو ٹکڑے کردینے پڑے۔ یعنی صحیح الادب المفرد اور ضعیف الادب المفرد اگر ضعیف احادیث مطلقًا قابل رد ہوتیں تو امام بخاری جیسا محدث ان کو اپنی کتاب میں کیوں ذکر کرتا۔

اور میں تو کہتا ہوں کہ صحیح بخاری میں بھی امام بخاری نے تعلیقا جن احادیث اور آثار کو ذکر کیا ہے اس میں سے بہت سے سندًا ضعیف ہیں، نمونہ کے طور پر میں اس کی تین مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) امام بخاری نے باب قائم کیا ہے۔ باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین من القبل والدبر۔ یعنی یہ باب یہ مسئلہ بیان کرنے کیلئے ہے کہ وضو صرف اسی صورت میں ٹوٹتا ہے جب پیشاب، پیخانہ کے راستے سے کوئی چیز خارج ہو، اس کے ضمن میں امام بخاری نے حضرت جابر کی یہ حدیث تعلیقًا نقل کی ہے۔ وقال جابر بن عبد اللہ اذا ضحك فی الصلوٰۃ اعاد الصلوٰۃ ولم یعد الوضوء یعنی اگر نماز میں کوئی ہنسا تو صرف نماز کو دھرائے گا وضو کو نہیں۔ یہ حدیث مرفوعًا ضعیف ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ واخرجہ الدارقطنی من طریق اخری مرفوعًا ولکن ضعفہا۔ یعنی امام دارقطنی نے اس کو دوسری سند سے مرفوعًا ذکر کیا ہے مگر اس کو ضعیف قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ حضرت جابر کا قول ہے، مگر حضرت

جابر کا قول بھی تو حدیث موقوف ہوئی اور حدیث موقوف بھی ضعیف احادیث کی قسموں میں سے ہے، غیر مقلدین کا عام نعرہ ہے۔ در موقوفاتِ صحابہ حجت نیست یعنی صحابہ کرام کی موقوف حدیثوں میں حجت نہیں ہے۔ بہر حال یہ حدیث موقوف ہو تو بھی ضعیف اور مرفوع ہو تو بھی ضعیف، اور یہ ضعیف حدیث بخاری کے یہاں قابل احتجاج ہے اور امام بخاری نے اس کو اپنی صحیح میں تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

(۲) امام بخاری نے باب قائم کیا ہے باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب یعنی اس کا بیان کہ نماز کپڑوں میں پڑھنا واجب ہے، پھر فرماتے ہیں:

ویذکر عن سلمۃ بن الاکوع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یزرہ ولو بشوکۃ۔ یعنی حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت کی جاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بٹن لگایا کرتے تھے اگرچہ کانٹا ہی سے کیوں نہ ہو۔

حضرت سلمہ ابن اکوع کی یہ حدیث ضعیف ہے۔ خود امام بخاری فرماتے ہیں فی اسنادہ نظر یعنی اس کی سند میں کلام ہے۔ یعنی سنداً یہ حدیث ضعیف ہے۔ دیکھئے امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر پھر بھی اس سے وہ استدلال کر رہے ہیں اور اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں۔

(۳) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے۔ باب ما یذکر فی الفخذ یعنی باب ران کے بیان میں، یعنی ران کا شمار شرم گاہ میں ہے یا نہیں، اس کے ضمن میں امام بخاری فرماتے ہیں ویروی عن ابن عباس وجرھد ومحمد بن جحش عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم الفخذ عورۃ یعنی حضرت ابن عباس حضرت جرہد اور حضرت محمد بن جحش سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ران شرم گاہ ہے، جرہد کی سند سے جو حدیث ہے وہ خود امام بخاری کے نزدیک ضعیف ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ ضعفہ المصنف فی التاریخ للاضطراب فی اسنادہ یعنی اس حدیث کو مصنف یعنی امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ضعیف

قرار دیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف کے نزدیک اس کی سند میں اضطراب ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی ضعیف ہے، اس کی سند میں ایک راوی ابو یحییٰ قتات ہے، حافظ ابن حجر اس کے بارے میں فرماتے ہیں وھو ضعیف مشھور بکنیتہ یعنی وہ ضعیف ہے، اپنی کنیت سے مشہور ہے۔

اور حضرت محمد بن جحش والی حدیث بھی صحیح نہیں ہے، اس کی سند میں ایک راوی ابو کثیر ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ لم اجد فیہ تصریحاً بتعدیل یعنی میں نے کسی محدث کو نہیں پایا کہ اس نے صراحتاً اس کو عادل کہا ہو۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ الفخذ عورۃ والی حدیث تین سندوں سے تین صحابہ کرام سے مروی ہے، اور اس میں سے ایک حدیث بھی محدثین کے قاعدہ کے مطابق صحیح نہیں ہے۔ جرہد والی حدیث کو خود امام بخاری نے صراحۃً ضعیف کہا ہے۔ مگر ان تمام کے باوجود حضرت امام بخاری ان تینوں حدیثوں کو اپنی سب سے صحیح کتاب بخاری شریف میں لائے ہیں، اور ان احادیث کا ضعیف ہونا امام بخاری کو ان سے استدلال کرنے سے مانع نہیں بنا، کیا امام بخاری کے اس طرز سے یہ حقیقت نہیں کھلتی کہ ضعیف حدیث کا مطلقاً انکار کرنا متقدمین محدثین کا طریقہ نہیں تھا۔ اور ان کے نزدیک ضعیف حدیث سے استدلال کرنا اور حجت پکڑنا ممنوع نہیں تھا، یہ تو اس زمانہ کی بدعت ہے جس کے ایجاد کا سہرا دور حاضر کے سلفیوں اور البانیوں کے سر ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اصطلاحاً حدیث ضعیف ہوتی ہے اور اس کا مضمون خلاف قیاس ہوتا ہے، یعنی قیاس کا تقاضا کچھ ہوتا ہے اور حدیث کا مضمون کچھ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں تمام فقہا خصوصاً ائمہ اربعہ قیاس کے مقابلہ میں اس ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات تو پایۂ شہرت کو پہنچ چکی ہے کہ ان کا مذہب تھا الحدیث الضعیف اولیٰ من القیاس یعنی ضعیف حدیث پر عمل کرنا

قیاس پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔ ابن قیم فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے
پھر فرماتے ہیں کہ۔

ولیس احد من الائمة الا ھو موافقہ علی ھذا الاصل من حیث
الجملة فان مامنھم احد الا وقد قدم الحدیث الضعیف علی القیاس۔

یعنی عام طور پر سبھی ائمہ اس بارے میں امام احمد کے موافق ہیں، ائمہ میں سے کوئی بھی ایسا
نہیں ہے جو ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم نہ رکھتا ہو۔ (اعلام الموقعین ج۱ ص۲۵ / ۱۲۰)
پھر ابن قیم نے ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک سے اس کی کئی کئی مثالیں دی ہیں، مثلاً امام
ابو حنیفہ کے بارے میں کہا کہ۔

امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔
قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے اس لئے کہ ناقض وضو فی الاصل وہ چیز ہے جو پیشاب
پیخانہ کے راستے سے نکلے، قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کی کوئی وجہ عقلاً سمجھ میں نہیں آتی ہے
مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر وہ حدیث ہے جس میں قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کا
حکم ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے بارے میں فرمایا کہ اس بارے میں امام
مالک کا مذہب سب سے وسیع ہے، یعنی وہ ہر طرح کی ضعیف حدیث کو خواہ مرسل
ہو یا منقطع یا موقوف قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ مکہ مکرمہ میں اوقات ممنوعہ اور مکروہہ میں
بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے حالانکہ اس بارے میں جو حدیث ہے وہ ضعیف ہے، جبکہ
قیاس کا تقاضا ہے کہ اوقات مکروہہ میں نماز ہر جگہ مکروہ ہو خواہ مکہ ہو یا مکہ کے علاوہ کوئی
دوسری جگہ۔ مگر امام شافعی نے قیاس پر ضعیف حدیث کو مقدم کیا۔
غرض امام احمد امام شافعی، امام مالک اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ سب
اسی کے قائل ہیں کہ قیاس پر ضعیف حدیث کو مقدم کیا جائے گا۔ تو کیا کسی کے وہم

وگمان میں یہ بات آسکتی ہے کہ ضعیف حدیث ایک شئی باطل ہو پھر بھی ان ائمہ نے جن کا اسلام میں مقام و مرتبہ سب کو معلوم ہے اس سے مسائل شرعیہ میں دلیل لائیں اور شرعی مسائل کی اس پر بنیاد رکھیں ۔

علامہ ابن حزم کے متعلق اہل علم کو معلوم ہے کہ وہ پکے ظاہری تھے اور دنیائے غیر مقلدیت کے بے تاج بادشاہ تھے، لیکن ان کو بھی بہت سے مسائل میں ضعیف احادیث کو قبول کرنا پڑا، اپنی مشہور کتاب محلی میں ایک جگہ فرماتے ہیں :

وھذا الاثر وان لم یکن مما یحتج بمثلہ فلم نجد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیرہ وقد قال احمد بن حنبل رحمہ اللہ ضعیف الحدیث احب الی من الرائ۔

(ص ۱۴۸ ج ۴)

یعنی ہم نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس جیسی حدیث کو اگرچہ حجت نہیں بنایا جاتا مگر ہمیں اس کے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی دوسری حدیث ملی نہیں، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ضعیف حدیث مجھے رائے سے زیادہ پسند ہے[1]

حافظ ابن عبد البر جلیل القدر محدث ہیں وہ فرماتے ہیں :

لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی نصاب الذھب شئ الا ماروی الحسن بن عمارۃ وھو مجمع علی ترک حدیثہ لکن علیہ جمھور العلماء ۔

---

(۱) ابن حزم کی یہ غیر مقلدیت بھی دیکھئے کہ ضعیف حدیث سے استدلال کرنے کے لئے وہ امام احمد کی تقلید کر رہے ہیں، ایک طرف ان کی کتابوں میں تقلید کے خلاف ایک طوفان ہے اور دوسری طرف امام احمد کی تقلید کا قلادہ بھی اپنے گلے میں علی الاعلان ڈالا جا رہا ہے ۔ معلوم ہوا کہ بلا تقلید کے گاڑی چلنے والی نہیں ہے ۔

یعنی آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے کے نصاب کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، ہاں ایک حدیث ہے جو حسن بن عمارہ کی سند سے ہے، مگر حسن بن عمارہ کے متروک ہونے پر محدثین کا اجماع ہے (یعنی ان کی یہ حدیث اجماعاً ضعیف ہے) لیکن جمہور کا عمل اس حدیث کے مطابق ہے[1] (زرقانی علی الموطاس، ۹۶ج ۲)

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج کے مدعیانِ عمل بالحدیث ائمہ دین کے اس طرز عمل کے خلاف ایک طوفان برپا کئے ہوئے ہیں اور جو عمل اجماعی طور پر جائز تھا اسی کو یہ حضرات حرام اور ناجائز قرار دے رہے ہیں، اور اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ وہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کر رہے ہیں، ان کے طرز عمل نے امت کے ایک بڑے طبقہ میں احادیث کا استخفاف پیدا کر دیا ہے۔ یہ لوگ بڑے حقیرانہ انداز میں ضعیف حدیث کا ذکر کرتے ہیں، انھیں شاید معلوم نہیں ہے کہ جس طرح قرآن کی کسی آیت کا استخفاف و انکار حرام اور کفر ہے، رسول پاک کی احادیث کا استخفاف بھی حبط اعمال کا باعث ہے، جب تک کہ دلائلِ قطعیہ کسی حدیث کے حدیث نہ ہونے پر قائم نہ ہو جائیں، محض وہم و گمان کی بنیاد پر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا خصوصاً جب کہ وہ حدیث دور اول میں اسلاف میں متداول اور معمول بہ رہی ہو اس کا انکار کرنا تو بڑی جرأت کی بات ہے۔

حاصل گذارش یہ ہے کہ ضعیف حدیث کا ائمہ متقدمین نے مسائل شرعیہ میں اعتبار کیا ہے اور اس پر اپنے عمل کی بنیاد رکھی ہے، اس کا انکار کرنا دن کے اجالے میں سورج کا انکار کرنا ہے۔

یہ گفتگو تو احکام اور مسائل کے سلسلہ کی تھی کہ ائمہ دین نے مسائل اور احکام میں

---

(۱) حسن بن عمارہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ھاتوا زکوۃ الذھب من کل عشرین دینارًا نصف دینار یعنی سونے کی زکوۃ بیس دینار میں سے نصف دینار نکالو۔

ضعیف احادیث کا اعتبار کیا ہے یا نہیں، باقی رہا فضائل اور ترغیب و ترہیب کے بارے میں ضعیف احادیث کو قبول کیا جائے گا یا نہیں تو جمہور ائمہ فقہ و حدیث کا مذہب یہ ہے کہ فضائل میں اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف احادیث مقبول ہوں گی ۔ چونکہ یہ بات عام طور پر اہل علم کو معلوم ہے اس وجہ سے ہم اس بارے میں اختصار سے کام لیتے ہوئے اکابر محدثین سے چند نقول پیش کرنے پر اکتفا کریں گے ۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم اور غیر مقلدین اور سلفیوں کے منہ پر مہر لگانے والی بات یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الادب المفرد جن کو پڑھنے کا اتفاق ہوا ہوگا اسے خوب معلوم ہوگا کہ امام بخاری نے اس کتاب میں فضائل اور ترغیب و ترہیب کے بارے میں پچاسوں حدیثیں ضعیف نقل کی ہیں اور ان کا ضعف واضح بھی نہیں کیا ہے ۔ یعنی یہ بھی نہیں بتلایا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں عام طور پر محدثین کے یہاں ضعیف احادیث پر عمل تھا، حتی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فضائل کے باب میں بلا تکلف ضعیف احادیث سے استدلال کیا کرتے ہیں ۔

شیخ ابوغدہ فرماتے ہیں ۔ حضرت امام بخاری نے الادب المفرد میں فضائل کے باب میں ضعیف احادیث کے قبول کرنے کی جو روش اختیار کی ہے یہی طریقہ ان کے شیخ امام احمد کا بھی تھا جیسا کہ ان کی کتاب "الزہد" سے واضح ہے، اور یہی طریقہ اس سے پہلے حضرت عبداللہ بن مبارک کا بھی تھا جیسا کہ ان کی کتاب کتاب الزہد والرقائق سے واضح ہے ، اسی طرح جن لوگوں نے بھی زہد اور رقائق کے بارے میں تالیف کی ہے ، ان تمام محدثین نے فضائل میں ضعیف احادیث سے استدلال کیا ہے ۔"[1]

---

(۱) ظفر الامانی جو شیخ ابوغدہ کی تحقیق و تعلیق سے شائع ہوئی اس کا صفحہ ۲۶۲ سے ص۲۸۶ تک پڑھو، اس موضوع پر شیخ نے بڑی محققانہ اور منصفانہ گفتگو کی ہے ۔

بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو اپنی سب سے صحیح کتاب صحیح بخاری میں بھی ضعیف احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور اس کی وجہ ان کے مدافعین نے یہی بیان کی ہے کیونکہ اس حدیث کا تعلق فضائل اور ترغیب وترہیب سے ہے اس وجہ سے امام بخاری نے اس میں زیادہ تشدد سے کام نہیں لیا، مثلاً بخاری کا ایک راوی ہے، محمد بن عبدالرحمن الطفاوی جس کے بارے میں ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث کہ یہ منکر حدیثوں کو بیان کرتا ہے، بخاری میں اس کی تین روایتیں ہیں، ایک روایت کتاب الرقاق میں ہے اس روایت کو بیان کرنے والا تنہا یہی طفاوی ہے، اور منکر الحدیث راوی کی متفردہ روایت ضعیف شمار ہوتی ہے، اب بخاری پر اعتراض ہوا کہ انھوں نے اپنی صحیح میں ضعیف حدیث کو کیوں ذکر کیا۔ تو اس کا جواب حافظ ابن حجر نے یہ دیا ہے۔

فهذا الحديث قد تفرد به الطفاوى وهو من غرائب الصحيح وكان البخارى لم يتشدد فيه لكونه من احاديث الترغيب والترهيب۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۴۱)

یعنی اس حدیث کا بیان کرنے والا تنہا طفاوی ہے، یہ روایت بخاری کی غریب روایتوں میں سے ہے، (یعنی ضعیف ہے) گویا امام بخاری نے اس روایت میں تشدد سے کام نہیں لیا اس لئے کہ اس حدیث کا تعلق ترغیب وترہیب سے ہے۔

جائے عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو امام بخاری کو حجت ثبت اور امیر المومنین فی الحدیث ہونے کا دم بھی بھرتے ہیں، اور انکی کتاب کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کی نغمہ سرائی بھی کرتے ہیں، اور خود بخاری کا ضعیف حدیث کے سلسلہ میں کیا پیمانہ رہا ہے اس سے غافل بنے رہتے ہیں اور مطلقاً ضعیف احادیث کا حتی کہ فضائل میں بھی ضعیف حدیث سے استدلال کو حرام جانتے ہیں اگر ان کی بات کسی بھی درجہ میں صحیح مان لی جائے تو پھر امام بخاری کی بخاری شریف سے بھی امت کا اعتماد اٹھ جائے گا۔

(۲) بخاری شریف کا ایک راوی ہے فلیح بن سلیمان جس کے بارے میں

ساجی فرماتے ہیں کہ من اهل الصدق وکان یهم یعنی وہ اہل صدق میں تھا مگر وہمی تھا یعنی احادیث کے بیان میں بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا، یحییٰ بن معین امام نسائی اور امام ابوداؤد نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، ابن عدی فرماتے ہیں کہ له غرائب یعنی اس کے پاس غریب حدیثیں تھیں، جب امام بخاری پر اعتراض ہوا کہ ایسے ضعیف راوی سے انھوں نے کیوں روایت کیا تو اس کا جواب حافظ ابن حجر نے یہ دیا۔ ولم یعتمد علیه البخاری اعتمادہ علی مالك وابن عیینه واحزابهما و ما اخرج له احادیث اکثرها فی المناقب وبعضها فی الرقاق۔ (ایضاً ص ۴۳۵)

یعنی امام بخاری نے اس راوی پر اتنا اعتماد نہیں کیا ہے جتنا اعتماد امام مالک اور سفیان ابن عیینہ اور ان جیسے محدثین پر کیا ہے، بخاری میں اس کی کچھ حدیثیں ہیں، زیادہ تر کا تعلق مناقب سے ہے اور بعض کا رقاق سے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مناقب زہد ورقاق میں کمزور روایت سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، خود امام بخاری نے اپنی سب سے صحیح کتاب میں اس کا نمونہ پیش کیا ہے تاکہ کسی سلفی وہابی کو ضعیف احادیث کے خلاف نعرہ بلند کرنے کا حوصلہ نہ رہے۔

(۳) بخاری شریف کا ایک راوی اسید بن زید الجمال ہے، اس کے بارے میں نسائی فرماتے ہیں کہ متروک، یعنی محدثین کے نزدیک یہ متروک ہے، ابن معین فرماتے ہیں حدث باحادیث کذب، یعنی اس نے جھوٹی حدیثیں بیان کی ہیں، دارقطنی اس کو ضعیف کہتے ہیں، ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی متابعت نہیں کی جاتی ہے، ابن حبان کہتے ہیں کہ یروی عن الثقات المناکیر و یسرق الحدیث، یعنی یہ ثقہ راویوں سے منکر روایت بیان کرتا تھا اور حدیث چوری کرتا تھا، بزار کہتے ہیں کہ لوگوں نے اسکی حدیث کو برداشت کیا ہے حالانکہ اس میں سخت قسم کی شیعیت تھی، ابوحاتم کہتے ہیں کہ لوگ اس پر جرح کرتے ہیں، اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں قلت لم ار فیه توثیقاً یعنی میں نے کسی کی بھی اس کے بارے میں توثیق نہیں دیکھی یعنی کسی محدث نے اس کو ثقہ نہیں کہا ہے

آپ اندازہ لگائیں کہ یہ راوی کیسا ضعیف ہے اور کیسا مجروح ہے مگر اس کی روایت بخاری اپنی صحیح میں لاتے ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ قد روی عنه البخاری فی کتاب الرقاق حدیثاً واحداً یعنی امام بخاری نے کتاب الرقاق میں اس کی ایک حدیث ذکر کی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے گویا فیصلہ کر دیا کہ ان کے نزدیک شدید قسم کا مجروح راوی بھی فضائل کے باب میں مقبول ہے، اور اس کی روایت کو قبول کیا جائے گا۔ (۱)

(۴) بخاری شریف کا ایک راوی اسماعیل بن مجالد ہے، امام نسائی فرماتے ہیں کہ لیس بالقوی، یعنی وہ قوی نہیں ہے، دارقطنی فرماتے ہیں "ضعیف" یعنی یہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بخاری نے اسکی صرف ایک حدیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بیان میں ذکر کی ہے۔ اخرج له فی الصحیح حدیثا واحداً فی فضل ابی بکر۔ یعنی امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کی صرف ایک حدیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بیان میں ذکر کی ہے۔

معلوم ہوا کہ فضائل کے باب میں امام بخاری بھی جمہور کے ساتھ ہیں کہ اس میں ضعیف احادیث سے استدلال کرنا جائز ہے۔

(۵) بخاری شریف کا ایک راوی حسن بن ذکوان ہے امام احمد، ابن معین، ابوحاتم نسائی اور ابن مدینی نے اس کو ضعیف کہا ہے، ابن عدی کے نزدیک یہ تدلیس کیا کرتا تھا اور فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ فهذا احد اسباب تضعیفه

---

(۱) آجکل غیر مقلدین اور سلفیوں نے حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فضائل اعمال کے بارے میں طوفان برپا کر رکھا ہے کہ اس کتاب میں ضعیف احادیث ہیں، اگر ان میں شرم وحیا ہوگی تو امام بخاری کے ضعیف حدیث کے بارے میں اس عمل کو دیکھ کر اپنی زبان اب بند کرلیں گے، ورنہ ایمان کا تقاضا یہ ہوگا کہ امام بخاری کے خلاف بھی وہ لب کشا ہوں۔

یعنی اس کا مدلس ہونا اور متروک ہونا اس کے ضعیف ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، اور دوسرا سبب یہ ہے کہ کان قدریا یعنی وہ اعتقاداً بھی اہلسنت والجماعت میں سے نہیں تھا، قدری تھا، پھر وہ فرماتے ہیں کہ روی له البخاری حدیثا واحدا فی الرقاق یعنی کتاب الرقاق میں امام بخاری نے اسکی حدیث ذکر کی ہے۔

(۶) بخاری شریف کا ایک راوی ہے سلمہ بن رجاء اس کے بارے میں نسائی فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے ابن معین فرماتے ہیں کہ لیس بشئ یعنی وہ کچھ نہیں تھا، اس راوی کی ایک حدیث فضائل میں امام بخاری نے ذکر کی ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں له حدیث واحد فی الفضائل یعنی اس راوی کی ایک حدیث فضائل کے باب میں امام بخاری نے ذکر کی ہے۔

(۷) بخاری شریف کا ایک راوی سلام بن ابی مطیع ہے، ابن عدی فرماتے ہیں کہ لیس بمستقیم الحدیث یعنی وہ ٹھیک حدیث والا نہیں، ابن حبان فرماتے ہیں کان سیئ الاخذ لا یجوز الاحتجاج به یعنی اس کے حدیث حاصل کرنے کا ڈھنگ خراب تھا، اس سے احتجاج درست نہیں ہے، حاکم فرماتے ہیں کہ اس کو غفلت اور سوء حفظ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس کی دو حدیثیں اپنی صحیح میں ذکر کی ہیں، ایک کا تعلق فضائل قرآن سے ہے۔ احدهما فی فضائل القرآن۔ (ایضاً ص ۴۰۰)

(۸) بخاری شریف کا ایک راوی عثمان بن ہیثم ہے، اس کے بارے میں ہے کہ اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، دارقطنی کہتے ہیں کہ صدوق تھا لیکن بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا تھا، امام احمد فرماتے ہیں کہ لیس بمثبت کہ وہ ثبت اور پختہ کار نہیں تھا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے آیۃ الکرسی کی فضیلت میں اس کی حدیث کو ذکر کیا ہے۔

(۹) بخاری شریف کا ایک راوی محمد بن طلحہ بن مصرف الکوفی ہے، ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے حالانکہ اس کا باپ قدیم الموت تھا، لوگ

اس کو جھوٹا سمجھتے تھے، امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ وہ حدیثوں میں غلطیاں کیا کرتا تھا ،
ابو کامل مظفر بن مدرک کہتے ہیں کہ محدثین میں یہ بات تھی کہ تین آدمیوں کی حدیث سے
بچا جاتا ہے ، ان میں سے ایک محمد بن طلحہ ہے ، ابن معین نے کبھی اسکو صالح کہا اور کبھی کہا کہ
وہ ضعیف ہے ، امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ لیس بالقوی یعنی وہ قوی نہیں ہے ،
حافظ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں اس راوی کی تین حدیثیں ہیں ، ایک کا تعلق
فضائل سے ہے ۔ حافظ کا لفظ یہ ہے الا انہا فی فضائل الاعمال ، یعنی اس
حدیث کا تعلق فضائل اعمال سے ہے ۔ (ص ۴۳۹)

(۱۰) ۔ بخاری شریف کا ایک راوی یحیٰی بن ابی زکریا ابو اسحٰق ہے ، امام ابوداؤد
اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں ، ابن معین کہتے ہیں کہ میں اس کے حال سے بے خبر ہوں ۔
ابوحاتم کہتے ہیں کہ وہ مشہور نہیں ہے ، ابن حبان کہتے ہیں کہ لایجوز الروایۃ
عنہا اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہدیہ کے
بیان میں اس کی روایت ذکر کی ہے ۔

میں نے یہاں یہ دس مثالیں صرف بخاری شریف سے ذکر کی ہیں تاکہ جو لوگ
اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ فضائل اعمال میں اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف احادیث
سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی ان کی آنکھ سے پردہ ہٹ جائے اور ان کی زبان
پر لگام رہے ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طرز عمل بتلا رہا ہے کہ محدثین نے فضائل کے باب
میں ضعیف احادیث اور کمزور راویوں کی روایت سے کبھی گریز کا راستہ اختیار نہیں
کیا ۔ اب بعض دوسرے ائمہ و محدثین حضرات کا بھی اس بارے میں فیصلہ ملاحظہ
فرمائیں ۔

(۱) امام حاکم فرماتے ہیں ۔ واذا روینا فی فضائل الاعمال والثواب
والعقاب والمباحات والدعوات تساھلنا فی الاسانید ۔

یعنی جب ہم فضائل اعمال اور ثواب وعذاب اور مباحات اور دعاؤں کے بارے میں احادیث ذکر کرتے ہیں تو اس میں کمزور روایتوں کو بھی داخل کرتے ہیں۔

(کتاب الدعاء مستدرک ص ۴۹۰ ج ۱)

(۲) امام احمد فرماتے ہیں واذا روینا فی فضائل الاعمال تساھلنا فی الاسانید۔ یعنی جب ہم فضائل اعمال کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں تو اس میں کمزور روایتوں کو بھی لاتے ہیں۔ (الکفایہ ص ۲۱۳)

(۳) ابن قدامہ فرماتے ہیں۔ النوافل والفضائل لایشترط صحۃ الحدیث فیھا۔ (مغنی ص ۱۰۴۴ ج ۱)

یعنی نوافل اور فضائل میں صحیح حدیث کا ہونا شرط نہیں ہے۔

(۴) شیخ الاسلام ابن تیمیہ شیخ ابو محمد مقدسی سے نقل کرتے ہیں کہ صلوٰۃ تسبیح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے (اگرچہ اس بارے میں جو حدیث ہے وہ ضعیف ہے) قال الفضائل لایشترط لھا صحۃ الخبر لیکن فضائل میں حدیث کا صحیح ہونا شرط نہیں ہے۔ (الاختیارات العلمیۃ ص ۱۰)

(۵) ابو حاتم رازی فرماتے ہیں منھم الصدق الورع المغفل الغالب علیہ الوھم والخطاء والسھو والغلط فھذا یکتب من حدیثہ فی الترغیب والترھیب والزھد والآداب۔ (مقدمۃ الجرح والتعدیل)

یعنی راوی کی ایک قسم ایسی ہوتی ہے کہ اس میں صدق اور ورع کی صفت تو ہوتی ہے مگر مغفل ہوتا ہے وہم کا اس پر غلبہ رہتا ہے، غلطی اور بھول چوک اس پر غالب رہتی ہے اس طرح کے راویوں کی روایتیں ترغیب وترہیب اور زہد وآداب میں قبول کی جاتی ہیں۔

(۶) امام نووی۔ امام نووی نے کتاب الاذکار میں بہت سی ضعیف احادیث ذکر کی ہیں اس لئے کہ ان کا تعلق فضائل سے ہے، ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں ھو حدیث ضعیف[1] لکن احادیث الفضائل یتسامح فیھا۔ یعنی یہ حدیث

---

حاشیہ اگلے صفحہ پر

ضعیف ہے مگر فضائل والی احادیث میں شدت اختیار نہیں کی جاتی ہے۔

یہ تحریر طویل ہوتی جارہی ہے، اس طول کلام کی مجھے زحمت اسلئے اٹھانی پڑی کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ موجودہ زمانہ کا ایک بڑا دینی فتنہ ضعیف احادیث کے انکار کا بھی ہے، اور اس فتنہ کی آگ کو بڑھانے والے وہ لوگ ہیں جن کا زعم یہ ہے کہ وہ اہلحدیث ہیں اور اسلاف کے طریقہ پر ہیں، میری ابتک کی گفتگو سے واضح ہو چکا ہے کہ ضعیف حدیث کا انکار کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا یہ اسلاف اور متقدمین محدثین کا طریقہ نہیں رہا ہے۔ ہمارے محدثین کرام اور فقہائے عظام نے ضعیف احادیث کو احکام میں بھی قبول کیا ہے اور فضائل میں بھی، فضائل میں تو بعض شاذ لوگوں کے علاوہ کسی سے انکار سنا ہی نہیں گیا ہے، اسلئے اگر اس زمانہ میں کوئی جماعت اس کا انکار کرتی ہے تو وہ محدثین کے طریقہ سے بھٹکی ہوئی اور گم کردہ راہ جماعت ہے، اس جماعت کا دینی و شرعی امور میں اعتبار نہیں کرنا چاہئے، ہمارے لئے سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ ہم اسلاف کے طریقہ پر رہیں انھیں کی تقلید و اتباع میں دین و اسلام کی سلامتی ہے۔

آپکا سوال تھا کہ محدثین نے اپنی کتابوں میں ضعیف احادیث کیوں ذکر کی ہیں، میری اس مفصل گفتگو میں آپکے سوال کا مفصل جواب موجود ہے، اور مختصر جواب یہ ہے کہ محدثین نے اپنی کتابوں میں ضعیف احادیث اسلئے ذکر کی ہیں کہ اسلام کی ساری تعلیمات محفوظ اور مدون رہیں، اور امت اسکو اپنی زندگی میں داخل کرے۔ بہت سے شرعی مسائل انھیں ضعیف احادیث سے معلوم ہوتے ہیں۔ عقاب و ثواب کی بہت سی باتیں انھیں ضعیف احادیث سے معلوم ہوتی ہیں، اعمال کی فضیلتیں انھیں ضعیف احادیث سے معلوم ہوتی ہیں، ترغیب و ترہیب کی بہت سی باتیں انھیں احادیث سے معلوم ہوتی ہیں ۔ وللہ الحمد اولاً و آخراً واصلی واسلم علی النبی الکریم ۔

---

وہ حدیث یہ ہے من احیی لیلتی العیدین لم یمت قلبہ حین یموت القلوب، یعنی جو شخص عیدین کی راتوں کو جاگ کر گذارے یعنی عبادت میں معروف رہے تو جب دوسروں کے دل مردہ رہیں گے تو اس کا دل مردہ نہیں رہے گا۔ (کتاب الاذکار ص ۲۴۹)

محمد ۱۰ جمل مفتاحی

نورالدین نوراللہ الاعظمی

# تم پر بلائیں وآفات کیوں نازل ہوتی ہیں؟

آج ہر شخص پوچھتا ہے کہ " برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر " والا معاملہ کیوں ہے؟ مسلمان قوم خاص طور پر ہر قسم کی آسمانی وزمینی مصیبتوں کا شکار ہے، اس کا جواب اگر ہم اپنی طرف سے دیں تو اس میں ہزار طرح کے احتمالات ہوں گے، کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہمارا جواب صحیح ہی ہو، تو آپ اس کا جواب سچے خدا کے سچے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور اس کے راوی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فعلت التی خمس عشرۃ خصلۃ حل بھا البلاء۔ یعنی جب میری امت پندرہ کاموں میں مبتلا ہوگی تو اس پر مصیبت نازل ہوگی۔

لوگوں نے عرض کیا وہ پندرہ کام کیا ہیں، تو آپؐ نے فرمایا :

(۱) اذا کان الغنم دولا ۔ جب مال پر ایک قوم کا قبضہ ہوگا، یعنی مالدار اور منصبوں والے فقراء اور غرباء کے حقوق کو ہڑپ کرنا شروع کر دیں گے۔

(۲) والامانۃ مغنما ۔ لوگ امانتوں میں خیانت کریں گے، یعنی اگر کسی نے کسی کے پاس اپنا سامان حفاظت اور امانت کے طور پر رکھا ہے تو اس پر اپنا قبضہ جمالیں گے، جس کا

مال ہے اس کو واپس نہیں کریں گے۔

(۳) والزکوٰۃ مغرما ۔ یعنی جب لوگوں پر زکوٰۃ کا نکالنا شاق ہوگا۔

(۴) واطاع الرجل زوجتہ ۔ یعنی لوگ بیوی کی اطاعت کریں گے کہ اسکی ہر بات خواہ اس میں شریعت کی مخالفت ہی کیوں نہ ہو مانتے چلے جائیں گے۔

(۵) وعق امہ ۔ یعنی لڑکا اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔

(۶) وبر صدیقہ ۔ اور اپنے دوستوں کو قریب کرے گا ان کے ساتھ اچھا معاملہ کریگا۔

(۷) وجفا اباہ ۔ اور اپنے باپ کے ساتھ ظلم وجور کا معاملہ کرے گا اسکو دور رکھے گا۔ یعنی دوستوں کی وجہ سے اپنے باپ کا نافرمان ہوگا، دوستوں کو باپ پر ترجیح دیگا۔

(۸) وارتفعت الاصوات فی المساجد ۔ اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی، یعنی مسجدوں میں لایعنی باتیں اور شور وشرابا ہوگا۔

(۹) وکان زعیم القوم ارذلھم ۔ یعنی جب قوم کا سردار قوم کا ذلیل آدمی ہوگا، یعنی اونچے مناصب اور عہدوں پر خسیس قسم کے لوگ قبضہ جمالیں گے۔

(۱۰) واکرام الرجل مخافۃ شرہ ۔ اور آدمی کا اکرام واعزاز اور اس کی عزت اس کے شر کے خوف سے ہوگی، یعنی وہ اتنا شرپسند اور بدمعاش آدمی ہوگا کہ لوگ مجبور ہوکر اس کی عزت کریں گے تاکہ اس کے شر اور اس کی بدمعاشیوں سے وہ محفوظ رہیں اور وہ ان کو نقصان نہ پہونچائے۔

(۱۱) وشربت الخمور ۔ یعنی شراب پی جائے گی۔

(۱۲) ولبس الحریر ۔ یعنی بلاضرورت مرد بھی ریشم کا استعمال کرے گا اور ریشمی کپڑا پہنے گا۔

(۱۳) واتخذت المغنیات ۔ اور گانے بجانے والی عورتوں کو لوگ بلائیں گے۔

(۱۴) والمعازف ۔ یعنی گانے بجانے کے سامانوں کا استعمال ہوگا۔

(۱۵) ولعن آخر ھذہ الامۃ اولھا ۔ یعنی پچھلے دور کے لوگ اپنے اگلے

دور کے لوگوں کو برُا بھلا کہیں گے ، یعنی نا خلف لوگ اسلاف کرام ، بزرگان دین ، صالحین امت ، ائمہ فقہ وحدیث کے خلاف بدزبانیاں کریں گے اوران کے راستہ سے دور ہوں گے اوران کی اتباع و اقتدار نہیں کریں گے ۔

آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلیرتقبوا عند ذلک ریحًا حمراء او خسفا او مسخا ۔ (ترمذی)

یعنی جب ان امور کا ظہور ہوگا تو تم لوگ انتظار کرو کہ لال ہوا چلے گی ، یا زمین دھنسے گی ، یا لوگوں کی شکلیں بگاڑ دی جائیں گی ۔

اور دوسری روایت میں ہے ، وزلزلۃ ، یعنی زلزلہ آئے گا ، وقذفًا ، یعنی آسمان سے پتھر برسے گا ۔

ہمیں اس حدیث کی روشنی میں اپنے حالات کا جائزہ لے کر اپنے سوال کا جواب معلوم کر لینا چاہئے کہ آج ہم پر آفتیں اور مصیبتیں کیوں ٹوٹی پڑ رہی ہیں ۔

---

بقیہ ص۵۵ کا ۔

یا جن کا ذکر امام ترمذی نے کیا ہے ان کی تقلید کیوں نہیں کی ، شوکانی صاحب کی تقلید کیوں کی جو کہ تیرھویں صدی کے عالم ہیں ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

---

مجلہ ۱۰۔ جمل مقتاحی

طٰہٰ شیرازی

# خمارِ سلفیت

## حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما پر مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری کی تعریض

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی حضرت عائشہ اور حضرت عثمان کا صحابہ میں کیا مقام تھا ؟

باپ ۔ بیٹا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، حضرت عائشہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سب سے دلاری بیٹی تھیں، ہمارے حضور پاک کی سب سے دلاری بیوی تھیں، انکی پاکیزگی پر خدا کی طرف سے شہادت اتری، یہ صحابیات میں سب سے بڑی عالمہ اور فقیہہ تھیں۔ اور حضرت عثمان تو وہ تو خلیفہ راشد ہی تھے، جس کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔

بیٹا ۔ اباجی پھر ایسے صحابہ کرام پر طنز کرنا، تعریض کرنا، چھینٹا اڑانا کسی اہل سنت کا کام ہو سکتا ہے ؟

باپ ۔ ہرگز نہیں بیٹا، یہ کام تو شیعہ کرتے ہیں، ان کے دلوں میں بغض صحابہ ہوتا ہے۔

بیٹا۔ اباجی، مبارکپور کے ہمارے محدث صاحب تو بہت بڑے اہلحدیث تھے، بہت بڑے عالم تھے۔

باپ۔ جی بیٹا بہت صحیح کہا تم نے، ان کی شہرت کا اور ان کی علمیت کا ڈنکا بجا ہوا ہے۔

بیٹا۔ اباجی، ان کی کتاب تحفۃ الاحوذی کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے ؟

قلت من شان متبعی السنن النبویۃ ومقتفی الآثار المصطفویۃ ان یلازموا القصر فی السفر .......... ولاحاجۃ لھم ان یتموا فی السفر ویتأولوا کما تاولت عائشۃ وعثمان رضی اللہ عنھما۔

(تحفۃ ص ۱۲۳۸۳)

باپ۔ بیٹا، کیا یہ تحفہ میں مولانا مبارکپوری نے لکھا ہے ؟

بیٹا۔ جی اباجی، تحفہ جلد ایک کا صفحہ تین سو تراسی دیکھ لیجئے، اباجی آپ کو تعجب کیوں ہے، آپ کے چہرے سے کچھ پریشانی بھی ظاہر ہو رہی ہے، کیا اس عبارت میں کوئی خاص بات ہے؟

بیٹا۔ بیٹا اس عبارت میں تو حضرت عائشہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر بڑی سخت تعریض ہے کہ یہ لوگ آنحضورؐ کی سنت کی اتباع کرنے اور آپ کی احادیث کی پیروی کرنے والے نہیں تھے۔

بیٹا۔ اباجی اس عبارت کا ترجمہ تو کر دیجئے تاکہ مولانا کہنا کیا چاہتے ہیں واضح تو ہو جائے۔

باپ۔ بیٹا۔ ابھی شیخ کلو اور شیخ جمن کے آنے کا وقت ہو گیا ہے، یہ دونوں اگر مولانا کی عبارت کا ترجمہ دیکھ لیں گے تو مولانا سے بیزار ہو جائیں گے اور ہماری جماعت کے بارے میں ان کا رخ بدل جائے گا، ان کی سلفیت ابھی ناپختہ ہے۔

بیٹا۔ اباجی، ہمارے علماء کے کلام میں بغض صحابہ کیوں جھلکتا ہے ؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا (۱)

---

(۱) مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی

# مولانا محمد جوناگڈھی غیر مقلد کی شیر مردی یا انکی دزدی

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی آپ کو کچھ معلوم ہے شیخ جمن نے مولانا محمد جوناگڈھی کا ترجمہ والا کلام پاک پڑھنا چھوڑ دیا ہے، اور اب وہ مولانا تھانوی صاحب کا ترجمہ پڑھا کرتے ہیں۔

باپ۔ بیٹا مجھے تو اس کی اطلاع نہیں ہے، شیخ جمن حفظہ اللہ تو ہمارے مولانا جوناگڈھی کے بڑے قائل تھے۔

بیٹا۔ اباجی، مگر اب وہ بات ختم ہو گئی، اب تو مولانا محمد جوناگڈھی کا نام آتا ہے اور وہ اپنا چہرہ پھیر لیتے ہیں، پیشانی پر غصہ کی شکن پڑ جاتی ہے۔

باپ۔ یہ بات ہوئی کیسے، کچھ بتاؤ تو سہی۔

بیٹا۔ اباجی وہ برسوں مولانا جوناگڈھی کا ترجمہ پڑھ رہے تھے کہ شیخ کلو پہونچ گئے ان کے ہاتھ میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ کلام پاک تھا، شیخ کلو نے شیخ جمن سے کہا کہ شیخ صاحب اصل پڑھو نقل کیوں پڑھتے ہو، پہلے تو شیخ جمن نے آستین چڑھائی، مگر کلو شیخ مصر تھے کہ مولانا جوناگڈھی کا ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب کے ترجمہ کی نقل ہے، تو انھوں نے شیخ کلو سے کہا کہ ثابت کرو، صرف دو مثال دو

---

اتباع کرنے والے اور آپ کی احادیث پر چلنے والے کی شان یہ ہونی چاہیئے کہ وہ سفر میں دو ہی رکعت قصر نماز پڑھیں، حضرت عائشہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے جس طرح تاویل کرکے سفر میں چار رکعتیں یعنی پوری نماز پڑھی تھیں اس طرح تاویل نہ کریں، اس میں ان دونوں صحابہ کرام پر صاف طنز ہے کہ یہ دونوں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اتباع کرنے والے اور آپکی حدیثوں پر عمل کرنے والے نہیں تھے۔

تو شیخ کلو نے کہا کہ دو نہیں چار مثال دے سکتا ہوں، دس دے سکتا ہوں،
بیس دے سکتا ہوں، پچاس دے سکتا ہوں، اب تو شیخ جن گھبرائے کہ اور
کہا آج تم صرف دو مثال دو، پھر دوسری مثالیں بعد میں دیتے رہنا۔

باپ، بیٹا پھر کیا ہوا، انھوں نے اس کی دو مثال دی۔

بیٹا۔ جی اباجی، ان کے پاس بہت سی مولانا جوناگڈھی کی چوری کی مثالیں تھیں،
انھوں نے ان میں سے دو مثال دو طرح کی دی، ایک مثال میں ذرہ برابر فرق نہیں
تھا اور ایک مثال میں صرف کیسا کو کیا کر دیا تھا۔

پہلی مثال یہ تھی، پارہ سات رکوع سات سورہ انعام آیت نمبر ۱۰ کا ترجمہ مولانا
جوناگڈھی نے کیا ہے۔

اور واقعی جو آپ سے پہلے پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزا کیا
گیا ہے، پھر جن لوگوں نے ان سے مذاق کیا تھا ان کو عذاب نے آگھیرا جس کا
وہ تمسخر اڑاتے تھے۔

یہ ترجمہ ہو بہو مولانا تھانوی کے ترجمہ کلام پاک سے لیا گیا ہے، ایک لفظ کا بھی
فرق نہیں ہے۔

مولانا تھانوی ترجمہ کرتے ہیں۔

اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزا کیا گیا
ہے، پھر جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا
وہ تمسخر اڑاتے تھے۔

باپ۔ دونوں ترجمہ میں ایک لفظ کا بھی فرق نہیں ہے، مولانا جوناگڈھی نے پورا ترجمہ
اڑا لیا۔

بیٹا۔ اباجی دوسری مثال ملاحظہ ہو: پارہ سات رکوع آٹھ سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۱ کا
ترجمہ مولانا جوناگڈھی کرتے ہیں۔

آپ فرما دیجئے، ذرا زمین میں چلو پھر دیکھو لو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔
مولانا تھانوی کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔
آپ فرما دیجئے ذرا زمین میں چلو پھرو پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔
ابا جی دیکھ لیجئے دونوں ترجموں میں ذرا بھی فرق نہیں ہے، بس مولانا جونا گڈھی نے کیسا انجام کو کیا انجام کر دیا ہے، ورنہ لفظ لفظ مولانا تھانوی سے لیا ہے۔
باپ۔ بیٹا اس کا علم صرف شیخ کلو اور شیخ جمن ہی تک رہے تو اچھا ہے ورنہ ہمارے مولانا صاحب کی پگڑی اچھل جائے گی۔
بیٹا۔ ابا جی مگر وہ طٰہٰ شیرازی تو بڑا گھاگ ہے وہ کہیں نہ کہیں سے معلوم کر ہی لیگا۔
ابا جی مولانا جونا گڈھی نے یہ شیر مردی کیوں دکھائی کیا انھیں معلوم نہیں تھا کہ "تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں"
باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

# شیخ جمن حفظہ اللہ کے پوتا کا عقیقہ (شیخ کلو حفظہ اللہ شریک نہیں ہوئے) عقیقہ میں پانچ دن کا بچہ ذبح کیا تھا

بیٹا۔ ابا جی
باپ۔ جی بیٹا۔
بیٹا۔ ابا جی شیخ جمن حفظہ اللہ کو پوتا ہوا ہے، بہت دنوں کے بعد ان کے چمن میں پھول کھلا ہے، کل اس کا عقیقہ تھا۔
باپ۔ جی بیٹا دعوت تو مجھے بھی وہ دے گئے تھے، میں جانا چاہ رہا تھا کہ شیخ کلو آگئے، پھر قصہ دوسرا چھڑ گیا، میں شریک نہ ہو سکا۔
بیٹا۔ ابا جی سنا ہے کہ شیخ کلو نے بھی شرکت نہیں کی تھی حالانکہ شیخ جمن حفظہ اللہ

اور شیخ کلو حفظ اللہ کا تو دن رات کا ساتھ ہے۔

باپ ۔ ہاں بیٹا، بات تو یہی ہے مگر شیخ جمن نے حرکت ہی ایسی کی تھی کہ وہ اس عقیقہ کی دعوت میں شریک نہیں ہوئے، اچھا ہوا میں بھی نہیں گیا کل وہ اسی قصہ کو سنا رہے تھے۔

بیٹا ۔ ابا جی قصہ کیا تھا؟

باپ ۔ بیٹا شیخ جمن حفظ اللہ نے کوئی بکرا یا بکری عقیقہ کے لئے خریدا نہیں بلکہ گزشتہ ہفتہ انکی بکری نے جو بچہ دیا تھا جو ابھی سات دن میں بھی دو دن کم یعنی صرف پانچ روز کا ہے اسی کا عقیقہ کیا تھا، اور جب ان سے کہا گیا کہ میاں اس بچہ کا عقیقہ میں ذبیحہ جائز نہیں ہے، تو انھوں نے کہا کہ ہمارے محدث مبارکپوری صاحب کا فتویٰ یہی ہے کہ عقیقہ میں جانور کتنے دن کا ہو اس کی کوئی شرط نہیں ہے۔

بیٹا ۔ ابا جی شیخ جمن حفظ اللہ نے ایسی ہی بے پر کی اڑائی ہوگی، بھلا مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب ایسی بات کہہ سکتے ہیں!

باپ ۔ نہیں بیٹا۔ شیخ جمن صحیح کہتے ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں عقیقہ والی حدیث ذکر کی ہے تو اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ عقیقہ میں وہی جانور ذبح کیا جائیگا جس کی قربانی ہوتی ہے، تو ہمارے مولانا مبارکپوری صاحب امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قد ورد فی احادیث العقیقۃ لفظ الشاۃ والشاتین مطلقا من غیر تقیید فاطلاق لفظ الشاۃ والشاتین یدل علیٰ انہ لا یشترط فی العقیقۃ ما یشترط فی الاضحیۃ۔

یعنی عقیقہ والی حدیثوں میں شاۃ یعنی بکری کا لفظ مطلق ہے، اس میں کوئی قید نہیں ہے، اور مطلق لفظ کا استعمال بتلاتا ہے کہ عقیقہ کے جانور میں وہ شرط نہیں ہے جو قربانی کے جانور میں ہوتی ہے۔

پھر بڑے پر زور لفظوں میں حضرت امام ترمذی کی تردید آستین چڑھا کر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

قلت لم یثبت الاشتراط بحدیث صحیح اصلا بل بحدیث ضعیف فالذین قالوا بالاشتراط لیس لهم دلیل غیر القیاس۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ عقیقہ کے جانور میں وہی شرط لگانا جو قربانی کے جانور کی ہوتی ہے کسی صحیح حدیث سے قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ ضعیف حدیث سے بھی نہیں ثابت ہے، جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کے پاس قیاس کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے۔

(ص ۳۶۵ ج ۲ تحفہ)

بیٹا۔ اباجی، یعنی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جن اہل علم کا ذکر کیا ہے وہ سب کے سب قیاس والے تھے، یہ بات تو مولانا مبارکپوری بڑی خطرناک فرما گئے، اب تو احناف خوش ہوجائیں گے۔

باپ۔ مولانا مبارکپوری بڑے غصہ میں بھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور آدمی جب غصہ میں ہو کر بات کرتا ہے تو اس کی زبان سے کیا نکلتا ہے اس کو پتہ نہیں چلتا کبھی ناگفتنی کو بھی گفتنی بنا دیتا ہے۔

بیٹا۔ اباجی مولانا مبارکپوری صاحب کا یہ طنطنہ کسی کے بل بوتے پر ہے یا ان کی یہ خود تحقیق اور ان کا اجتہاد ہے۔

باپ۔ بیٹا مولانا مبارکپوری صاحب اپنی شرح میں خود اپنی کوئی تحقیق برائے نام ہی پیش کرتے ہیں، وہ عام طور پر مقلدانہ گفتگو فرماتے ہیں، یہاں بھی انھوں نے شوکانی صاحب کی تقلید کی ہے، مبارکپوری صاحب نے شوکانی کی عبارت بھی نقل کی ہے، جس میں شوکانی نے اپنا یہ فیصلہ سنایا ہے۔ وھو الحق یعنی عقیقہ کے جانور میں کوئی شرط نہ لگانا ہی حق بات ہے۔

بیٹا۔ اباجی اگر مبارکپوری صاحب کو تقلید ہی کرنی تھی تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

بقیہ صفحہ پر

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابو بکر غازی پوری

# برطانیہ کا سفر

۲ر اگست ، رات بہت آرام سے گذری ، ساجد نام کا ایک نوجوان خدمت میں لگا رہا
صبح اٹھ کر معمول کے مطابق میں نے غسل کیا اور فجر کی نماز سے فارغ ہوا ، اس ساجد نے مجھے
چائے پر مدعو کیا تھا ، مجھے فجر سے پہلے بھی چائے پینے کی عادت ہے ، اگر یہ چائے مجھے اپنے
وقت پر مل جائے تو میرا دن بہت اچھا گزرتا ہے ، عزیزم مولوی سماعیل سلمہ نے ہر جگہ اس کا
اہتمام کیا تھا ، پورے سفر میں مجھے فجر سے قبل چائے ملنے کی شکایت نہیں ہوئی ، ہم نے ساجد
کے یہاں ناشتہ سے فراغت کی اور اپنے مستقر پر آگئے ، آج مجھے لیسٹر جانا تھا ۔
(LECTESTER) مولانا سلیم دھورات[۱] جو لیسٹر میں ایک دار العلوم چلاتے
ہیں ، انھوں نے اپنے شہر اور اپنے دار العلوم میں پروگرام رکھا تھا ۔

---

(۱) مولانا سلیم دھورات لیسٹر بلکہ اطراف وجوانب میں بھی بہت مقبول ومحبوب ہیں ، ان کے
دار العلوم میں دورہ تک کی تعلیم ہوتی ہے ، بخاری شریف کا درس خود مولانا سلیم صاحب دیتے
ہیں ، دار العلوم بری کے فارغ اور بہت باصلاحیت آدمی ہیں ، بہترین منتظم ہیں ، خوش اخلاق
وخوش گفتار ایسے کہ انکی صحبت میں خوب جی لگے ، ان سے مل کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی ، برطانیہ
میں خوب کام کر رہے ہیں ، حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودری سابق مہتمم جامعہ فلاح دارین ترکیسر سے

مولانا عبداللہ صاحب کاپودری سابق مہتمم دارالعلوم فلاح دارین گجرات کے صاحبزادے عزیزم مولوی سلمہ ہمیں لینے آنے والے تھے، وہ اپنے شہر بولٹن سے چل کر ٹھیک نو بجے دن میں اپنی گاڑی کے ساتھ ہمیں لینے پہنچ گئے، ہم لوگ بھی تیار ہی تھے سامان گاڑی پر رکھا گیا اور لسٹر کیلئے نکل پڑے۔ میں نے مولوی اسماعیل سلمہ سے کہا کہ (مانچسٹر شہر جہاں سے ہم لوگ روانہ ہورہے تھے) میں نے گھوم کر دیکھا نہیں ہے، اس لئے اس شہر سے نکلنے سے پہلے ہمیں اس کی سیر کرادو، انھوں نے کہا بہت اچھا پھر گاڑی شہر کے گرد چکر لگانے لگی، اس طرح ہم نے شہر کے بیشتر حصہ پر ایک سرسری سی نگاہ ڈال لی، یہ شہر برطانیہ کا بہت بڑا شہر ہے، اور بہت خوبصورت بھی، عمارتیں شاندار ہیں جو عام طور پر سرخ پتھر کی بنی ہوئی ہیں، عمارتوں میں شیشہ کا استعمال بہت کثرت سے ہوا ہے، اس شہر کی مختصر مگر پر لطف سیر کے بعد ہم شہر سے باہر لسٹر کیلئے نکلے، شاندار دوطرفہ سڑک پر گاڑیاں بڑی برق رفتاری سے آجارہی تھیں، کوئی گاڑی کہیں رکتی نہیں تھی سو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑی چل رہی تھی مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم پانی میں کشتی کا سفر کر رہے ہیں، نہ کہیں جھٹکا نہ ہچکولہ، نہ گاڑیوں کی کھڑ کھڑاہٹ، اور ہارن کی آواز برطانیہ میں راستے میں بلا ضرورت گاڑیوں کا روکنا یا سڑک کے کنارے کھڑی کرنا، یا گاڑی سے اتر کر جہاں چاہا پیشاب کرنا یہ سب باتیں قانوناً جرم ہیں، پیشاب پانی کے لئے جو راستوں میں جگہیں مخصوص ہیں بس انھیں جگہوں پر پیشاب پانی کیا جاسکتا ہے۔

دو گھنٹہ ہم چل کر لسٹر پہونچ گئے، مولانا سلیم دھودات کے مدرسہ "ریاض العلوم"

---

سورت گجرات کو اپنے مدرسہ کا مشیر و سرپرست بنا رکھا ہے، یہ بات خود اسکی دلیل ہے کہ ان کا مزاج علمی وانتظامی ہے ـــــ مولانا سلیم صاحب کا بھی یاروں نے کان بھر رکھا تھا کہ مولانا غازی پوری آرہے گے تو فتنہ کھڑا ہوگا، مگر ہوا یہ کہ مولانا سلیم صاحب سے جب ملاقات ہوئی اور میرا پروگرام ہوا تو انکی گرویدگی میرے ساتھ بڑھ گئی، اور میں بھی ان سے بہت متاثر ہوا، انکے دارالعلوم میں میرا بھی خوب جی لگا ـــ

میں آئے اسی جگہ ہمیں قیام کرنا تھا، اور یہیں سے تمام پروگرام طے ہونے تھے، اساتذہ اور طلبہ ہمارے منتظر تھے، جنھوں نے ہمارا والہانہ استقبال کیا، مولانا سلیم صاحب کسی کا نکاح پڑھانے گئے تھے، تھوڑی دیر میں وہ بھی آگئے تو مجلس باغ و بہار ہوگئی۔

جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں، مولانا سلیم صاحب بہت منتظم آدمی ہیں، انھوں نے ہمارا پروگرام پہلے سے مرتب کر رکھا تھا اور اشتہار کی شکل میں اہل علم کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا ظہر کے کھانے میں انھوں نے بہت سے علماء کرام اور ہند و پاک کی سربرآوردہ شخصیتوں کو مدعو کیا تھا، کھانے سے فارغ ہو کر ہم نے آرام کیا، عصر سے پہلے مجھے علماء کی مجلس سے خطاب کرنا تھا، تقریباً سو سے زائد برطانیہ کے مختلف حصوں سے علماء جمع ہوگئے تھے، الحمدللہ ایک گھنٹہ ان علماء کرام کے درمیان خطاب ہوا تھا، جس میں فتنہ سلفیت کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا گیا، لوگوں نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے میری تقریر سنی پھر جواب و سوال کا سلسلہ شروع ہوا جس کا سلسلہ دراز ہوتا جارہا تھا، عصر کی اذان ہوگئی اور یہ مجلس برخواست ہوئی، عصر کی نماز پڑھ کر ہم ایک پارک میں تفریح کے لئے گئے، مغرب کی نماز کے بعد علمائے کرام کا پھر کھانے پر اجتماع ہوا، مولانا سلیم صاحب کی دلچسپ اور پرکشش شخصیت کی وجہ سے علماء کرام کا بڑا اچھا اجتماع تھا، ہند و پاک کے بہت سے علماء کرام سے تعارف ہوا۔

ایک بزرگ حکیم اختر صاحب کراچی کے ہیں، سلسلہ تصوف کے مشہور بزرگ ہیں، برطانیہ و افریقہ میں ان کا اچھا خاصا حلقہ ہے، سلسلہ تھانوی سے منسلک ہیں اور مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے خلیفہ ہیں، معلوم ہوا تھا کہ وہ تشریف لائے ہیں، اور اسی لسٹر شہر میں مولانا ایوب صاحب سورتی کے مکان پر تشریف فرما ہیں، مغرب بعد کھانا سے فارغ ہو کر ان سے ملنے جانا ہوا، اتفاق سے ساؤتھ افریقہ کے مولانا عبدالحمید صاحب مہتمم دارالعلوم آزادویل سے بھی یہیں ملاقات ہوگئی[1] چونکہ نماز کا وقت بہت قریب تھا،

---

(۱) مولانا عبدالحمید صاحب مولانا حکیم اختر صاحب کے خلیفہ ہیں اور ساؤتھ افریقہ سے مولانا سے ملنے

اس وجہ سے کوئی تفصیل بات نہ ہوسکی، عشاء کی نماز کے فوراً بعد میں واپس ہوگیا۔

یہاں مدرسہ میں طلبہ واساتذہ میرا انتظار کر رہے تھے، ان کے ساتھ سوال وجواب کی دیر رات تک مجلس رہی، ان کے سوالات سے اندازہ لگ رہا تھا کہ میری باتیں سننے کے بعد ان حضرات کو سلفیت کے موضوع سے دلچسپی ہوگئی۔

۳ ر اگست :- آج صبح فجر بعد مولانا سلیم صاحب نے تفریح کا پروگرام بنایا تھا چنانچہ ہم فجر کی نماز سے فارغ ہوکر نکلے ساتھ میں مولانا اسماعیل صاحب کے علاوہ عزیزم مولوی مرغوب لاجپوری سلمۂ بھی تھے، ہم لوگ ایک پارک میں گئے، جس کا منظر بہت خوبصورت تھا ہر طرف جھاڑیاں اور ہریالیاں تھیں، ان جھاڑیوں کے بیچ و بیچ ایک نہر بہ رہی تھی، مگر بالکل سناٹا تھا، دو ایک انگریز اپنے کتوں کے ساتھ نظر آئے، ورنہ ہو کا عالم تھا، صبح خیزی کے لئے اللہ نے فجر کی نماز رکھی ہے، اگر مسلمان نماز کا پابند ہو تو وہ فجر کی نماز کے لئے اٹھے گا۔ صبح خیزی صحت کے لئے بھی بہت مفید ہے، شریعت میں فجر کی نماز کے بعد سونا پسندیدہ عمل نہیں ہے، غالباً اس کی وجہ یہی ہے کہ صبح کی صاف وشفاف اور صحت بخش ہوا سے انسان بھر پور فائدہ اٹھائے تاکہ صحت و تندرستی برقرار رہے۔

ہم یہاں تقریباً پون گھنٹہ تک رہے، پھر دارالعلوم واپس آگئے، آج پورا دن کوئی پروگرام نہیں تھا، اس لئے سونا خوب ہوا، ایک صاحب نظام الدین نامی جو ملاوی کے باشندہ ہیں اور لسٹر میں ایک نرسری اسکول چلاتے ہیں، یہ اسکول بھی مولانا سلیم صاحب کی نگرانی میں چلتا ہے، ان سے وعدہ تھا کہ وہ ہمیں اپنا اسکول دکھلانے لیجائیں گے۔

---

تشریف لائے تھے، مولانا عبدالحمید صاحب کا تفصیل سے ذکر سفر جنوبی افریقہ کی روداد میں ہو چکا ہے۔ بہت نیک اور متواضع، اللہ والے انسان ہیں، ہر وقت تبسم ان کے لب کی زینت بنا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ساؤتھ افریقہ میں دین واشاعتِ علم کا بڑا کام لے رہا ہے، ان کا دارالعلوم ساؤتھ افریقہ کا دوسرا بڑا دارالعلوم ہے۔

ساڑھے چار بجے وہ تشریف لائے ان کے ساتھ ہم نے ان کا اسکول دیکھا، یہ ابھی ابتدائی مرحلہ میں تھا، مگر اس کا نظم و انتظام دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ یہ بہت عمدگی سے نرسری اسکول چلا رہے ہیں، ان کے کام میں ان کی اہلیہ بھی ان کی معاون ہیں، جب ہم اسکول دیکھ کر واپس ہوئے تو دارالعلوم ریاض العلوم کے طلبہ ہمارے منتظر تھے، ان کے ساتھ مختصر سی مجلس رہی جس میں سوالات و جوابات ہوتے رہے۔

برطانیہ میں سعودی وغیر سعودی شیوخ کی بہت آمد رہتی ہے، بسا اوقات ائمہ حرمین شریفین بھی تشریف لاتے ہیں، ان حضرات کی آمد کی وجہ سے دین و دعوت کا کام تو کم ہوتا ہے، البتہ نوجوانوں کا ذہن بہت خراب ہوتا ہے۔ سعودی مشائخ کے نزدیک سلفیت کا پرچار ہی اصل دین کی دعوت ہے۔ دین کی دوسری باتیں تو گویا دین کا کام ہی نہیں ہیں، خود ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی طرح پر وہ دین کے سچے اور مخلص داعی نظر نہیں آتے ہیں، عیاشانہ زندگی بسر کرنے کے عادی ہیں، شاندار ہوٹلوں میں قیام رہتا ہے، کھانے پینے پر بے دریغ پیسے لٹاتے ہیں، نمازوں کو فرض تک محدود کر دیا ہے کھانے پینے اور پہننے کی سنتیں ان کی زندگی سے غائب رہتی ہیں، اپنے علاوہ تمام مسلمان ان کو مشرک و بدعتی ہی نظر آتے ہیں، مگر چونکہ ان کا تعلق عرب ملکوں سے ہوتا ہے خصوصًا اگر ائمہ حرمین میں سے کوئی ہو تو پھر پوچھنا ہی کیا، اس وجہ سے نوجوان طبقہ ان سے متاثر ہوتا ہے، خصوصًا کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے نوجوانوں کی زندگی میں انکی چھاپ فوراً پڑتی ہے اور دین سے آزادی و بے پروائی ان کی زندگی کا جز بن جاتی ہے، اسلاف وائمہ دین سے ان کا تعلق کمزور ہو جاتا ہے، اور کتاب و سنت کا نام لے کر ہر شخص خود دین میں دخل دینے کا حق رکھتا ہے۔

اس صورت حال سے برطانیہ میں جو علمائے حق ہیں وہ بہت پریشان ہیں، اس وجہ سے مولانا سلیم صاحب نے خاص ایک پروگرام ان کالجوں کے طلبہ کے لئے بنایا تھا، آج مغرب بعد میں پروگرام تھا، مولانا سلیم صاحب نے کہا کہ کالج کے یہ نوجوان آپ سے سوالات زیادہ

کریں گے، مولانا سلیم صاحب کی جادوئی و دلکش شخصیت کا یہاں بھی مظاہرہ ہو رہا تھا،
بہت بڑی تعداد میں کالج اور یونیورسٹی کے ہر سطح کے طلبہ جمع ہو گئے تھے، بعد مغرب میری
تقریر شروع ہوئی، یہ بڑا موقر اجتماع تھا، میری طبیعت بھی خوب کھلی اور ان سے خطاب
ہوا، سامعین کے چہروں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ میری بات سمجھ رہے ہیں، سلفیت
اور غیر مقلدیت کے بارے میں ان کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں، بہت سی باتوں
سے ان کے کان بالکل نا آشنا تھے، اور جب یہ باتیں ان کے کانوں میں مستند حوالوں
سے پڑیں تو یہ چونک گئے، تقریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ دیر تک رہا، الحمد للہ
یہ حضرات اپنے سوالات کے جوابات پاکر مطمئن ہوئے، اور بعضوں نے کچھ اس طرح تبصرہ
کیا کہ اگر مولانا انگریزی کی طرف صرف چھ ماہ توجہ کریں تو انگریزی سیکھ سکتے ہیں اور ہم براہ
راست مولانا سے استفادہ کر سکیں گے۔

میں اردو میں تقریر کر رہا تھا اور اس کا ترجمہ ریاض العلوم کے ایک استاد نے کیا تھا۔
ان کا ترجمہ بڑا رواں دواں تھا، میری بات کو وہ بہترین انداز میں پیش کر رہے تھے، ان
کے ترجمہ اور ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ ان کی انگریزی تو بہت اچھی ہے ہی، ان کی علمی
صلاحیت بھی بہت ٹھوس اور پختہ ہے۔ مولانا سلیم صاحب نے بعد میں بتلایا کہ یہ مقرر
نہیں ہیں مگر جب تقریر کرتے ہیں تو ان کے انگریزی طرز خطابت اور زبان سے لوگ بہت
متاثر ہوتے ہیں، میری باتوں کو ان جوانوں کے لئے موثر بنانے میں اس ترجمہ کا بھی بڑا
دخل تھا، میں نے ان نوجوان فاضل سے عرض کیا کہ اگر آپ تھوڑی سی توجہ کریں تو سلفیت
کے موضوع پر آپ بہت عمدہ گفتگو کرتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ اس دارالعلوم میں مجھے متعدد
بڑے ذی صلاحیت افراد نظر آئے یہاں تک کہ میں نے بلا تکلف مولانا سلیم صاحب
سے عرض کیا کہ ان نوجوانوں کی صلاحیت دیکھ کر میری خواہش ہوتی ہے کہ میں آپ کے مدرسہ
میں کسی دوسرے موقعے سے کچھ طویل قیام کروں اور ان کو عربی زبان و ادب میں اور غیر مقلدیت
کے موضوع پر تیاری کراؤں۔

آج ہی مغرب بعد مولانا سلیم صاحب نے ایک مسجد میں بھی میرا پروگرام رکھا تھا، یہاں میرا مختصر ابیان ہوا، یہاں سے فارغ ہوا تو مولانا سلیم صاحب نے کہا کہ آپ نے بڑی مختصر تقریر کی میں نے عرض کیا کہ سامعین بس گنتی کے تھے، تو انھوں نے بتلایا کہ اگر مسجد میں آپ کو سننے والے کم نظر آئے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کی تقریر کو سنا نہیں جارہا تھا، یہاں بیشتر گھروں میں ایک خاص آلہ کے ذریعہ آواز پہونچتی ہے، آپ کی تقریر کو لوگ شوق سے سن رہے تھے مگر گھر میں رہ کر۔ اس بات کا علم اگر مجھے پہلے ہوتا تو میری تقریر کچھ مزید جاری رہتی۔

عشار بعد میری قیامگاہ میں دارالعلوم کے طلبہ جو زیادہ تر اونچی کلاس کے تھے جمع ہو گئے اور تقریباً بارہ بجے رات تک رہے، ان کے سوالات مختلف قسم کے تھے جن کا جواب میں دیتا رہا۔ یہ طلبہ کچھ ایسے گرویدہ ہو گئے تھے کہ میرے پاس سے اٹھنا ان پر بڑا شاق تھا مگر مولانا سلیم صاحب نے کہا کہ اب مولانا کو آرام کرنے دو تو یہ طلبہ گئے۔

انھیں طلبہ میں سے ایک نے اس مجلس میں ایک دلچسپ سوال کیا اس نے پوچھا کہ مولانا آپ کی عمر کتنی ہے؟ میں نے کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ میری عمر ستر سال کی ہے تو آپ کو کیا ملے گا اور اگر یہ کہوں کہ میری عمر پندرہ سال کی ہے تو آپ کا نقصان کیا ہوگا، اس لڑکے نے اس کا بڑا دلچسپ جواب دیا، اس نے کہا کہ جب آپ بات کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ پندرہ سال کے ہیں اور جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ ستر سال کے معلوم ہوتے ہیں، میں اس کی حاضر جوابی سے بہت مسرور ہوا، اصل میں بچوں کے ساتھ میرا بے تکلف ہو جانے کے انداز پر ان طلبہ کو تعجب ہو رہا تھا کہ یہاں جو مشائخ آتے ہیں بہت لئے دیے رہتے ہیں، میں اس کا عادی نہیں ہوں، مجھے طلبہ کے ساتھ بے تکلفی پسند ہے تاکہ وہ بلا کھٹک استفادہ کر سکیں، اور پھر لئے دیے وہ رہے جو کچھ ہو میرا حال یہ ہے کہ عالم نہ پیر، نہ مقرر نہ مصنف بس اللہ نے اپنا فضل فرمایا ہے کہ میرے ہزاروں عیوب اور کمیوں کو لوگوں کی نگاہ سے اوجھل کر دیا ہے، میری اپنی حیثیت کیا ہے میں خوب جانتا ہوں۔

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونے والا دوماہی
دینی و علمی مجلہ
زمزم
جلد ۸
رجب ، شعبان ۱۴۲۶ھ
شمارہ ۴
مُدیر مسئول و مُدیر التحریر
محمد ابوبکر غازیپوری
سالانہ چندہ ———— ۷۰/ روپے
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی
پتہ
مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ غازیپور یوپی
پن کوڈ ـ ۲۳۳۰۰۱
فون نمبر ۰۵۴۸۲۲۲۲۸۵۷

# فہرستِ مضامین

## اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عراق آج اپنی تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے، خودکش دستوں کے ذریعہ عراقی افواج اور امریکی افواج کا زبردست نقصان ہورہا ہے، عمارتیں تباہ ہورہی ہیں، بازار ویران ہورہے ہیں، آمدورفت میں زبردست رکاوٹ پیدا ہوچکی ہے، عراقی عوام دہشت زدہ ہیں، راتوں کو آرام کی نیند سے محروم ہیں، کبھی خودکش دستوں کا خوف انھیں ستاتا ہے تو کبھی امریکی افواج کے حملوں سے وہ دہشت زدہ رہتے ہیں، خون ارزاں ہوچکا ہے، جانوں کی قیمت نہیں رہ گئی ہے، ہر طرف خوف ہر طرف افرا تفری کا ماحول ہے۔

امریکہ نے عراق کو لقمہ تر سمجھا تھا، مگر اب اس کا خواب چکنا چور ہوگیا ہے، اور عراق اس کے گلے کی ہڈی بن گیا ہے، امریکی بش سے سوال کرتے ہیں کہ عراق میں کیا ہورہا ہے؟ عراق کا مستقبل کیا ہے، ہماری فوجوں کے نقصانات کا اندازہ کیا ہے کتنا نقصان ہوچکا ہے؟ ان سوالات کا جواب بش انتظامیہ کے پاس نہیں ہے، اور مسلسل جھوٹ بول کر اور اپنی کامیابی کا پروپیگنڈہ کرکے امریکی عوام کو بش بہکا رہا ہے، دھوکا دے رہا ہے، مگر امریکی عوام میں جو بےچینی پیدا ہوچکی ہے وہ تھم نہیں رہی ہے، اور بش کے تئیں امریکی عوام کا غصہ برابر بڑھتا جارہا ہے۔

امریکی میڈیا پر یہودیوں کا قبضہ ہے، اور وہ بش کا پورا حامی ہے، اس وجہ سے بہت سے حقائق اُجاگر نہیں ہو پاتے، مگر آج کے زمانہ میں کسی چیز کا بہت دیر تک چھپانا ناممکن ہے، امریکی افواج کا نقصان کتنا ہو چکا ہے، اور ہر روز کتنا ہوتا ہے، زخمیوں کی تعداد کتنی ہے، بش حکومت اس پر پردہ ڈالے ہوئے ہے، اور اپنی افواج کا نقصان ہزار سوا ہزار سے زیادہ نہیں بتلاتی ہے، مگر خود امریکی اخبار یہ لکھ رہے ہیں کہ عراق پر امریکی فوجوں کے قبضہ کے بعد سے اب تک پندرہ ہزار امریکی فوجی مر چکے ہیں، پچیس ہزار سے زیادہ زخمی ہو چکے ہیں، لاس اینجلس ٹائمز امریکہ کا مشہور اخبار ہے اس نے یہ خبر شائع کی ہے، اور بش انتظامیہ کو چیلنج کیا ہے کہ وہ اپنے ہلاک اور زخمی فوجیوں کی اصل تعداد شائع کرے۔

امریکی کانگریسی اراکین نے عراق کا دورہ کرنے کے بعد دو سو صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ پیش کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عراقی مزاحمین کے ہاتھوں روزانہ دس امریکی ہلاک اور کم از کم اٹھارہ زخمی ہو رہے ہیں، یہ رپورٹ اس وقت کی ہے جب یہ مزاحمت کار غیر منظم تھے، اب یہ بہت منظم ہو چکے ہیں، اس وجہ سے امریکی ہلاکین اور زخمیوں کی تعداد بھی بہت بڑھ چکی ہوگی۔ (۱)

خدا نے چاہا تو عراق کی سرزمین پر امریکیوں کے قدم جم نہیں سکیں گے، عراق میں امریکہ کے لئے صورت حال بہت خراب ہو چکی ہے، اور دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے، اور شاید یہ عراق امریکہ کے لئے سبق بن جائے کہ وہ دوسرے مسلم ممالک پر اپنی دست درازی کا سلسلہ روک دے، اگر ایسا ہو گیا تو یہ عراقی مزاحمت کاروں کی بہت بڑی فتح ہوگی۔ اور امریکہ کی بدترین شکست ہوگی۔

امریکہ خود کو دنیا کا سب سے مہذب ملک سمجھتا ہے، مگر وہ کتنا بڑا مہذب ملک ہے اس کا اندازہ اس کی افواج کے اس سلوک سے ہوتا ہے جو اسکے زیر نگراں

---

(۱) یہ تفصیل بشکریہ ماہنامہ ہدایت جے پور دی گئی ہے۔

جیلوں میں طالبان قیدیوں کے لئے روا رکھا جا رہا ہے، ایسا سلوک جس سے انسانیت کا سر شرم سے جھک جائے اور جس کا زبان پر لانا بھی مشکل ہے، خیر یہ تو ہو ہی رہا تھا، اب ان ظالم اور بے حیا اوباش امریکی فوجیوں نے قرآن کریم پر دست درازی کی ہے اور اس کی حرمت کو پامال کیا ہے، آج کل ہند و پاک میں اس پر مسلسل احتجاج ہو رہا ہے۔

کسی قوم کی مذہبی کتاب کے ساتھ بے حرمتی کا معاملہ کرنا انسانیت و شرافت سے بعید تر بات ہے، مگر امریکی افواج انسانیت سے ننگی ہو چکی ہے اور وہ ہر گندہ کام کر کے اپنا سینہ فخر سے پھولاتی ہے جس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں اور امریکی انتظامیہ اس طرح کی حرکات پر دو چار مگرمچھ کے آنسو بہا کر خاموش ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم کے اوراق کو مسلمان قیدیوں کے سامنے بیت الخلاء میں ڈالنے کا جو بھیانک جرم امریکی افواج نے کیا ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، اس کا اثر بہت دور رس ہوگا، اور اس کا خمیازہ امریکہ کو بھگتنا ہوگا۔

ہمیں اس کا افسوس ہے کہ پاکستان کے علاوہ کسی اور مسلمان ملک نے امریکی افواج کے اس غیر انسانی و غیر شریفانہ رویہ کے بارے میں کوئی قابلِ ذکر احتجاج نہیں کیا ہے، عرب ممالک کے منہ تو بالکل بند ہیں کسی عرب سربراہ مملکت کا ایک بیان بھی اس کی مذمت میں نظر سے نہیں گذرا، عرب ممالک کس قدر بے حس ہو چکے ہیں ان کی اس مجرمانہ خاموشی سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

تعجب تو یہ ہے کہ وہ خادم الحرمین الشریفین جن کے بارے میں ہماری خوش گمانیاں حد کو پہونچی ہیں اور جن کو ہم حرم کا پاسبان سمجھتے ہیں، امریکی افواج کے ہاتھوں قرآن کی بے حرمتی نے ان کے بھی شعور و احساس کو نہیں جھنجھوڑا اور امریکہ کے سامنے ان کا رویہ بھی بھیگی بلی کا ہے۔

اگر عرب ممالک میں ذرا بھی اسلامی غیرت و دینی حمیت ہوتی اور ان کی طرف سے

امریکی افواج کی قرآن کے بارے میں اس بیہودہ حرکت پران کی طرف سے واقعی احتجاج ہوتا تو امریکہ کو ہوش کے ناخن لینے پڑتے، مگران سربراہان مملکت نے اپنے آپ کو امریکہ کے ہاتھوں بیچ رکھا ہے، ان کے بدن پر صرف عربی جبہ وعقال نظر آتا ہے، عربوں کی شجاعت اور دین کی حمیت سے یہ بالکل کورے ہیں، بے حس ہیں، بے غیرت ہیں، خدا اپنی پاک کتاب کے بارے میں ان کی اس مجرمانہ غفلت وخاموشی کو معاف نہیں کرسکتا۔

---

گودھرا فساد گجرات کی مودی حکومت کا وہ سیاہ کارنامہ ہے جس کو انسانی تاریخ بھلا نہیں سکتی، اس ظالم آدمی کے اشارے پر ہزاروں گھر اجڑ گئے، ہزاروں مارے گئے، کروڑوں اور اربوں کی املاک تباہ ہوئیں، مرکز میں بی جے پی حکومت تھی، یہ مودی کو اندر سے شاباشی دیتی رہی، مودی فرعون بنا رہا، اس کو جیل کے پیچھے ہونا چاہئے تھا، مگر اب بھی گجرات کا وزیر اعلیٰ بنا بیٹھا ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ تقریباً پونے دو سو مسلمان نوجوان پوٹا کے تحت گرفتار ہیں، ان کا قصور کچھ نہیں، مگران کو زبردستی قصور وار قرار دیا جارہا ہے، اور وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے مظلومانہ زندگی گزار رہے ہیں، کانگریس کی حکومت آنے کے بعد توقع کی جارہی تھی کہ ان مظلومین کو انصاف ملے گا اور جیل سے نکل کر اپنے گھر واپس ہوں گے، نئی حکومت بنے مدت گزرگئی مگران قیدیوں کی رہائی اب تک عمل میں نہیں آسکی، پوٹا قانون ختم ہوگیا ہے، مگر یہ مظلومین اب بھی اسی قانون کے تحت جیل میں ہیں، وزارت داخلہ کے عہدے پر مرکزی حکومت میں جو صاحب سرفراز ہیں ان کا ذہن بی جے پی والا ہے، یہ ایڈوانی کے اشارہ پر کام کرتے ہیں، یہ نہیں چاہتے کہ ان مظلومین کی رہائی ہو اب تک صرف تین افراد کو چھوڑا گیا ہے تقریباً ایک سو سترؔ اب بھی جیل کی چہار دیواری کے پیچھے ہیں، اور جو سازش رچی گئی ہے خدانخواستہ اگر یہ کامیاب ہوگئی تو ان سب کو پھانسی کی سزا ہوسکتی ہے، اگر ایسا ہوا تو کانگریس کو مسلمان کبھی معاف نہیں کرسکیں گے، ابھی بابری مسجد کا داغ جو اس پر لگا ہے

وہ دھلا نہیں ہے، اور اس کی سزا اب تک کانگریس بھگت رہی ہے، اگر گجرات کے ان مظلوموں کی رہائی جلد نہیں ہوتی ہے اور عدالت ان کے خلاف فیصلہ کرتی ہے تو یہ کانگریس کے لئے موت ہوگی۔

جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ داران جان و مال سے ان مظلومین کی دادرسی میں لگے ہوئے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو کامیاب کرے، اور یہ مظلومین جیل کی چہار دیواری سے جلد اپنے گھروں کو باعزت واپس لوٹیں۔

---

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کا حادثۂ وفات۔

اس شمارہ کا اداریہ لکھا جاچکا تھا کہ اطلاع ملی کہ ۱۷ مئی ۲۰۰۵ء کی شب میں ہندوستان کے مایہ ناز عالم دین اور مشہور پیر طریقت اکابر کی یادگار نمونۂ سلف حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے برصغیر میں آخری خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کا انتقال ہوگیا اور وہ اپنے رب کی رحمت کے جوار میں جا سوئے۔

ملت اسلامیہ کے لئے یہ حادثہ بڑا جانکاہ ہے جس کا تحمل آسان نہیں ہے، مولانا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے، امت کے لئے فکر مند اور تڑپنے والے تھے، ان کی اصلاح کا ایک خاص انداز تھا، جس میں ان کی تجدیدی شان جھلکتی تھی، حضرت تھانویؒ کا طریقہ اصلاح انھیں کی ذات سے قائم تھا۔

قرآن سے ان کا عشق و تعلق دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، قرآن صحیح پڑھا جائے اس کا ان کو بڑا اہتمام تھا اور اس کی بڑی فکر تھی، ان کے ذریعہ قرآن کی صحیح تعلیم کا رواج خوب ہوا، آج مدرسوں میں جو صحیح قرآن پڑھنے کا ذوق عام ہوا ہے، اس میں مولانا کی فکر مندی کا بڑا دخل ہے۔

مولانا بہت نفیس الطبع تھے، اور دوسروں کو بھی خصوصاً اہل علم کو اپنے ہی جیسا نفیس الطبع دیکھنا چاہتے تھے۔

عمر نوے کے قریب ہو چکی تھی، مگر اصلاح امت کا کام جاری تھا، عرصہ سے بیمار چل رہے تھے مگر سخت بیماری کے حملہ کے بعد بھی کئی دفعہ آپ بالکل اچھے ہو گئے اور آپ کے معمولات جاری رہے، اس وقت بھی بالکل ٹھیک ٹھاک تھے مگر خاموش ہو جانیوالے چراغ کی بھبھک تھی، یہ علم و معرفت کا چراغ بھی گل ہو گیا ہے۔

مجھے وہ لمحہ اب بھی یاد آ رہا ہے جب مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے قریب اپنی قیامگاہ پر انھوں نے مجھے دس منٹ تک سینہ سے لگائے رکھا تھا اور دعائیں دیتے رہے اور پھر میرے کان میں کہا تھا کہ تم جو کام کر رہے ہو وہ بڑا عظیم ہے اسمیں لگے رہو۔

اور پھر یہ بھی کہا کہ میرے یہاں آنے میں تمہارے لئے کوئی پابندی نہیں ہے، بلا اجازت جب چاہو آسکتے ہو اور فریج کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس میں تمہارے ذوق کی چیز ہر وقت موجود ملے گی، پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلا تکلف استعمال کر لیا کرو۔

بڑوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں، ان باتوں سے چھوٹوں کو بڑا حوصلہ ملتا ہے، پرچہ پریس میں جا رہا ہے، انھیں تعزیتی مختصر کلمات پر اس وقت اکتفا کیا جاتا ہے، انشاءاللہ کسی موقعہ سے مولانا کے بارے میں اپنے تاثرات میں تفصیل سے لکھوں گا۔

مولانا ابرار الحق صاحب قدوسیوں کی صف کے آدمی تھے، انشاءاللہ، اللہ نے ان کے ساتھ کرم اور رحم کا معاملہ کیا ہوگا، اور جنت میں اپنی خدمات اور دین کے سلسلہ اپنے بے انتہا مجاہدات کا بدلہ پا رہے ہوں گے۔

قارئین زمزم سے میری استدعا ہے کہ مولانا کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کا اہتمام کریں۔ اور روز و شب کی اپنی دعاؤں میں ان کو ضرور یاد رکھیں۔

اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

---

محمد ابوبکر غازی پوری

# نبوی ہدایات

(۱) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس عورت نے بلاوجہ اپنے شوہر سے طلاق دینے کا مطالبہ کیا تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی۔ (ابوداؤد)

نکاح کو شریعت نے خاندانی ومعاشرتی وانفرادی بہت سی مصلحتوں کی بنیاد پر مشروع کیا ہے، اس لئے نکاح ہوجانے کے بعد میاں بیوی کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ اس تعلق کو باقی رکھیں اور بلاوجہ اور بلا کسی اشد معذوری کے نکاح کو ختم نہ کریں، شریعت نے مخصوص حالات میں بیوی کو خلع کے مطالبہ کا بھی حق دیا ہے، میاں کو طلاق دینے کا حق دیا ہے، مگر یہ انتہائی ناگزیر حالات کی بات ہے کہ اب شوہر بیوی کا تعلق باقی رہنے میں مفاسد کا اندیشہ زیادہ ہے۔

لیکن اگر شوہر کی طرف سے بیوی کے حقوق ادا کئے جا رہے ہیں اور نا اتفاقی اور ناچاقی کی کوئی بات بھی نہیں ہے، معمول کے مطابق دونوں کی زندگی گذر رہی ہے تو اس صورت حال میں بیوی کا شوہر سے یہ کہنا کہ وہ اسے طلاق دیدے یہ انتہائی گناہ کی بات ہے اور شریعت اس کو نہایت ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھتی ہے۔

اس طرح کا مطالبہ ان عورتوں کی طرف سے عام طور پر ہوتا ہے جو اخلاق کے اعتبار سے گندی ہوتی ہیں اور ان کا یارانہ کسی اور شخص سے قائم ہوجاتا ہے، یا وہ حد سے زیادہ آزاد

پسند ہوتی ہیں ان کو گھر کی زندگی قید معلوم ہوتی ہے، یا وہ شوہر کی آمدنی کو اپنے ناجائز شوق کے لئے ناکافی سمجھتی ہیں، ان وجوہ کی بنیاد پر اگر عورت شوہر سے طلاق کا سوال کرتی ہے تو وہ نہایت بدبخت ہے اور اس کا یہ مطالبہ نہایت ناروا ہے، اور اس کا عمل شریعت کی نگاہ میں اتنا گندہ اور اتنا گھناؤنا ہے کہ ایسی عورت کا جنت میں داخلہ تو دور کی بات ہے، جنت کی خوشبو اس کی ناک میں پہونچے اس سے بھی یہ محروم رہے گی۔

اس قسم کی مزاج والی عورتوں کو آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ وعید اپنی نگاہ میں رکھنا چاہیئے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف بھڑکائے۔ (ابوداؤد)

بعض شرارت پسند لوگ اور جن کی طبیعت میں فساد ہوتا ہے وہ دوسروں کے خاندان کو تباہ کرنے اور اس میں پھوٹ ڈالنے اور ان کی زندگی کو تلخ بنانے میں دلچسپی رکھتے ہیں، اگر کسی کے گھر میں جھگڑا ہو تو ان کو مزہ آتا ہے بلکہ وہ کوشش کرتے ہیں کہ خاندانوں میں جھگڑا ہو، بیویوں کو شوہر کے خلاف ورغلانا اور شوہر کو بیوی کے خلاف بھڑکانا اور ان کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنا اور اختلاف کا بیج بونا ان کا کام ہوتا ہے، نہایت ہی ذلیل وگندی حرکت ہے۔ یہ شریف انسان کا کام نہیں ہے، اللہ کے رسول نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ اسلام سے دور شخص ہے، اس کا تعلق ہماری جماعت سے نہیں ہے۔

ایک مسلمان کو تو اپنے بھائی کے خوشگوار ازدواجی زندگی دیکھ کر خوش ہونا چاہیئے اس وجہ سے نکاح کے بعد دولہا اور دولھن کو ان الفاظ میں دعا دی جاتی ہے بارک اللہ لک وبارک علیک وجمع بینکما فی خیر یعنی اللہ تجھ کو ہر طرح سے اپنی برکتوں سے نوازے اور تم میاں بیوی کے درمیان اتفاق واتحاد کا رشتہ خیر وخوبی کے ساتھ باقی رہے۔

جو لوگ میاں بیوی کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی حرکت کا مذموم عمل کرتے ہیں ان کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ان کو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جماعت سے خارج قرار دیا ہے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیرالنکاح ایسرہ یعنی بہترین نکاح وہ ہے جو سب سے ہلکا پھلکا ہو۔ (ابوداؤد)

نکاح اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ نکاح کے سنت ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح کو اس طریقہ پر انجام دیا جائے جو اللہ کے رسول کا پسندیدہ طریقہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلکے پھلکے نکاح کو پسند کیا ہے، کہ جس میں نہ لڑکی والے پر بار ہو اور نہ لڑکے والے پر بار ہو، کم سے کم خرچ میں اور بلا کسی اسراف اور تکلف کے جو نکاح ہوگا اس میں بڑی برکت ہوگی، اور وہ نکاح اللہ کے رسول کی مرضی کے مطابق ہوگا اور وہی نکاح سنت والا نکاح کہلائے گا۔

آج کل ہماری توجہ اس کی طرف بالکل نہیں ہے۔ اور شادی بیاہ ایک مصیبت بن گئی ہے، ہندوؤں کے طرز پر باقاعدہ لین دین کا معاملہ طے ہوتا ہے، بے انتہا اسراف کھانے پینے اور شادی حال کو سجانے اور جہیز کا سامان جٹانے میں کیا جاتا ہے، اگر غریب ہے تو وہ قرض لیتا ہے، یا اپنی زمین و جائیداد بیچتا ہے، جہیز کم ملنے پر لڑکی کو تنگ کیا جاتا ہے اور بسا اوقات طلاق تک کی نوبت آجاتی ہے۔

اس طرح کی شادی ہندوؤں کے یہاں ہوا کرتی ہے اور اب مسلمانوں میں یہ لعنت پیدا ہو گئی ہے، اس طرح کا نکاح خیر و برکت سے خالی ہوتا ہے، خیر و برکت والا نکاح وہی ہوگا جس میں شریعت کی پابندی اور سنت کا پورا لحاظ کیا جائے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق ہو۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ کوئی عورت کسی دوسرے کی بیوی سے اس لئے میل جول نہ رکھے کہ اس گھر والی کا حلیہ اپنے شوہر سے اس طرح بیان کرے کہ گویا اس کا شوہر اس کو اپنی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔

(ابوداؤد)

بعض عورتوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے شوہروں سے دوسروں کی بیویوں کا تذکرہ کرتی ہیں کہ فلاں کی بیوی ایسی ہے اور پھر اس کے حسن و خوبصورتی کا پورا نقشہ اپنے شوہر کے سامنے کھینچتی ہیں۔

اس میں دو خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ کسی اجنبی عورت کا کسی مرد کو دیکھنا حرام ہے اب جب عورت نے اس کے حسن و جمال اور اس کے اعضاء اور بدن کا پورا نقشہ اپنے شوہر کے سامنے رکھ دیا ہے تو گویا شوہر اپنی آنکھوں سے اس عورت کو دیکھ رہا ہے، یعنی آنکھوں کے سامنے نہ ہونے کے باوجود بھی اس کا پورا نقشہ اس کی آنکھوں میں ہے۔ اب اسکی نگاہ میں وہ عورت ہوگی، اس کا تصور ہوگا، تو جس وجہ سے عورت کو اجنبی کے سامنے آنے سے شریعت نے روکا تھا، شریعت کا مقصود فوت ہو گیا اور وہ عورت گویا اجنبی کے سامنے اپنی ذات سے آموجود ہوئی۔

دوسری خرابی خود اس بیوی کے لئے ہے کہ جب اس کا شوہر دوسرے کی بیوی کا تصور کرے گا اور اس کا حسن و جمال اس کے سامنے ہوگا، تو اگر اس کی بیوی اگرچہ خوبصورت ہی کیوں نہ ہو، مگر اس کا میلان اپنی بیوی سے ہٹ کر اس عورت کی طرف ہوگا جس کا اس کے سامنے تذکرہ ہوا ہے، تو خود اس بیوی کی زندگی پر اس کا خراب اثر مرتب ہوگا اور اس کا گھر متاثر ہوگا۔

ان وجوہ کی بنا پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دنیا کے سب سے بڑے حکیم اور انسانی نفسیات کے ماہر تھے اس قسم کی حرکتوں سے عورتوں کو منع کیا ہے۔

(۵) حضرت ابن بریدہ اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ یا علی

لا تتبع النظرۃ فان لک الاولیٰ ولیست لک الآخرۃ ۔ یعنی اے علی تمہاری نظر اگر ایک دفعہ کسی عورت پر پڑجائے تو دوسری مرتبہ اس کو مت دیکھو اس لئے کہ پہلی دفعہ کا دیکھنا (جو بلا قصد وارادہ ہوا ہے) تو معاف ہے مگر دوسری دفعہ کا دیکھنا تمہارے لئے حرام ہے ۔

اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورت شیطان کی شکل میں آتی جاتی ہے، یعنی وہ اپنی ذات سے ایسی ہے کہ اس کی طرف سے نگاہ پڑنے سے آدمی گندے اور شیطانی خیالات کا شکار ہوجاتا ہے، اس وجہ سے عورت کو قصد وارادہ کے ساتھ دیکھنا حرام ہے، البتہ کبھی بلا قصد واختیار کسی عورت پر نگاہ پڑجائے تو یہ دیکھنا معاف ہے بشرطیکہ دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھے، پہلا دیکھنا تو اچانک تھا جس میں آدمی کے قصد وارادہ کا دخل نہیں تھا، مگر اب دوسری مرتبہ کا دیکھنا یہ قصد وارادہ کے ساتھ ہوگا، اور اس طرح دیکھنے سے شریعت نے منع کیا ہے ۔

---

نورالدین نوراللہ الاعظمی

# جب لوگ قبرستان جاتے ہیں تو کیا انکو مُردے پہچانتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں؟

## حافظ ابن قیم کی کتاب، کتاب الروح کی ایک فصل کا ترجمہ و تلخیص

ابن قیم اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر سے گزرتا ہے اور دنیا میں دونوں کی جان پہچان رہی ہے تو جب وہ سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مردہ کی روح کو لوٹاتا ہے تاکہ وہ اس کے سلام کا جواب دے۔ اس حدیث پاک میں صراحت ہے کہ مردہ زندہ کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

بخاری و مسلم میں متعدد سندوں سے یہ مروی ہے کہ جب بدر کے کفار مقتولین کو ایک گڈھے میں ڈال دیا گیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس جگہ تشریف لائے اور ایک ایک کا نام لے کر ان کو پکارا، اور کہا کہ کیا تم نے سچ پایا جس کا وعدہ تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ میں نے تو اپنے رب کے وعدہ کو جو اس نے مجھ سے کیا تھا حق پایا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ ان لوگوں کو پکار رہے ہیں جو مردہ ہو چکے ہیں، اس کا کیا فائدہ؟ تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم

جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے میں جو کہہ رہا ہوں اس کو تم سے زیادہ سننے والے ہیں لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ مردہ کو دفن کر کے واپس ہوتے ہیں مردہ ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے مشروع کیا ہے کہ وہ اہلِ قبور کو سلام کریں، جس طرح مخاطب کو سلام کیا جاتا ہے، وہ کہیں کہ السلام علیکم دار قوم مومنین اس طرح کا خطاب ان کو ہوتا ہے جو سننے والے اور اصحاب عقل ہوتے ہیں اگر وہ اس کو سنتے اور سمجھتے نہیں تو ان سے اس طرح خطاب کرنا معدوم جمادات کے ساتھ خطاب کرنا جیسا ہوتا ہے۔

اور سلف کا اس پر اتفاق اور بتواتر ان سے مروی ہے کہ مردہ زندہ کے آنے کو جانتا ہے اور اس سے خوشی حاصل کرتا ہے۔

حافظ ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور باب معرفۃ الموتی بزیارۃ الاحیاء میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ذکر کی ہے، انھوں نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ جو آدمی بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو مردہ اس سے جب تک وہ بیٹھا رہتا ہے انسیت حاصل کرتا ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب آدمی ایسی قبر سے گذرتا ہے کہ دنیا میں ان دونوں کی جان پہچان بھی ہے تو وہ اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور اس کو پہچان بھی لیتا ہے، اور اگر ایسی قبر سے گذرنا ہوتا ہے کہ دنیا میں مردہ اس کو پہچانتا نہیں تھا، تو وہ صرف سلام کا جواب دیتا ہے۔

عاصم جحدری کے خاندان کے ایک آدمی نے ان کے مرنے کے دو سال بعد انکو خواب میں دیکھا تو اس نے پوچھا کہ کیا آپ کا انتقال نہیں ہو چکا ہے؟ تو انھوں نے کہا کیوں نہیں تو اس نے پوچھا کہ آپ کہاں ہیں تو بولے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں، تو اس نے

پھر ان سے پوچھا کہ کیا جب ہم قبرستان آتے ہیں تو ہمارے آنے کا آپ لوگوں کو علم ہوتا ہے
تو انھوں نے جواب دیا کہ جمعہ کی شام اور جمعہ کا پورا دن اور سنیچر کی صبح تک تم لوگوں کے آنے
جانے کا علم ہمیں ہوتا ہے۔ اس نے پوچھا جمعہ ہی کے دن کیوں اور دنوں میں کیوں نہیں؟ تو
انھوں نے بتلایا کہ یہ جمعہ کی فضیلت اور اس کی عظمت کی وجہ سے ہے۔

حسن قصاب کہتے ہیں کہ میں محمد بن واسع کے ساتھ ہر سنیچر کی صبح کو قبرستان جایا
کرتا تھا اور قبر والوں کے لئے دعا کرتا تھا ان کو سلام پیش کرتا تھا، ایک روز میں نے
ان سے کہا کہ اگر سنیچر کے دن کے بدلے آپ سوموار کو آئیں تو کیسا ہے؟ تو انھوں نے کہا
کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ مردوں کو زائرین کا علم جمعہ کے روز اور اس سے ایک روز قبل
اور اس کے ایک روز بعد ہوتا ہے۔

سفیان ثوری ضحاک سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ جو آدمی سنیچر کے روز طلوع
آفتاب سے پہلے قبرستان جاتا ہے تو مردہ کو اس کے آنے کا علم ہوتا ہے، ان سے پوچھا
گیا کہ یہ کیوں؟ یعنی جمعہ ہی کی خصوصیت کیا ہے؟ تو بتلایا کہ ایسا جمعہ کے دن کی عظمت
کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ابو التیاح کہتے ہیں کہ حضرت مطرف جمعہ کے روز بہت صبح قبرستان جایا کرتے
تھے یہ مطرف وہی شخص ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ان کے کوڑے کا ایک
کنارہ از خود روشن ہو جاتا تھا، ایک رات وہ قبرستان پہونچے، گھوڑے پر سوار تھے
تو انھوں نے دیکھا کہ قبرستان میں کا ہر قبر والا اپنی قبر پر بیٹھا ہوا ہے، مطرف کو دیکھکر
قبر والوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ یہ مطرف ہیں جو جمعہ کو آتے ہیں، مطرف نے ان
سے پوچھا کیا جمعہ کے روز میرے آنے کا تم کو علم ہوتا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں اور ہم
یہ بھی جانتے ہیں کہ جمعہ کے روز چڑیاں کیا کہتی ہیں، مطرف نے پوچھا کہ چڑیاں کیا کہتی ہیں؟
تو قبر والوں نے کہا کہ وہ کہتی ہیں سلام، سلام

حضرت ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو میں بہت

پریشان ہوا، میں روزانہ ان کی قبر پر جایا کرتا تھا، پھر اس میں کمی واقع ہوگئی، پھر کچھ روز بعد ایک دن میں والد کی قبر پر گیا، میں قبر کے پاس بیٹھا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی، تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے والد کی قبر کھل گئی ہے، اور میرے والد قبر میں بیٹھے ہیں کفن ان کے اوپر ہے، اور مردہ کی جو حالت ہوتی ہے وہ اسی حالت میں ہیں، حضرت ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ ان کو اس حال میں دیکھ کر میں رونے لگا، تو والد نے کہا، بیٹے تم نے ہمارے پاس آنا جانا کیوں کم کر دیا؟ تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے آنے کی آپ کو خبر ہوتی ہے؟ تو انھوں نے بتلایا کہ تم جب بھی آئے ہو مجھے اس کا پتہ چلا ہے، تم آتے ہو تو میں خوش ہوتا ہوں اور مجھے انسیت حاصل ہوتی ہے، میرے آس پاس قبر والے بھی تمہاری دعا سے خوش ہوتے ہیں۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں کثرت سے قبرستان جانے لگا۔

سودہ سفاوی کی والدہ عبادت گذار عورتوں میں سے تھیں، لوگ ان کو راہبہ کہا کرتے تھے، سودہ کہتے ہیں کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب ہوا تو ان کی زبان پر یہ کلمات تھے، اے میرے ذخیرہ، اے میری کمائی، اے وہ ذات جس پر مجھے زندگی میں اعتماد رہا ہے، اور مرنے کے بعد بھی اسی پر اعتماد ہے، موت کے وقت مجھے اپنی نصرت سے محروم نہ کرنا اور قبر میں مجھے وحشت سے نجات دینا۔

اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا، سودہ کہتے ہیں کہ میں ان کی قبر پر ہر جمعہ کو جاتا تھا اور ان کے لئے اور تمام قبر والوں کے لئے دعا اور استغفار کرتا تھا، ایک روز میں نے والدہ کو خواب میں دیکھا، میں نے ان سے پوچھا اماں جان کیا حال ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ بیٹا موت کی مصیبت بڑی سخت ہوتی ہے، الحمد للہ میں اچھی جگہ پر ہوں، میری جگہ پھول بچھا دیئے گئے ہیں، سندس اور استبرق کے گدے قیامت تک کیلئے لگا دیئے گئے ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کوئی ضرورت ہے؟ تو کہا کہ ہاں، ہمارے پاس آنا جانا مت چھوڑنا، تمہاری دعا سے میں اور تمام قبر والے خوش ہوتے ہیں، جب تم جمعہ کو

پریشان ہوا، میں روزانہ ان کی قبر پر جایا کرتا تھا، پھر اس میں کمی واقع ہو گئی، پھر کچھ روز بعد ایک دن میں والد کی قبر پر گیا، میں قبر کے پاس بیٹھا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی، تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے والد کی قبر کھل گئی ہے، اور میرے والد قبر میں بیٹھے ہیں کفن ان کے اوپر ہے، اور مردہ کی جو حالت ہوتی ہے وہ اسی حالت میں ہیں، حضرت ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ ان کو اس حال میں دیکھ کر میں رونے لگا، تو والد نے کہا، بیٹے تم نے ہمارے پاس آنا جانا کیوں کم کر دیا؟ تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے آنے کی آپ کو خبر ہوتی ہے؟ تو انھوں نے بتلایا کہ تم جب بھی آئے ہو مجھے اس کا پتہ چلا ہے، تم آتے ہو تو میں خوش ہوتا ہوں اور مجھے انسیت حاصل ہوتی ہے، میرے آس پاس قبر والے بھی تمہاری دعا سے خوش ہوتے ہیں۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں کثرت سے قبرستان جانے لگا۔

سودہ سفادی کی والدہ عبادت گذار عورتوں میں سے تھیں، لوگ ان کو راہبہ کہا کرتے تھے، سودہ کہتے ہیں کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب ہوا تو ان کی زبان پر یہ کلمات تھے، اے میرے ذخیرہ، اے میری کمائی، اے وہ ذات جس پر مجھے زندگی میں اعتماد رہا ہے، اور مرنے کے بعد بھی اسی پر اعتماد ہے، موت کے وقت مجھے اپنی نصرت سے محروم نہ کرنا اور قبر میں مجھے وحشت سے نجات دینا۔

اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا، سودہ کہتے ہیں کہ میں ان کی قبر پر ہر جمعہ کو جاتا تھا اور ان کے لئے اور تمام قبر والوں کے لئے دعا اور استغفار کرتا تھا، ایک روز میں نے والدہ کو خواب میں دیکھا، میں نے ان سے پوچھا اماں جان کیا حال ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ بیٹا موت کی مصیبت بڑی سخت ہوتی ہے، الحمدللہ میں اچھی جگہ پر ہوں، میری جگہ پھول بچھا دیئے گئے ہیں، سندس اور استبرق کے گدے قیامت تک کیلئے لگا دیئے گئے ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کوئی ضرورت ہے؟ تو کہا کہ ہاں، ہمارے پاس آنا جانا مت چھوڑنا، تمہاری دعا سے میں اور تمام قبر والے خوش ہوتے ہیں، جب تم جمعہ کو

آتے ہو تو میرے اس پاس کے مردے کہتے ہیں کہ اے راہبہ یہ دیکھو تمہارا لڑکا آیا ہے تو اس سے مجھے اور تمام قبر والوں کو خوشی ہوتی ہے۔

بشر بن محمود کہتے ہیں کہ جب طاعون کا زمانہ تھا تو ایک شخص بار بار قبرستان جایا کرتا تھا اور جنازہ کی نماز میں شریک ہوتا تھا، جب شام ہوتی اور وہ واپس ہوتا تو قبرستان کے دروازہ پر کھڑا ہو کر یہ کہتا، اے قبر والو اللہ تمہاری وحشت کو انسیت سے بدل دے، تمہاری غریب الوطنی پر رحم فرمائے، تمہاری سیآت سے درگذر فرمائے اور تمہاری حسنات کو قبول فرمائے، انھیں کلمات کو کہا کرتا تھا اور کچھ نہیں اور پھر واپس ہو جاتا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک روز میں قبرستان نہیں جا سکا، تو میں نے خواب دیکھا کہ بہت سے لوگ میرے پاس آئے ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو اور تمہیں کیا ضرورت ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہم قبر والے ہیں، میں نے کہا کہ تم لوگ کس لئے آئے ہو؟ تو انھوں نے کہا کہ تم نے ہم لوگوں کو ایک ہدیہ کا عادی بنا دیا ہے، جب تم قبرستان سے واپس ہوتے تھے تو اس وقت ہمارے لئے دعا کرتے تھے، وہ دعائیں ہمارے لئے تمہاری طرف سے ہدیہ ہوا کرتی تھیں، تو میں نے ان سے کہا کہ میں اب آتا رہوں گا، پھر میں نے قبرستان جانے کو چھوڑا نہیں۔

سلیم بن عمیر کا ایک قبرستان سے گزر ہوا، انھیں پیشاب کا سخت تقاضا تھا، ان کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا کہ آپ قبرستان کے کسی حصہ میں پیشاب کرلیں، تو انھوں نے کہا سبحان اللہ، میں قبر والوں سے اسی طرح شرماتا ہوں جس طرح زندوں سے شرماتا ہوں، ابن قیم کہتے ہیں کہ اگر قبر والوں کو شعور اور احساس نہ ہوتا تو وہ ان سے شرماتے نہیں،

اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ میت کے جو زندہ اہل و اقارب ہوتے ہیں میت ان کے اعمال سے واقف رہتے ہیں، ابراہیم ابوایوب سے نقل کرتے ہیں کہ مردوں پر زندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، مردہ جب اچھا عمل دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور برے عمل کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اسے یہاں سے لے جاؤ۔

ابن ابی الدنیا نے اپنی سند سے عباد بن عباد کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک دفعہ ابراہیم بن صالح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے تو انھوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مردوں کے رشتہ داروں کے اعمال مردے پر پیش ہوتے ہیں، تم اس کا خیال رکھو کہ تمہارے کس طرح کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں، یہ کہہ کر ابراہیم بن صالح اتنا روئے کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

ابن ابی الدنیا ہی اپنی سند سے صدقہ بن سلیمان جعفری کا قصہ نقل کرتے ہیں کہ صدقہ کہتے تھے کہ ان میں کچھ بری اور گندی عادتیں تھیں، پھر میرے والد کا انتقال ہوگیا تو مجھے اپنی حالت پر ندامت ہوئی اور میں نے اس سے توبہ کرلی، کچھ مدت بعد پھر مجھ سے ایک لغزش ہوگئی تو میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ بیٹا مجھے تمہاری توبہ اور تمہاری حالت کے بدلنے سے بہت خوشی تھی تمہارے اعمال ہم پر پیش ہوتے ہیں تو ہم ان کو نیک لوگوں جیسا پاتے ہیں، لیکن اس دفعہ جو تم نے غلط کام کیا تو مجھے قبر والوں سے بڑی شرم آئی، مجھے مردوں کے سامنے رسوا مت کرو، صدقہ کے پڑوسیوں کا بیان ہے کہ اس کے بعد تہجد کے بعد صدقہ کو ہمیشہ یہ دعا کرتے سنا گیا۔ اے اللہ میں تجھ سے ایسی توبہ کی درخواست کرتا ہوں جس کو میں توڑوں نہیں۔ یا مصلح المصلحین، یا ہادی المضلین، و یا ارحم الراحمین۔

اس باب میں بہت سے آثار ہیں جو صحابہ کرام سے منقول ہیں، عبداللہ بن رواحہ کے رشتہ داروں میں سے بعض انصاری ان کی شہادت کے بعد یہ دعا کرتے تھے، اے اللہ میں تجھ سے اس عمل سے پناہ مانگتا ہوں کہ اس کی وجہ سے عبداللہ بن رواحہ کے سامنے مجھے رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔

مردوں کو احساس و شعور ہوتا ہے اور وہ زندوں کے عمل سے واقفیت رکھتے ہیں اس کی صحت کیلئے یہی کافی ہے کہ جو مسلمان مردوں کو سلام کرنیوالا ہوتا ہے

اس کو زائر کہا جاتا ہے، اگر مردہ کو اس زائر کا ادراک و احساس نہ ہوتا تو پھر اس کا زائر نام رکھنا ہی درست نہ ہوتا اسلئے کہ جس کی زیارت کو جایا جائے اگر اسے زیارت کرنے والے کا پتہ نہ ملے تو اس زیارت کرنے والے کو زیارت کرنے والا کہنا صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ کسی کی زیارت کا تمام لوگوں کے نزدیک یہی مفہوم ہے کہ جس کی زیارت کی جائے اسے معلوم ہو کہ کوئی اس کی زیارت کرنے کو آیا ہے۔ اسی طرح مردہ کو جو سلام کیا جاتا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردے سنتے ہیں اور شعور و ادراک رکھتے ہیں اس لئے کہ ایسے آدمی کو سلام کرنا جو سلام کو محسوس نہ کرے اور سلام کرنے والے کو جانے نہیں لغو عمل ہے، حالانکہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قبرستان کی زیارت کے وقت سکھلایا ہے کہ وہ اہل قبور کو اس طرح سلام کریں۔ السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون رحم اللہ المستقدمین منا منکم والمتأخرین نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ

یہ سلام اور خطاب اور پکارنا اس کے لئے ہے جو سنتا ہو اور اس سے خطاب کیا جاسکے اور اسے عقل و شعور ہو۔ اگرچہ سلام کرنے والا ان کا جواب نہ سنے۔

قبر کے قریب جب آدمی نماز پڑھتا ہے تو اہل قبور اس کی نماز کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کو اس کی نماز کا علم ہوتا ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔

ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ ابن ساس ایک روز ایک جنازہ کے ساتھ نکلے اور ایک قبر کے پاس پہونچے، انھوں نے دو رکعت نماز پڑھی پھر قبر پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے بیداری کی حالت میں سنا کہ قبر والا ان سے کہہ رہا ہے کہ مجھ سے دور ہو، مجھے تکلیف نہ دو، تم لوگ وہ لوگ ہو کہ عمل کرتے ہو مگر جانتے نہیں ہو اور ہم لوگ وہ لوگ ہیں کہ عمل نہیں کرتے ہیں مگر ہمیں علم رہتا ہے، تمہاری دو رکعت نماز جو تم نے ابھی پڑھی ہے میرے لئے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہے۔

تو دیکھو اس قبر کے مردہ کو پتہ چل گیا کہ کسی نے اس کی قبر پر ٹیک لگایا ہے اور

قبر کے پاس اس نے نماز بھی پڑھی ہے۔

ثابت بن سلیم ابو قلابہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں ملک شام سے بصرہ گیا۔ اور ایک جگہ قیام کیا، میں نے وضو کیا اور رات کی دو رکعت نماز پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا، صبح میری آنکھ کھل گئی تو قبر والا مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ تم نے رات بھر مجھے تکلیف پہونچائی ہے، پھر اس نے کہا کہ تم لوگ دنیا میں عمل کرتے ہو مگر دنیا کے بعد کیا ہے اس کا تمہیں علم نہیں ہے، ہم لوگوں کو اس کا علم ہے مگر ہمارے عمل کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، پھر اس نے کہا کہ تمہاری دو رکعت وہ نماز جو تم نے رات میں پڑھی تھی وہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے، پھر اس نے کہا کہ اللہ اہل دنیا کو بہتر بدلہ دے، ان سے میرا سلام کہو، ان کی دعا کی برکت سے ہمارے لئے ایک نور پیدا ہوتا ہے جو مقدار میں پہاڑ جیسا ہوتا ہے۔

زید بن وہب کہتے ہیں کہ میں قبرستان کی طرف نکلا، میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک قبر کے پاس آیا اور اس نے اس کو برابر کیا، پھر میری طرف رخ کر کے بیٹھ گیا، میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ تو اس نے کہا کہ میرے بھائی کی، میں نے اس سے کہا کہ تمہارے بھائی کی ہے؟ تو اس نے بتلایا کہ یہ اس کے دینی بھائی کی قبر ہے، جس سے اس کا تعلق محض اللہ کی خاطر رہا ہے، اس نے بتلایا کہ میں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ اگر میں الحمد للہ کہنے پر قدرت رکھتا تو یہ میرے لئے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوتا، پھر اس نے کہا کہ جب مجھے لوگ دفن کر رہے تھے تو فلاں آدمی نے دو رکعت نماز پڑھی تھی، اگر میں یہ دو رکعت نماز پڑھنے کی قدرت رکھتا تو یہ مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ پسند ہوتا۔

مطرف بن عبداللہ الوشی کہتے ہیں کہ راستہ کے ایک قبرستان سے میرا گذر ہوا، وہاں ایک جنازہ تھا، ہم نے غنیمت سمجھا کہ اس میں شریک ہو جائیں، چنانچہ میں نے جنازہ کی نماز پڑھی، پھر قبرستان کے ایک گوشہ میں میں نے جلدی جلدی دو رکعت نماز پڑھ لی سکون و اطمینان کے ساتھ ان دو رکعتوں کو ادا کرنے کی طبیعت نہ چاہی، اتنے میں میری آنکھ

لگ گئی تو جس قبر کے پاس میں نے نماز پڑھی خواب میں قبر والے کو دیکھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تم نے دو رکعت بہت ہلکی نماز پڑھی ؟ تو میں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہوا ہے، تو اس نے کہا کہ تم دنیا والے عمل کرتے ہو آخرت کا علم نہیں رکھتے ہو، ہم عمل سے محروم ہیں مگر ہمیں آخرت کا علم ہے. تمہاری یہ ہلکی پھلکی دو رکعت مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس مردہ سے پوچھا یہاں کون لوگ ہیں ؟ تو اس نے بتلایا کہ سب مسلمان ہیں اور سب اچھی حالت میں ہیں، پھر میں نے اس سے پوچھا کہ ان تمام لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے ؟ تو اس نے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ قبر والا فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ اے اللہ اس قبر کے مردہ کو قبر سے باہر کر دیجئے تاکہ میں اس سے بات کروں۔ فرماتے ہیں کہ میرا جی میں یہ کہنا تھا کہ اس قبر سے ایک نوجوان نکلا، میں نے اس سے کہا کہ تم ان تمام لوگوں میں سب سے افضل ہو؟ تو اس نے کہا لوگ ایسا ہی کہتے ہیں، میں نے اس سے پوچھا کہ تم کو یہ درجہ کیسے حاصل ہوا، تمہاری عمر اتنی نہیں ہے کہ میں یہ کہوں کہ حج و عمرہ اور جہاد وغیرہ عمل کی کثرت کی وجہ سے تم کو یہ درجہ نصیب ہوا ہوگا تو اس نے بتلایا کہ میں طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار تھا، اللہ نے مجھے صبر کی توفیق دی، بس اسی وجہ سے مجھے یہ فضیلت حاصل ہوئی ہے۔

یہ خواب اگرچہ تنہا اس قسم کی باتوں کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں لیکن جس کثرت سے ان کا ثبوت ہے ان سے اصل مضمون (یعنی مردوں کو ان کی قبروں پر آنے والوں کا علم ہوتا ہے) پر ان کا اتفاق ثابت ہوتا ہے، شب قدر کے بارے میں آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب اس کے عشرہ اواخر میں ہونے پر متفق ہیں، پس اگر مسلمان کے خواب کسی بات پر متفق ہو رہے ہیں تو ان کی حیثیت ان کی روایات کے کسی بات پر اتفاق جیسی ہے، اور اس کی حیثیت اسی طرح کی ہے جیسے انکی رائے کسی بات کو اچھی یا بُری سمجھنے پر متفق ہو جائے، اور مسلمان جس بات کو اچھی سمجھتا ہے وہ خدا کے یہاں بھی اچھی ہوتی ہے، اور جس کو وہ بُری جانتا ہے وہ خدا کے یہاں بھی بری ہوتی ہے۔

مزید براں یہ کہ میں نے اس بات کے لئے تنہا خوابوں ہی سے استدلال نہیں کیا ہے، ہمارے استدلال کی بنیاد ان خوابوں کے علاوہ دوسرے ان دلائل پر ہے جن کا ہم نے سابق میں تذکرہ کیا ہے۔

صحیح مسلم کی صحیح روایت ہے کہ مردہ دفن کے بعد ان لوگوں سے انسیت حاصل کرتا ہے جو جنازہ کے ساتھ ہوتے ہیں، اور امام مسلم ہی نے اپنی صحیح میں عبدالرحمٰن بن شماشہ مہری کی حدیث ذکر کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت پہونچا تو بہت روئے اور اپنا چہرہ دیوار کی طرف پھیر لیا، ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کا بیٹا کہنے لگا، ابا جان آپ کیوں رو رہے ہیں، آپ کو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں بشارت نہیں دی ہے؟ تو انھوں نے اس کی طرف رُخ کیا اور کہا کہ سب سے افضل ہمارے نزدیک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی ہے، بیٹا میرا دور تین طرح کا رہا ہے، ایک دور تو وہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے برا میرے نزدیک کوئی اور نہیں تھا۔ میری اس وقت سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ آپ پر قابو پاؤں اور آپ کو قتل کر دوں، اگر اس حال میں میرا انتقال ہو جاتا تو میں جہنمی ہوتا۔

دوسرا دور میرا یہ رہا ہے کہ اللہ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا، میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں میں آپ سے بیعت کروں گا۔ تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھایا۔ جب آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کیا بات ہے اے عمرو؟ تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایک شرط پر بیعت ہونا چاہوں گا، فرمایا وہ شرط کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میری بخشش کر دی جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام گزشتہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، اور ہجرت سے بھی پہلے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حج بھی گزشتہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب اور عزیز اور عظیم میری نگاہ میں دوسرا کوئی نہیں تھا۔

آپ کی عظمت میری نگاہ میں یہ تھی کہ میں آنکھ بھر آپ کو دیکھ نہیں سکتا تھا، اگر اس حال میں میرا انتقال ہو جاتا تو میں امید رکھتا کہ میں اہل جنت میں سے ہوں گا، پھر اس کے بعد میرا تیسرا دور آیا جس میں مجھے کچھ حکومتی امور انجام دینے پڑے، مجھے پتہ نہیں کہ اس میں میرا حال کیا رہا، اب اگر میں مرجاؤں تو میرے ساتھ رونے والی عورت نہ ہو اور نہ میرے جنازہ کے ساتھ آگ ہو۔ جب تم لوگ مجھے دفناؤ تو میرے اوپر ہلکی مٹی ڈالو پھر میری قبر کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرے رہو تاکہ میں تم سے انسیت حاصل کروں اور دیکھوں کہ میں فرشتوں کا کیا جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت قبر کے پاس موجود لوگوں سے انسیت حاصل کرتا ہے اور ان کی موجودگی سے اسے خوشی ہوتی ہے۔

سلف کی ایک جماعت سے نقل کیا جاتا ہے کہ انھوں نے دفن کے وقت اپنی قبروں کے پاس قرآن پڑھنے کی وصیت کی تھی، عبدالحق کہتے ہیں کہ مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی قبر کے پاس سورہ بقرہ پڑھنے کی وصیت کی تھی۔ معلی بن عبدالرحمٰن کا بھی یہ مسلک ہے، پہلے حضرت امام احمد بن حنبل اس کا انکار کرتے تھے اسلئے کہ ان کو اس بارے میں حدیث نہیں پہونچی تھی پھر بعد میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔

خلال اپنی جامع میں، کتاب القرأۃ عند القبور کی فصل میں عبدالرحمٰن ابن العلاء سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے ان کو وصیت کی تھی کہ جب میں مروں اور تم مجھے قبر میں رکھو تو یہ دعا پڑھو۔ بسم اللہ وعلیٰ سنۃ رسول اللہ، اور میرے اوپر ہلکی مٹی ڈالو اور میرے سرہانے سورہ بقرہ کا پہلا رکوع اور اس کا آخری رکوع پڑھو، میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ وہ اس کے قائل تھے۔

خلال کہتے ہیں کہ ایک جنازہ میں حضرت احمد بن حنبل اور محمد بن قدامہ جوہری شریک تھے، جب میت کو دفنا دیا تو ایک اندھا آدمی میت کی قبر کے پاس قرآن پڑھنے لگا۔ تو حضرت امام احمد نے اس سے کہا کہ اے شخص قبر کے پاس قرآن پڑھنا بدعت ہے، پھر جب

ہم قبرستان سے باہر ہوئے تو محمد بن قدامہ نے احمد بن حنبل سے کہا کہ ابو عبداللہ بتلاؤ معشر حلبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟ تو امام احمد بن حنبل نے کہا کہ وہ ثقہ محدث ہیں، پھر ابن قدامہ نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ان سے احادیث لکھی ہیں تو امام نے کہا کہ ہاں تو محمد بن قدامہ نے کہا کہ مبشر عبدالرحمٰن بن العلاء اپنے باپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انھوں نے ان کو وصیت کی تھی کہ ان کی قبر کے سرھانے سورہ بقرہ کا ابتدائی حصہ اور اس کا آخری حصہ پڑھا جائے ، اور انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ اس کی وصیت کرتے تھے تو حضرت امام احمد بن حنبل نے ان سے کہا کہ تم قبرستان لوٹو اور اس آدمی سے کہو کہ پڑھے۔

حسن بن الصباح الزعفرانی فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے ۔

خلال امام شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ انصار میں کا جب کوئی مرتا تھا تو انصار اس کی قبر پر آیا جایا کرتے تھے اور قبر کے پاس قرآن پڑھا کرتے تھے ۔

خلال نے کہا کہ مجھ کو ابو یحییٰ الناسک نے خبر دی کہ انھوں نے حسن بن الجروی کو سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ میرا گذر اپنی بہن کی قبر پر ہوا تو میں نے اس کے پاس رک کر سورہ تبارک پڑھی ، پھر میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میں تمہاری بہن کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ تم کو دعا دے رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اللہ ابو علی کو جزائے خیر دے ، میں نے ان کے پڑھنے سے نفع حاصل کیا۔

ابو بکر بن الاطروش بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی اپنی ماں کی قبر پر ہر جمعہ کو جایا کرتا تھا اور سورہ یٰسٓ پڑھتا تھا ، پھر وہ یوں دعا کرتا کہ اے اللہ میں نے اس سورہ کے ثواب کو تقسیم کر دیا ہے پس اس میں تو تمام قبرستان والے کو شامل کر لے ، ایک جمعہ کو ایک عورت اس کے پاس آئی اور اس نے ان سے پوچھا تم فلاں ابن فلاں ہو تو انھوں نے بتلایا کہ ہاں وہ آدمی میں ہی ہوں ۔ تو اس نے کہا کہ میری ایک بچی کا انتقال ہو گیا تھا ، میں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ قبر کے کنارے بیٹھی ہے ، میں نے اس سے پوچھا یہاں کیسے بیٹھی ہو ؟

تو اس نے بتلایا کہ فلاں آدمی اپنی ماں کی قبر پر آیا اور اس نے سورہ یٰسین پڑھی اور اس کا ثواب تمام قبرستان والوں کو بخشا تو ہم کو بھی اس کی خوشبو ملی، یا ہماری مغفرت کر دی گئی یا اس طرح کی اس نے کوئی اور بات کہی تھی۔

بہت سی روایات اور آثار اس بارے میں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے زندوں کے قبرستان آنے جانے کا علم رکھتے ہیں اور انھیں ان کا پتہ چلتا ہے، حافظ ابن عبدالبر نے حضرت ابن عباس کی یہ روایت ذکر کی ہے، آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو آدمی بھی اپنے مومن بھائی کی قبر سے گذرتا ہے اور دونوں کے درمیان دنیا میں جان پہچان رہی ہے تو جب گذرنے والا اس کو سلام کرتا ہے تو مردہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے (مسلمان) بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کی قبر کے پاس بیٹھتا ہے تو وہ مردہ اس سے انسیت محسوس کرتا ہے، تا آنکہ وہ بیٹھنے والا اٹھ نہ جائے۔

ابو داؤد نے اپنی سنن میں یہ حدیث ذکر کی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹاتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ حافظ ابو محمد عبدالحق اشبیلی نے اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ مردہ کو زندہ کا علم ہوتا ہے۔

سلیمان بن نعیم فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ لوگ آپ کی قبر کے پاس آتے ہیں اور آپ پر سلام پڑھتے ہیں کیا آپ ان کا سلام معلوم کرتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں، اور میں ان کا جواب بھی دیتا ہوں، حافظ ابو محمد عبدالحق اشبیلی فرماتے ہیں کہ اہل قبور کو سلام کرنے کا جو طریقہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے امت کو سکھلایا ہے کہ وہ قبرستان میں جا کر السلام علیکم اهل الدیار کہیں اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مردہ سلام کرنے والوں

کے سلام کو جانتے ہیں اور جو ان کے لئے دعا کرتا ہے ان کی دعا کی انکو معرفت ہوتی ہے۔

ابو محمد ہی کہتے ہیں کہ فضل بن موفق کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں اپنی والد کی قبر پر کثرت سے جایا کرتا تھا، ایک دفعہ قبرستان میں ایک جنازہ میں شریک ہوا، مجھے ضرورت لاحق تھی میں جلدی سے چلا آیا اور والد کی قبر کے پاس نہیں گیا، تو میں نے والد کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھ سے شکایت کر رہے ہیں کہ بیٹے تم میرے پاس کیوں نہیں آئے؟ میں نے ان سے پوچھا اباجان کیا آپ کو میرے آنے کا پتہ چلتا ہے کہا کہ ہاں خدا کی قسم جب تم پل سے اترتے ہو اور میری قبر تک پہونچتے ہو تم مجھ کو برابر نظر آتے ہو، اسی طرح واپسی میں بھی میں تم کو دیکھتا ہوں تا آنکہ تم پل پار کر جاؤ۔

عمر بن دینار کی روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہر مردہ کو مرنے کے بعد اس کا علم ہوتا ہے کہ اس کے گھر والے کیا کر رہے ہیں وہ جانتا ہے کہ وہ اسے غسل دے رہے ہیں اسے کفنا رہے ہیں وہ ان کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ آدمی کو قبر میں اس کی اولاد کی دینداری و صلاح سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔

غرض ان تمام روایات اور واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ مردہ کو زندوں کا علم ہوتا ہے اور وہ زندوں کے حالات سے واقفیت رکھتا ہے۔

اس بات کو جو چیز اور مستحکم کرتی ہے وہ یہ ہے کہ قدیم زمانہ سے مسلمانوں کا یہ دستور چلا آرہا ہے کہ وہ مردہ کو قبر میں تلقین کرتے ہیں اگر مردہ اسے سنتا نہیں اور اس سے فائدہ اسے نہ پہونچتا تو یہ کام لغو اور عبث ہوتا، قبر میں مردہ کی تلقین کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا تو آپ نے اس کو اچھا عمل قرار دیا، اور انھوں نے کہا کہ لوگوں کا عمل اسی پر ہے۔

اس بارے میں ایک ضعیف حدیث بھی ہے جس کو طبرانی نے اپنی معجم میں ذکر کیا ہے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں

ے کسی کا انتقال ہو اور تم اس پر مٹی ڈال چکو تو تم میں کا کوئی اس کی قبر پر کھڑا ہو اور یہ کہے
۔ اے فلاں ابن فلاں، وہ تمہاری پکار کو سنتا ہے مگر جواب نہیں دیتا، پھر دوبارہ کہے
اے فلاں ابن فلاں، اب مردہ بیٹھ جاتا ہے پھر کہے یا فلاں ابن فلاں تو مردہ کہتا ہے
اللہ تم پر رحم فرمائے، میری رہنمائی کرو میں سن رہا ہوں، لیکن تم لوگ نہیں سنتے ہو،
پھر وہ آدمی کہے، تم اس کلمہ شہادت کا ذکر کرو جو تم دنیا میں کہا کرتے تھے یعنی اشھد
ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ وانی رضیت باللہ ربا
و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا و بالقرآن اماما ۔

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب وہ یہ کہتا ہے تو منکر نکیر اس سے پیچھے
ہٹ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کو حجت کی تلقین کر دی گئی ہے۔ اب اس کا معاملہ اللہ اور
اس کے رسول کے سپرد ہے ۔

آنحضور ؐ سے یہ سن کر ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول اگر اس کے باپ کا پتہ
نہ ہو تو مردہ کو کس طرح پکارے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس کی ماں کا
نام لے، اس آدمی نے کہا کہ اگر اس کی ماں کا بھی پتہ نہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ماں حوا کا نام لے ۔

یہ حدیث اگرچہ موصولا ثابت نہیں ہے مگر تمام زمانہ میں تمام لوگوں کا بلا انکار اس پر
مسلسل عمل ہی اس پر عمل کرنے کیلئے کافی ہے، اس لئے کہ اللہ کی یہ سنت نہیں ہے کہ ایسی
امت کو جو عقل اور علم و معرفت کے اعتبار سے اکمل ترین ہو، کسی ایسی بات پر مشرق و
مغرب میں جمع کر دے جس کی اصل نہ ہو اور یہ ممکن نہیں کہ ساری امت کسی ایسی ذات
کو مخاطب بنانے پر اتفاق کرے جو نہ سنے اور نہ سمجھے، ساری امت اس عمل کو مستحسن
سمجھتی ہے اس پر کوئی مسلمان انکار نہیں کرتا بلکہ اگلا پچھلے کے لئے اس عمل کو جاری رکھتا
ہے، اور پچھلا اگلے کی اس عمل میں اقتدار کرتا ہے، پس اگر مردہ جس کو مخاطب بنایا جاتا
ہے اگر سنتا نہیں تو اس سے خطاب کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی مٹی لکڑی پتھر اور معدوم

چیز سے خطاب کرے ۔ اس بات کو اگر کوئی اچھا بھی سمجھے تو تمام علم والے اس کو بُرا اور قبیح عمل سمجھتے ہیں ۔

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں قابل اعتبار سند سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ میں شریک ہوئے تو جب مردہ کو دفنا دیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے لئے تثبیت کی دعا مانگو اس لئے کہ یہ وقت اس سے سوال کا ہے، تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ دفن کے وقت مردہ سے سوال ہوتا ہے، اور جب اس سے سوال ہوگا تو وہ تثبیت سنے گا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مردہ ان لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے جو اسے دفن کر کے واپس ہوتے ہیں۔

عبدالحق اشبیلی نے بعض صالحین سے نقل کیا ہے کہ ان کا کوئی بھائی وفات پاگیا تھا تو انھوں نے اس کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ جب تم کو قبر میں رکھا گیا تھا تو تمہارا کیا حال تھا ؟ تو اس نے بتلایا کہ میری طرف آگ کا ایک انگارا آیا اگر کسی دعا کرنے والے کی میرے لئے دعا نہ ہوتی تو میں ہلاک ہو جاتا ۔

شعیب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میری ماں نے مرتے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ بیٹا جب تم لوگ مجھے دفن کر چکو تو تم میری قبر پر کھڑے ہوکر کہنا کہ اے اماں جان کہئے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ ، شعیب کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا پھر میں نے رات میں والدہ کو خواب میں دیکھا وہ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ بیٹا تم نے میری وصیت کو یاد رکھا اگر لا الٰہ الا اللہ نے مجھے بچایا نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو چکی ہوتی ۔

حضرت ابن عیینہ کے لڑکے کی بیوی تماضر بنت سہل نے ابن عیینہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ ایوب کو اچھا بدلہ دے وہ میری زیارت کو کثرت سے آتے ہیں، ایوب اس وقت تماضر کے پاس تھے انھوں نے بتلایا کہ ہاں میں آج قبرستان گیا تھا تو ابن عیینہ کی قبر کے پاس بھی گیا تھا ۔

حماد بن سلمہ اپنی صحیح سند سے ثابت سے اور وہ شہر بن حوشب سے نقل

کرتے ہیں کہ صعب بن جثامہ اور عوف بن مالک دونوں میں بھائی چارا اور دوستی تھی،
صعب نے عوف سے کہا کہ ہم دونوں میں جس کا پہلے انتقال ہو وہ دوسرے کو خواب میں
نظر آئے، تو عوف نے کہا کیا ایسا ہو گا، تو انھوں نے کہا کہ ہاں، پہلے صعب ہی کا انتقال
ہوا تو عوف نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ ان کے پاس آئے ہیں تو انھوں نے صعب سے
پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ انھوں نے کہا مصیبتوں کے بعد مجھے معاف کر دیا گیا، عوف
کہتے ہیں کہ میں نے ان کی گردن میں ایک کالا نشان دیکھا تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے
بتلایا کہ میں نے ایک یہودی سے دس دینار قرض لیا تھا، میری گردن میں اسی کا یہ عذاب ہے۔
اس یہودی کو اس کا قرض ادا کر دو، پھر انھوں نے کہا کہ میرے مرنے کے بعد میرے گھر والوں
کو جو کچھ پیش آتا ہے اس کی خبر مجھے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ چند
روز قبل ہمارے گھر کی بلی مرگئی ہے، اور میرے بھائی تمہیں معلوم ہو کہ میری لڑکی چھ روز میں مرجائیگی
اس کے ساتھ خیر کا معاملہ کرو۔ عوف کہتے ہیں کہ میں خواب سے بیدار ہوا تو میں صعب کے گھر
والوں کے پاس گیا تو ان لوگوں نے مجھے شکایت کی کہ صعب کے مرنے کے بعد تم نے آنا جانا ہی
چھوڑ دیا ہے۔ میں نے ان سے معذرت کی اور میں نے ایک رسی کو دیکھا تو اسے کھینچا، اس میں
وہ تھیلی تھی جس میں وہ دس دینار تھے، میں اس کو یہودی کے پاس لے کر گیا اور اس سے
پوچھا کہ کیا تمہارا صعب کے ذمہ کچھ قرض تھا، تو یہودی نے کہا کہ اللہ صعب پر رحم فرمائے
وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بہتر ساتھی تھے، جو قرض تھا میں نے اس کو معاف کر دیا۔
تو میں نے یہودی سے کہا کہ کیا تم نے صعب کو دس دینار قرض دیا تھا؟ تو اس نے کہا کہ ہاں۔
میں نے ان کو دس دینار قرض دیا تھا۔ میں نے دینار اس کو دیا تو اس نے کہا کہ خدا کی قسم یہی
وہ دینار ہیں جو میں نے قرض دیا تھا، عوف کہتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ خواب والی
یہ ایک بات سچ ہوئی، پھر انھوں نے گھر والوں سے پوچھا کہ صعب کے مرنے کے بعد گھر میں
کوئی خاص بات پیش آئی تو انھوں نے بتلایا کہ ہماری ایک بلی تھی وہ چند روز قبل مرگئی۔
عوف کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ خواب کی دوسری بات سچ ہوئی، پھر انھوں نے ان کی بچی

کو بلایا اور اس کے بدن پر ہاتھ رکھا تو اسے بخار تھا، میں نے گھر والوں سے کہا کہ اس کی اچھی طرح سے دیکھ بھال کرو، پھر وہ بچی چھ روز کے اندر ہی وفات پا گئی۔

یہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کی فقہ کی بات ہے۔ اور وہ صحابہ میں سے تھے، انھوں نے صعب بن جثامہ کی وصیت ان کے مرنے کے بعد نافذ کر دیا اور انھوں نے ان کی بات کو قرائن سے درست سمجھا کہ دنانیر کہاں ہیں، پھر یہودی سے معلوم کیا تو اس کی بات صعب نے جو خواب میں کہا تھا اس کے مطابق تھی، پھر انھوں نے یہودی کو وہ دس دینار ادا کر دیئے۔ دین کی اس طرح کی سمجھ صحابہ کرام ہی کو حاصل تھی، شاید کہ متاخرین میں سے کچھ لوگ کہیں کہ عوف کا یہ عمل جائز نہیں تھا، ان کے لئے کیسے جائز ہوا کہ صعب کے یتیموں کے ترکہ کا جو مال تھا اس میں سے یہودی کو دس دینار محض خواب کی وجہ سے دیں۔

اس طرح کے فقہ اور دین کی سمجھ جس سے اللہ نے صحابہ کرام کو مخصوص کیا تھا اس کی ایک نظیر ثابت بن قیس بن شماس کا قصہ بھی ہے، جس کو حافظ ابن عبدالبر نے اور دوسروں نے بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ ثابت بن قیس جب یمامہ کی جنگ میں جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت لڑی جا رہی تھی شہید ہوئے تو ان کے بدن پر ایک قیمتی زرہ تھی ادھر سے ایک مسلمان کا گذر ہوا تو اس نے اس زرہ کو لے لیا تو ایک صاحب نے خواب میں ثابت بن قیس کو دیکھا کہ وہ اس سے کہہ رہے ہیں کہ میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں، خبردار میری بات کو خواب سمجھ کر اس سے لاپرواہی مت برتنا، انھوں نے اس کو بتلایا کہ جب میں کل کے روز قتل ہوا تو میری لاش کے پاس سے ایک آدمی کا گذر ہوا اور اس نے میری زرہ کو لے لیا ہے، اس کا گھر آبادی سے بالکل کنارے ہے، اس کے خیمہ کے پاس ایک گھوڑا ہے جو دراز قد ہے، میری زرہ پر اس نے پتھر کی ایک ہانڈی الٹ کر رکھ دی ہے، اور ہانڈی پر کجاوہ ہے، تم خالد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ کسی کو بھیج کر میری زرہ حاصل کر لیں، اور ان سے کہو کہ جب وہ خلیفہ رسول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ پہونچیں تو ان بتلائیں کہ میرے اوپر اتنا قرض ہے، اور میرے غلام میں سے

فلاں فلاں آزاد ہے۔

وہ آدمی حضرت خالد کے پاس آیا اور ان سے خواب میں جو اس نے دیکھا تھا اس کا ذکر کیا تو حضرت خالد نے آدمی کو بھیج کر زرہ کو حاصل کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت ثابت رض کا خواب بیان کیا تو حضرت ابوبکر رض نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کو نافذ کر دیا۔

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ میرے علم میں کسی کی وصیت اس کے مرنے کے بعد نافذ ہونے کا کوئی واقعہ نہیں ہے سوائے اس ایک واقعہ کے۔

تو دیکھو حضرت ابوبکر اور حضرت خالد رضی اللہ عنہما نے اس خواب کے مطابق عمل کرنے پر اتفاق کیا اور وصیت کو نافذ کیا اور جس نے زرہ کو لیا تھا اس سے زرہ کو واپس لیا۔ یہ بات وہ ہے جس کا تعلق محض خدائی فہم سے ہے۔

حضرت ابوحنیفہ، حضرت امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ زوجین میں سے ایک کی بات کی قرائن سے تصدیق کے قائل ہیں تو ان کا یہ قول افضل اور اولیٰ ہے۔

اور جہاں شریعت نے شوہر کی قسم کی وجہ سے بیوی پر حد کو مشروع کیا ہے حالانکہ قرینہ بیوی کی سچائی کی شہادت دیتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کا قسم کھانا یہ ظاہر دلیل ہے کہ شوہر سچا ہے۔

مقصود یہاں سائل کے سوال کا جواب دینا ہے کہ میت جب اس طرح کے جزئیات اور ان کی تفاصیل کو بھی جانتا ہے تو زیارت کرنے والے کی آمد کا علم اور اس کے سلام اور دعا کا علم میت کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگا۔

---

محمد ابوبکر غازیپوری

# حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے چند مخصوص تلامذہ کا مختصر مختصر تذکرہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے فقہ وسنت اور فضل وکمال میں سیادت وامامت کے درجہ پر فائز کیا تھا، ائمہ مجتہدین میں ان کو جو مقبولیت حاصل رہی اس میں ان کا کوئی دوسرا سہیم وشریک نہیں تھا، ان کی مقبولیت عنداللہ کی بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کا فقہ خود ان کے زمانہ میں اور بعد کے ادوار میں مشرق ومغرب میں پھیل گیا تھا، اور مسلمانوں کا اکثریتی طبقہ اور عام طور پر مسلمان حکومتیں اسی فقہ کی پیرو اور متبع تھیں۔

حضرت امام اعظم کے حلقہ درس سے استفادہ کرنے والوں اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے والوں میں بڑے بڑے ائمہ فقہ وحدیث رہے ہیں، اللہ نے جس طرح کے تلامذہ حضرت امام اعظم کو مہیا کئے کسی دوسرے امام مجتہد کو یہ شرف نہیں مل سکا، پھر ان تلامذہ کے ذریعہ سے حضرت امام اعظم کے علوم دنیا میں پھیلے اور فقہ حنفی کا عظیم ذخیرہ تیار ہوا۔

ہم ذیل میں حضرت امام اعظم کے چند مخصوص اور مشہور تلامذہ کا ذکر کریں گے۔
عام طور پر یہ تلامذہ وہ ہیں جو امام بخاری، امام مسلم اور صحاح ستہ کے دوسرے مصنفین کے مشائخ کے مشائخ ہیں، اور یہ تمام وہ ہیں جن سے احادیث اور صحاح کی کتابیں بھری

ہیں۔ امام کے ان تلامذہ پر نظر ڈالنے سے اندازہ لگتا ہے کہ جس استاذ کے ایسی قدر و منزلت اور فقہ و حدیث میں امامت کا درجہ رکھنے والے شاگرد ہوں خود اس استاذ کا علمی مقام کتنا بلند و بالا ہوگا، اور وہ قدر و منزلت کے کس مقام پر ہوگا۔

جن حضرات کا یہاں ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے اس میں بڑی حد تک اختصار کا لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ ایک ہی قسط میں یہ مضمون تمام ہو جائے، ہم نے اس مضمون کو مرتب کرنے کے وقت صرف حضرت مولانا ظفر عثمانی کا مقدمہ اعلاء السنن جس کا عنوان ہے۔ ابو حنیفۃ واصحابہ المحدثون کو سامنے رکھا ہے، اور یہ مضمون اسی سے ماخوذ ہے۔

## امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تلامذہ حضرت امام اعظم میں سب سے مقدم اور سب سے اجل ہیں، حضرت سعد بن عوف رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اسلام میں انھیں کو سب سے پہلے قاضی القضاۃ کے نام سے یاد کیا گیا۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اصول فقہ میں کتاب تصنیف کی، حنفی فقہ ان کے ذریعہ سے پورے عالم میں پھیلا اور حضرت امام اعظم کے علوم سے دنیا نے واقفیت حاصل کی۔

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ صرف دو قاضی میرے علم میں ہیں جن کے سپرد مشرق و مغرب میں قاضیوں کا تقرر کرنا تھا: ایک امام ابو یوسف اور دوسرے احمد بن داؤد۔

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔ الامام العلامۃ فقیہ العراقین بلادی الکوفۃ والبصرۃ، حضرت امام یوسف کے شاگردوں میں حضرت امام محمد، حضرت امام احمد بن حنبل بشر بن الولید یحییٰ بن معین علی بن جعد علی بن مسلم عمرو بن عمر و جیسے اجلہ محدثین اور فقہا رہیں۔

امام مزنی فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف حدیث کی سب سے زیادہ اتباع کرنیوالے تھے۔

حضرت ابن معین فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف حدیث و سنت والے تھے ۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ حدیث کے بارے میں وہ انصاف پسند تھے ۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ اصحاب الرائے میں امام ابو یوسف سے زیادہ حدیث والا اور زیادہ اثبت کوئی دوسرا نہیں تھا ، ابو عمر فرماتے ہیں کہ امام یوسف صاحب سنت تھے ، سمعانی انساب میں لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں تھا ۔ علم اور حکومت ، ریاست اور عزو شان کے انتہائی مقام پر تھے ۔

حضرت امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ جس مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا اتفاق ہو جائے اس مسئلہ میں کسی کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ، نیز حضرت امام کا کہنا تھا کہ جب میں نے علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا تو سب سے پہلے امام ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے بعد دوسرے مشائخ کے پاس گیا ، امام ابو یوسف کا حافظہ بھی بڑے غضب کا تھا ، ہلال کہتے ہیں کہ وہ حدیث تفسیر اور عرب کے جنگی واقعات کے حافظ تھے اور فقہ تو ان کا سب سے کم علم تھا ، امام ابو یوسف کے حافظہ کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جس کے راوی حسن بن زیاد ہیں ، فرماتے ہیں کہ ہم امام ابو یوسف کے ساتھ حج کے لئے نکلے تھے ، راستہ میں وہ بیمار ہو گئے ، بیر میمونہ کے پاس وہ مقیم تھے کہ حضرت سفیان بن عیینہ تشریف لائے تو امام ابو یوسف نے ہم سے کہا کہ ان سے حدیثیں سن لو تو ابن عیینہ نے اپنے حافظہ سے چالیس احادیث سنائیں ، پھر جب وہ تشریف لے گئے تو امام ابو یوسف نے ان چالیس احادیث کو ان کی سند اور متن کے ساتھ ہمیں زبانی سنا دیں ۔ ہمیں ان کی یادداشت کی اس سرعت پر جبکہ وہ سفر میں مشغول بھی تھے بہت تعجب ہوا ۔

حضرت امام ابو یوسف نہایت عابد زاہد اور خشیتِ الٰہی سے معمور سینہ والے تھے ۔ فرماتے تھے کہ کاش میں فقیرانہ زندگی گذارتے ہوئے مرجاتا اور قضا کے کام سے محفوظ رہتا ، پھر فرماتے تھے کہ الحمد للہ میں نے قصداً کسی کے ساتھ ظلم نہیں کیا ، اور نہ فریقین مقدمہ میں سے کسی ایک فریق کی جانب داری کی ، خواہ وہ بادشاہ رہا ہو یا عام لوگ رہے ہوں ۔

بادشاہ وقت نے ان کی زمین کا ٹیکس معاف کر رکھا تھا تو امام ابویوسف اس کو صدقہ کر دیا کرتے تھے، ابن سماعہ فرماتے ہیں کہ امام ابویوسف قاضی القضاۃ کے عہدہ پر ہونے کے باوجود بھی روزانہ دوسو رکعت نفل نماز ادا کرتے تھے، محمد بن الصباح فرمایا کرتے تھے کہ امام ابویوسف صالح مرد تھے اور مسلسل روزہ رکھا کرتے تھے۔

حضرت امام ابویوسف کے اقوال میں سے ہے کہ من طلب غرائب الحدیث کذب ومن طلب المال بالکیمیاء افتقر ومن طلب الدین بالکلام تزندق۔ یعنی جو عجیب عجیب احادیث کی طلب میں رہے گا وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھے گا، جو کیمیا کے ذریعہ مالدار بننا چاہے گا وہ فقیر رہے گا اور دین کو کلام کے ذریعہ حاصل کرے گا زندیق ہو جائے گا۔

حضرت عاصم بن یوسف سے لوگوں نے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت امام ابویوسف سے عرض کیا کہ لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ علم کے میدان میں آپ سے بڑھ کر اس وقت کوئی نہیں ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ میرا علم حضرت امام ابوحنیفہ کے علم کے مقابل ایسا ہی ہے جیسے دریا فرات کے بغل میں کوئی چھوٹی سی نہر ہو۔

## امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ

امام محمد امام ابوحنیفہ کے مخصوص ترین تلامذہ میں سے ہیں، حضرت امام کی صحبت میں رہ کر انھوں نے ان سے فقہ وحدیث کا علم حاصل کیا، حضرت امام مالک کی خدمت میں مدینہ منورہ تین سال تک رہے اور ان سے سات سو حدیثیں خود ان کی قرأت سنیں، یہ امتیاز امام مالک کے بہت کم شاگردوں کو حاصل رہا ہے، عام طور پر امام مالک کی مجلس میں ان کی احادیث دوسرے پڑھا کرتے تھے اور امام مالک سنا کرتے تھے، حضرت امام محمد جب حضرت امام مالک سے روایت کی مجلس قائم کرتے تو لوگ ان سے امام مالک کی حدیثیں سننے کیلئے ٹوٹے پڑتے تھے یہانتک کہ جگہ تنگ پڑجاتی۔

حضرت امام محمد سے حضرت امام شافعی نے بطور خاص استفادہ کیا تھا، ان کی شاگردی پر

ان کو فخر تھا، فرماتے تھے کہ میں نے امام محمد سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا ہے نیز فرماتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا، جب وہ گفتگو کرتے تو معلوم ہوتا کہ قرآن انھیں کی زبان میں نازل ہوا ہے، اور فرماتے تھے کہ میں نے امام محمد سے زیادہ صاحب عقل کسی کو نہیں دیکھا، ایک دفعہ امام شافعی سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا تو انھوں نے اس کو مسئلہ بتلایا تو اس نے کہا کہ اس مسئلہ میں فقہاء کو آپ سے اختلاف ہے تو امام شافعی نے اس آدمی سے کہا تم نے کسی فقیہ آدمی کو دیکھا بھی ہے، ہاں اگر تم نے امام محمد کو دیکھا ہو تو یہ اور بات ہے، وہ قلب و نگاہ کو آسودہ کر دیا کرتے تھے۔

امام شافعی فرمایا کرتے تھے اللہ نے علم کے میدان میں میری دو آدمی کے ذریعہ مدد فرمائی علم حدیث میں سفیان بن عیینہ سے اور فقہ میں میری مدد امام محمد کے ذریعہ فرمائی۔

امام شافعی فرماتے تھے کہ میں امام کی مجلس میں دس سال رہا اور ان سے ڈھیر سارا علم حاصل کیا، وہ گفتگو اگر اپنے علم اور عقل کے اعتبار سے فرماتے تو اس کا تحمل ہمارے لئے دشوار تھا وہ ہماری رعایت فرماتے اور ہماری عقل بقدر گفتگو کرتے۔

حضرت امام شافعی جیسا امام اور مجتہد جس کے بارے میں ان خیالات کا اظہار فرمائے، اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا علمی مقام کتنا بلند ہوگا۔

حضرت امام محمد کا حافظہ بھی بڑا قوی تھا، جب وہ حضرت امام ابوحنیفہ کی خدمت میں تحصیل علم کیلئے تشریف لے گئے تو امام صاحب نے ان سے فرمایا کہ پہلے قرآن حفظ کر لو، تو امام محمد نے صرف سات روز میں پورا قرآن حفظ کر لیا۔

ابوعبید فرماتے تھے کہ میں نے کتاب اللہ کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا، ابراہیم الحربی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ آپ کے پاس یہ دقیق مسائل کہاں سے آئے تو انھوں نے فرمایا کہ امام محمد کی کتابوں سے میں نے جمع کئے ہیں، فقہ و حدیث کے علاوہ امام محمد کو عربیت نحو اور حساب میں بھی تبحر حاصل تھا۔

فوائد میں ہے کہ امام محمد کی کتابوں کی تعداد نو سو ننانوے ہے، اور یہ ساری

کتابیں علوم دینیہ میں ہیں، اللہ تعالیٰ امام محمد کو باطنی خوبیوں کے ساتھ شکل وصورت کے اعتبار سے بھی بہت حسین وجمیل بنایا تھا، امام محمد کی وفات اور امام کسائی کی وفات ایک ہی دن میں مقام رائے میں ہوئی تھی تو ہارون رشید کہتا تھا کہ میں نے فقہ اور نحو دونوں کو رے میں دفن کیا۔ یعنی فقہ کی امامت امام محمد پر ختم تھی اور نحو کی امامت کسائی پر ختم تھی، ان دونوں فن میں ان دونوں کا کوئی مثیل اس زمانہ میں نہیں تھا۔

## امام زفر رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم کے مخصوص ترین شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، بڑے عابد و زاہد اور اللہ والے تھے، فقہ میں اپنی نظیر آپ تھے، قیاس ان کا خاص فن تھا، امام ذہبی نے میزان میں ان کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے، احد الفقہاء والزہاد، وثقہ غیر واحد، یعنی فقیہ اور زاہد تھے بہت سے لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے، صدوق، حدیث کے باب میں بڑے صادق تھے۔

ابو اسحٰق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں ان کا ذکر بہت اونچے الفاظ میں کیا ہے، فرماتے ہیں کہ امام زفر علم اور عبادت کے جامع فرد تھے اور اصحاب حدیث میں سے تھے، امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ قیاس کرنے کے ماہر تھے، مزید فرماتے ہیں کہ جو ان کے مذہب اور فقہ میں ان کے مقام سے واقف ہوگا وہ ان کے مقام اور قدر و منزلت کو جانے گا۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ امام زفر ثقہ اور حق کی طرف رجوع کرنے والے تھے، اور حافظ حدیث تھے، حدیث میں پختہ کار تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہ کو اپنے اس شاگرد پر فخر تھا اور وہ فرماتے تھے کہ میرے شاگردوں میں قیاس کرنا ان کو خوب آتا ہے، حضرت امام زفر کا نکاح خود حضرت امام اعظم نے پڑھایا تھا اور خطبہ کی مجلس میں ان کی شان میں اپنی زبان مبارک سے یہ فرمایا تھا۔

هذا زفر بن الهذیل امام من ائمة المسلمین وعلم من اعلامهم فی شرفه وحسبه وعلمه۔

یعنی یہ زفر بن ہذیل ہیں، جو ائمہ مسلمین میں سے ایک امام ہیں، اور اپنے علم حسب اور شرف میں بڑے پایہ کے انسان ہیں۔

حضرت امام وکیع جیسا محدث اور امام جرح و تعدیل ان کی مجلس میں پابندی سے حاضر ہوتا تھا۔

امام زفر کا حضرت امام ابو یوسف سے علمی مناظرہ ہوتا تھا جس میں امام زفر کو غلبہ حاصل رہتا، امام زفر حضرت امام ابو یوسف سے سن میں زیادہ تھے۔

امام زفر فرماتے تھے کہ ہم اس وقت قیاس و رائے سے کام لیتے ہیں جب کسی مسئلہ میں حدیث نہیں ہوتی ہے اور جب حدیث مل جاتی ہے تو ہم رائے کو چھوڑ دیتے ہیں۔

فضل بن دکین کہتے ہیں کہ جب حضرت امام ابو حنیفہ کی وفات ہو گئی تو میں نے امام زفر کی مجلس کو لازم پکڑ لیا اس لئے کہ وہ امام کے شاگردوں میں سے سب سے زیادہ فقیہ اور سب سے زیادہ صاحب ورع تھے، میں نے ان سے بہت سارا علم حاصل کیا۔

امام زفر حضرت امام ابو حنیفہ کے ان دس شاگردوں میں سے ہیں جنھوں نے امام کے علم کو مدون کیا۔

امام زفر کی مجلس میں دنیا کے ذکر کا کسی کو موقع نہیں تھا، ابراہیم بن سلیمان کہتے ہیں کہ جب ہم امام زفر کی مجلس میں ہوتے تو ہماری مجال نہ تھی کہ ہم دنیا کا ذکر کریں اور اگر کسی نے دنیا کا ذکر چھیڑا تو امام زفر اس وقت وہاں سے اٹھ جاتے، خوفِ خدا اتنا تھا کہ ہم لوگ کہتے تھے کہ اللہ کے ڈر نے انکو مار ڈالا ہے۔

---

## خط اور اس کا جواب

# ایک ہی مسئلہ میں ائمہ فقہ کے مختلف اقوال کیوں؟

محمد ابوبکر غازی پوری

مکرمی حضرت مولانا زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج اقدس

یہ مبالغہ آرائی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ زمزم کی وجہ سے بہت فائدہ ہو رہا ہے، اور ان پر غیر مقلدین کا داؤ پیچ چل نہیں پاتا جن کے زیر مطالعہ زمزم یا آپ کی کتابیں رہتی ہیں، زمزم کا انتظار بہت بے چینی سے رہتا ہے۔

غیر مقلدین پرچوں میں جو مضامین چھپ رہے ہیں ان کو بھی ہم لوگ پڑھتے ہیں، جو پڑھے لکھے اور باشعور ہیں ان کا احساس ہے کہ ان مضامین میں جھینپ مٹانے اور غصہ نکالنے کا انداز چھایا رہتا ہے، علم و معقولیت سے یہ مضامین عموماً خالی ہوتے ہیں، ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے ورنہ زمزم کے مضامین کا مطالعہ کرنے کے بعد تو غیر مقلدین کو بھی مان لینا چاہئے کہ ان کی راہ غلط اور گمراہی کی ہے، اسلاف امت کی جو راہ ہے وہی حق و ہدایت کی ہے۔

ہمارے ایک دوست کی فرمائش ہے کہ مولانا کو لکھیں کہ ایک مسئلہ میں فقہاء کے مابین جو اختلاف ہوتا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ اور یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں کا قول حق ہے اور فلاں کا ناحق۔

براہ کرم کسی موقع سے اس بارے میں چند کلمات تحریر فرمادیں۔ نئے سال کا چندہ

روانہ ہے، اسے نوٹ کرلیں۔

والسلام

رضوان محمد بارہ بنکی

زمزم!

آپ کے جذبات اور احساسات معلوم کرکے خوشی ہوئی، محض اللہ کریم کی توفیق ہے کہ اس نے ہمیں راہ مستقیم پر رکھا، اور اسلاف امت کا جو عقیدہ اور مسلک رہا ہے اس کو عام کرنے اور دوسروں تک پہونچانے کی توفیق مرحمت فرمائی اور غیر مقلدیت اور سلفیت کے جراثیم سے افراد امت کو بچانے کے لئے اس نے ہمیں میدان میں لاکر کھڑا کر دیا۔ ہم اللہ کی اس توفیق پر اس کے بے حد شکر گذار ہیں۔ زمزم کی افادیت کے بارے میں جو احساس آپکا ہے ہمارے بہت سے مخلصین کا بھی یہی احساس ہے، اس سے ہمت بندھتی ہے اور دشواریوں پر قابو پانے کا حوصلہ ملتا ہے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہاں قدم قدم پر مشکلات ہیں وسائل کی کمی، افراد کی کمی، اپنوں اور غیروں کی مخالفت یہ سب چیزیں انسان کے لئے باعث پریشانی ہوتی ہیں اور آدمی کام کرنے کا حوصلہ ہار جاتا ہے، آپ حضرات کے ان حوصلہ افزا کلمات سے اپنے اندر بڑی قوت محسوس کرتا ہوں۔

زمزم سے آپ کے تعلق خاطر کی بات ہے کہ سالانہ ساٹھ روپے کے بجائے آپ چار سو روپے بھیج رہے ہیں، انھیں فدائیوں نے زمزم کو اب تک اپنے پاؤں پر کھڑا کر رکھا ہے، ہمارے کتنے ایسے کرم فرما ہیں کہ زمزم کا بقایا گزشتہ اور پیوستہ سال کا بھی ادا نہیں کیا، ان حضرات کو آپ جیسے مخلصین سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں فقہاء کے الگ الگ اقوال کیوں ملتے ہیں، تو اگر یہ سوال بطور اعتراض ہے اور کسی غیر مقلد صاحب کی طرف سے ہے تو اس کا جواب بطور الزام کے یہ ہے کہ یہ غیر مقلد حضرات جو اپنے کو اہلحدیث کہتے ہیں اور ہر غیر مقلد کا یہی دعویٰ ہے کہ اس کا عمل کتاب وسنت سے ماخوذ ہوتا ہے خود ان کے یہاں ایک ہی مسئلہ میں ان کے علماء کے اقوال کیوں مختلف ہیں۔ مثلاً کلمات اقامت اکہرے کہے جائیں یا دو دو مرتبہ اذان کی طرح

تو نواب بھوپالی اور شوکانی صاحب تو فرماتے ہیں کہ دھرے ہی کہنے لازم ہیں اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں کہ نہیں اکہرے ہی کہنا متعین ہے دیکھو (الروضۃ الندیہ اور تحفۃ الاحوذی)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب اور عام غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھا جائے گا، اور نواب صاحب بھوپالی فرماتے ہیں کہ چاہے ناف کے نیچے باندھ چاہے اوپر سب برابر ہے۔

عام غیر مقلدین اور ان کے علماء کا مذہب یہ ہے کہ رفع یدین تین یا چار جگہ کیا جائے گا اور غیر مقلدین کے محدث اعظم البانی صاحب فرماتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت بھی اور سجدہ سے اٹھتے وقت بھی اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین کیا جائے گا اور یہی سنت ہے اور آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نماز میں یہی معمول تھا۔ (دیکھو البانی صاحب کی کتاب صفۃ الصلوٰۃ)

البانی صاحب غیر مقلد کا مذہب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھا جائیگا پھر گھٹنا اور صادق صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں کہ آنحضور کی سنت یہ تھی کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم پہلے گھٹنا رکھتے تھے پھر ہاتھ، اور جب اٹھتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے اٹھاتے۔

(صلوٰۃ الرسول دیکھو)

زیادہ تر غیر مقلدین کے علماء کا مذہب یہ ہے کہ جہری نماز میں بھی مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے گا اور البانی صاحب غیر مقلد کا مذہب یہ ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جہری تمام نمازوں میں مقتدیوں کو سورہ فاتحہ پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ دیکھو البانی صاحب کی کتاب (صفۃ الصلوٰۃ)

اس طرح کی پچاسوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ خود اہلحدیث ہونے کے مدعی غیر مقلدین علماء کے اقوال ایک ہی مسئلہ میں الگ الگ ہیں، تو پھر غیر مقلدین کو پہلے اپنے گھر کی خبر لینی چاہیے اور وہ اپنے تمام علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرلیں تب فقہاء کرام کے بارے میں ان کی کوئی رائے زنی یا ان پر کوئی اعتراض مناسب ہوگا۔

غیر مقلدین کو فقہائے کرام کے ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال بہت پریشان کئے رہتے ہیں، مگر ایک ہی حدیث کے بارے میں محدثین کے مختلف اقوال ان کے لئے باعث پریشانی نہیں ہوئے، ایسا معلوم نہیں کیوں؟

اسی طرح ایک ہی راوی کے بارے میں محدثین کے متعدد اقوال بھی غیر مقلدین کو پریشان نہیں کرتے؟

ایک ہی آیت کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال بھی غیر مقلدین کو پریشان نہیں کرتے۔

ایک آیت کو متعدد قاری متعدد طریقہ سے پڑھتے ہیں قراء کا یہ اختلاف بھی غیر مقلدین کو پریشان نہیں کرتا

ہاں اگر ایک ہی مسئلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہوں تو یہ چیز غیر مقلدوں کو ضرور پریشان کرتی ہے اس وجہ سے کہ غیر مقلدوں کو فقہاء کی خیریت معلوم کرنے کی بہت زیادہ فکر رہتی ہے۔

قرأت خلف الامام کے بارے میں مشہور روایت ہے کہ اگر امام نماز پڑھا رہا ہو تو امام کی قرأت ہی مقتدی کے لئے کافی ہے۔ (مقتدی کو سورہ فاتحہ وغیرہ کچھ پڑھنا نہیں ہے) البانی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوری فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی سند صحیح نہیں ہے اور یہ حدیث تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو امام مسلم اس کو صحیح قرار دیتے ہیں اور مبارکپوری صاحب اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

تیمم میں دو دفعہ ہاتھ مارنے والی حدیث کو حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے، اور مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس طرح اور محدثین کو تو جانے دیجئے خود مبارکپور کے قصبہ اعظم گڈھ کے محدث صاحب نے ایک ہی حدیث کے بارے میں بڑے بڑے محدثین کے خلاف قول اختیار کیا ہے۔

یہ جواب تو اس صورت میں ہے جب کہ آپ کا سوال کسی غیر مقلد صاحب کا ہو، اور اگر یہ شبہ آپ یا آپ کے دوست کے ذہن میں خود پیدا ہوا ہے تو اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ کبھی تو یہ اختلاف اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں احادیث الگ الگ ہوتی ہیں اس وجہ سے فقہاء کا قول بھی ان الگ الگ حدیثوں پر عمل کرنے کی وجہ سے الگ الگ ہوتا ہے۔ مگر دلیل ہر قول کی حدیث ہی ہوتی ہے، اس لئے کسی کے قول کو خلافِ سنت نہیں کہا جائے گا، بلکہ ان میں کا ہر قول برحق ہوگا، مثلاً اذان کے سلسلہ میں چار طرح کا قول ہے، ایک قول تو یہ ہے کہ اللہ اکبر کو دو دفعہ کہا جائے گا اور کلمۂ شہادت کو چار مرتبہ کہا جائے گا اور بقیہ کلمات کو دو دو مرتبہ کہا جائے گا، امام مالک وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ اللہ اکبر کو چار مرتبہ کہا جائے گا اسی طرح شہادت والا کلمہ بھی چار مرتبہ کہا جائے گا، اور باقی کلمات کو دو دو مرتبہ کہا جائے گا، امام شافعی وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ اکبر چار مرتبہ کہا جائے گا اور بقیہ کلمات کو دو مرتبہ کہا جائیگا امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اللہ اکبر کو چار مرتبہ کہا جائے گا اور شہادت کے کلمہ کو حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے ساتھ تین تین مرتبہ کہا جائے گا اس کے قائل امام حسن بصری وغیرہ ہیں۔

دیکھئے مسئلہ ایک ہے مگر اس میں چار قول ہیں، اور ہر قول کے قائلین فقیہ اور محدث ہیں، مسئلہ نماز کا ہے جو صرف منقول ہے اجتہاد کو اس میں دخل نہیں ہے، رائے کا یہاں گزر نہیں ہے، اب ان مختلف اقوال کی توجیہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اس بارے میں الگ الگ حدیثیں ہیں، ائمہ فقہ وحدیث میں سے جن کو جو حدیث زیادہ قابلِ عمل نظر آئی انھوں نے اس کو اختیار کیا، اس مسئلہ کو نقل کر کے ابن رشد صاحب بدایہ فرماتے ہیں۔

والسبب فی اختلاف کل واحد من هولاء الاربع فی اختلاف

الآثار فی ذلک واتصال العمل عند کل واحد منهم (ج ۱ ص ۱۰۶)

یعنی ان چار قول کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں آثار الگ الگ ہیں، اور ان ائمہ کرام کو جو اسلاف سے عمل پہونچا ہے اس کی بھی نوعیت الگ الگ تھی۔

ایک دوسری مثال لیجئے۔

نماز میں مطلق قرأت فرض ہے، یا سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، اگر سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہی فرض ہے تو کیا ہر رکعت میں اس کا پڑھنا فرض ہے یا کچھ رکعتوں میں اس کا پڑھنا فرض ہے، اس بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ جس کو سورہ فاتحہ یاد ہو اس کو سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، ایک قول یہ ہے ہر رکعت میں پڑھنا فرض ہے یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام مالک کی بھی مشہور روایت یہ ہے، دوسری روایت ان کی یہ ہے کہ صرف پہلی دو رکعت میں اس کا پڑھنا فرض ہے، اور بعض حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اکثر رکعتوں میں پڑھنا فرض ہے ہر ہر رکعت میں فرض نہیں ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ صرف ایک رکعت میں پڑھنا ضروری ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک مطلقاً قرأت فرض ہے خواہ سورہ فاتحہ یا قرآن کا کوئی اور حصہ ہو۔ ابن رشد فرماتے ہیں فقہاء اور ائمہ کے اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مختلف آثار و احادیث ہیں۔ ابن رشد کے الفاظ یہ ہیں:

والسبب فی ھذا الاختلاف تعارض الآثار فی ھذا الباب ومعارضۃ ظاھر الکتاب للاثر (ص ۱۲۶/۱۲۷)

یعنی اس مسئلہ میں ان مختلف اقوال کی وجہ دو ہے ایک تو یہ ہے کہ اس باب میں احادیث مختلف و متعارض ہیں اور دوسرے یہ کہ ظاہر کتاب اللہ (سورہ فاتحہ والی) حدیث کے خلاف ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں بھی تمام ائمہ نے اپنے اپنے قول کی بنیاد کتاب و سنت ہی پر رکھی ہے۔ کسی امام کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے قرآن و حدیث کے خلاف

قول اختیار کیا ہے ۔

کبھی اختلاف اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی یا کئی معنی ہوتے ہیں، کسی نے کوئی معنی لے لیا اور کسی نے کوئی معنی لے لیا، جیسے قرآن میں لفظ قرء ہے، اس کے معنی لغت میں حیض کے بھی اور طہر کے بھی ہے، امام شافعی نے طہر کا معنی لیا امام ابوحنیفہ نے حیض کا معنی لیا، اب عدت کے مسئلہ میں دونوں اماموں کا اختلاف ہوگیا، امام شافعی کے نزدیک مطلقہ عورت کی عدت تین طہر ہے اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ تین حیض ہے، اور استدلال دونوں کا قرآن ہی سے ہے، اس وجہ سے دونوں کا قول حق و صواب ہے کسی ایک کو بھی مخالف کتاب اللہ نہیں کہا جائے گا ۔

کبھی اس وجہ سے بھی اقوال مختلف ہوتے ہیں کہ مسئلہ میں کتاب وسنت سے کوئی نص نہیں ہوتی ہے کہ اس سے اس مسئلہ کا صریح حکم معلوم ہو، تو فقہا لوگوں کے احوال اور اپنے تجربات یا عرف و عادات کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرتے ہیں، اس وجہ سے ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال سامنے آتے ہیں، مثلاً نفاس کی اقل مدت یا اکثر مدت کیا ہے اس بارے میں کتاب وسنت کا کوئی واضح حکم نہیں ہے، تو امام مالک کا تو قول یہ ہے کہ نفاس کی مدت کم سے کم کیا ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ (بقول ابن رشد) فرماتے ہیں کہ اس کی مدت پچیس روز ہے، اور امام ابویوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ گیارہ دن ہے امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ بیس روز ہے ۔

نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت کے بارے میں بھی کوئی واضح نص نہیں ہے تو امام مالک فرماتے ہیں کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ساٹھ روز ہے، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے، صحابہ میں سے اکثر کی رائے یہ تھی کہ اس کی مدت چالیس روز ہے امام ابوحنیفہ صحابہ کرام کے اسی قول کو اختیار کرتے ہیں، بعض لوگوں نے مذکر اور مؤنث کی پیدائش میں فرق کیا ہے ان کا قول یہ ہے کہ اگر لڑکا پیدا ہوا تو نفاس کی اکثر مدت تیس روز ہے اور لڑکی پیدا ہوئی تو نفاس کی مدت چالیس روز ہے ۔ ابن رشد فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ان اختلافات کی وجہ یہ ہے

کہ یہ بہت مشکل ہے کہ تجربہ سے اس بارے میں کوئی ایک فیصلہ کیا جا سکے، اس لئے کہ عورتوں کے حالات الگ الگ ہوتے ہیں، اور اس بارے میں کوئی سنت نہیں ہے کہ اس پر عمل ہو۔
جب صورت حال یہ ہے تو جس کے تجربہ میں جو بات آئی اس کے مطابق اس نے قول اختیار کیا یہ مسئلہ اجتہادی ہوا اور سب کا اجتہاد ایک نہیں ہو سکتا اس وجہ سے سب کی رائے اور سب کا قول بھی ایک نہیں ہوگا، مگر سب ماجور ہوں گے اور سب کا قول برحق ہوگا، اس وجہ سے کہ ایسے مسائل جن میں کتاب و سنت کا واضح حکم موجود نہ ہو مجتہد کا کام اجتہاد کر کے مسئلہ کا حکم دریافت کرنا ہے، شرعاً اسی کا وہ ذمہ دار ہے، اس وجہ سے ہر مجتہد اللہ کے یہاں اجر کا مستحق ہے اور اس کے مقلدین بھی حق پر اور ماجور ہوں گے۔
کبھی اختلاف کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ کسی آیت یا حدیث سے ایک امام نے مسئلہ کا حکم کچھ معلوم کیا دوسرے نے اسی آیت اور حدیث سے مسئلہ کا حکم کچھ اور معلوم کیا، مثلاً لاصلوٰۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب سے امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق منفرد سے ہے مقتدی سے نہیں اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق منفرد اور مقتدی دونوں سے ہے، تو اب امام احمد تو مقتدی کیلئے سورہ فاتحہ پڑھنے کو ضروری نہیں قرار دیں گے اور امام بخاری ضروری قرار دیں گے۔
اختلافات کے وجوہ اور بھی ہیں مگر ان چند مثالوں سے مجھے صرف یہ دکھلانا ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں اگر فقہاء کے مختلف قول ہوتے ہیں تو اس کی بنیاد معاذاللہ کتاب و سنت سے مخالفت یا اتباع نفس نہیں ہوتی ہے بلکہ سب کی نگاہ میں اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات و تعلیمات ہی ہوتی ہیں اور کتاب و سنت اور آثار صحابہ ہی سے ہر امام اور فقیہ استدلال کرتا ہے، اس وجہ سے یہ سارے ائمہ ائمہ ہدیٰ ہیں، اور ان میں سے جس کی بھی اتباع کی جائے حق کی اتباع کہلائے گی اور شریعت ہی پر عمل کرنا کہلائے گا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ نفس اور نفسانیت کے اس دور میں آدمی کسی ایک امام کی تقلید میں جکڑا رہے، غیر مقلدیت کی راہ اختیار کرنے کی وجہ سے انسان صراط مستقیم سے بھٹک جائے گا، شیطان

کے شکنجے میں کس جائے گا، نفس کی خواہشات کا پجاری ہو جائے گا، اور پھر وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ اس زمانہ میں ایمان اور دین کی حفاظت کا واحد راستہ صرف اور صرف ائمہ دین میں سے کسی ایک کی تقلید ہے۔

والسلام

—— محمد ابوبکر غازی پوری ——

ببن الحسن عباسی

# مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(متوفی ۱۳۲۳ھ)

فقیہ عصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے علمی انہماک اور مطالعہ میں محنت کے متعلق لکھا ہے کہ دن رات کھانے سونے کے ساتھ آٹھ گھنٹوں کے علاوہ باقی تمام وقت ایسی حالت میں گزارتے کہ کتاب آنکھوں کے سامنے ہوتی، مطالعہ میں آپ اس طرح محو رہتے کہ پاس رکھا ہوا کھانا اگر کوئی اٹھا کر لیجاتا تو آپ کو خبر تک نہ ہوتی، بسا اوقات کتاب دیکھتے دیکھتے سوجاتے اور رات کا کھانا کھانا یاد نہیں رہتا تھا۔

## مجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ

ایک مرتبہ فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحب کی خدمت میں جب پڑھا کرتا تھا، جہاں کھانا مقرر تھا آتے جاتے راستہ میں ایک مجذوب ہوا کرتے، ایک دن وہ بولے۔ مولوی! روزانہ اس راستے سے تو کہاں جایا کرتا ہے، کوئی دوسرا راستہ نہیں، میں نے عرض کیا، کھانا لینے جایا کرتا ہوں دوسرا راستہ چونکہ بازار سے ہوکر گزرتا ہے اور وہاں ہر قسم کی اشیاء پر نظر پڑسکتی ہے اس لئے اس راہ سے آتا جاتا ہوں، مجذوب کہنے لگے شاید تجھے معاشی تنگی اور خرچ کی تکلیف ہے۔ میں تجھے سونا بنانے کا نسخہ بتاتا ہوں، کسی وقت میرے پاس آجاؤ، فرماتے تھے۔ اس وقت تو حاضری کا اقرار کر آیا مگر پڑھنے لکھنے میں انہماک کی وجہ سے بعد میں یاد ہی نہیں رہا۔ دوسرے دن مجذوب نے پھر یاد دہانی کی، میں نے کہا پڑھنے سے فرصت نہیں

جمعہ کے دن کوئی وقت نکالکر آؤں گا۔ جمعہ آیا تو مطالعہ میں مشغولیت کی وجہ سے یاد نہیں رہا، مجذوب پھر ملے، کہا کہ تم حسب وعدہ نہیں آئے۔ میں نے بھولنے کا عذر کیا اور آئندہ جمعہ کا وعدہ کیا، لیکن مطالعہ میں مصروفیت کی وجہ سے جمعہ کے دن یاد ہی نہیں رہتا تھا۔ اس طرح کئی جمعے گزر گئے۔

آخر ایک جمعہ کو وہ مجذوب خود میرے پاس آئے اور درگاہ شاہ نظام الدین کی طرف سے جا کر ایک قسم کی گھاس مجھے دکھائی۔ ساتھ ساتھ ان مقامات کی بھی نشان دہی کی جہاں یہ گھاس اگتی ہے پھر وہ گھاس توڑ کر لائے اور مجھے طریقہ بتلانے کی غرض سے میرے سامنے اس سے سونا بنایا، پھر سونا مجھے دے کر کہنے لگے۔ یہ بیچ کر اپنے کام میں لائیں۔ تاہم مجھے کتاب کے مطالعہ سے اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ وہ سونا بازار لے جا کر بیچوں، مجذوب نے ایک دن خود جا کر وہ سونا بیچا اور رقم لا کر مجھے دی[1]

---

صلا کا بقیہ:-

ہیں کہ خود مسجد میں رہنے والوں کو معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں، چنانچہ اسی دوران کاندھلہ سے نکاح طلبی کا تار آیا، لوگوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مکتوب الیہ عرصہ سے یہاں نہیں ہے، اس عرصہ میں بخاری شریف، سیرۃ ابن ہشام، طحاوی، ہدایہ اور فتح القدیر میں نے بالاستیعاب اس اہتمام سے دیکھیں کہ مجھے خود حیرت ہے[2]

---

[1] دیکھئے آپ بیتی جلد ۶ ص ۸۱ — ۸۲ [2] تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۰

ابن الحسن عباسی
شعبۂ تصنیف جامعہ فاروقیہ
کراچی

# مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رح

متوفی - ۱۳۳۴ھ

مولانا محمد یحییٰ حضرت گنگوہیؒ کی عمر کے آخری بارہ برس میں ان کے خادم خاص رہے، حضرت گنگوہیؒ ان کو بڑھاپے کی لاٹھی اور نابینا کی آنکھیں فرمایا کرتے تھے۔

آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور اس کے بعد چھ ماہ تک مسلسل اپنے والد کی طرف سے مامور رہے کہ جب تک قرآن مجید پورا حفظ نہ پڑھ لو گے روٹی نہیں ملے گی، ہاں ختم کے بعد تمام دن چھٹی، مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں عموماً ظہر سے قبل پورا کلام مجید ختم کر لیا کرتا تھا اور پھر کھانا کھا کر چھٹی کے وقت اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا تھا، حفظ قرآن کے زمانے میں آپ نے خفیہ طور پر فارسی کے بہت سے دواوین از خود دیکھ لئے تھے اور باوجود اس کے حفظ قرآن کے سبق پر اثر نہیں آنے دیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ والد صاحب کو وضو کے اوراد کا خاص اہتمام تھا اور ہم پر بھی اصرار تھا کہ پابندی کریں مگر مجھے علم کی دھن تھی، اس لئے میں وضو کرتے وقت کبھی فارسی اور عربی لغات یاد کرتا، والد صاحب میری رٹائی سنتے تو ملامت کے طور پر فرمایا کرتے "خوب وضو کی دعائیں پڑھی جارہی ہیں، شرم کی بات ہے"۔

فرماتے تھے، سلم مجھے ازبر یاد تھی، اور تسبیح لے کر میں نے اس کی عبارت دوسو مرتبہ پڑھی ہے۔ ادب کی اکثر کتابیں آپ کو حفظ تھیں، نفحۃ الیمن، متنبی اور حماسہ جیسی کتابیں آپ نے زبانی طلبہ کو املاء کرائی۔

فرمایا کرتے تھے کہ پانچ ماہ میں نے نظام الدین کے ایک حجرہ میں اس طرح گزارے

بقیہ ۵۳ پر

طٰہٰ شیرازی

# خمارِ سلفیت

## شیخ کلو حفظہ اللہ کی امامت پر ہنگامہ کیوں ہوا ؟

بیٹا ، اباجی

باپ ، جی بیٹا

بیٹا ، اباجی آج شیخ کلو حفظہ اللہ نے فجر کی نماز پڑھائی تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔

باپ ۔ بیٹا ، ہنگامہ کیوں کھڑا ہوا ، شیخ کلو حفظہ اللہ تو عاقل بالغ ہیں ، ان کے پیچھے نماز پڑھنا بالکل جائز ہے۔

بیٹا ۔ اباجی ہنگامہ شیخ کلو حفظہ اللہ کی ناعاقلی و نابالغی پر نہیں کھڑا ہوا ، ہنگامہ کی وجہ دوسری تھی۔

باپ ۔ بیٹا صاف صاف بتاؤ ، بات کو معما مت بناؤ ۔

بیٹا ۔ اباجی شیخ کلو حفظہ اللہ نے نماز فجر کی پہلی رکعت میں انا اعطیناک الکوثر ۰ فصل لربک وانحر پڑھا اور دوسری رکعت میں ان شانئک ھو الابتر ۰ پڑھا ، اور سجدہ کر دیا تو ہنگامہ اسی پر ہوا ، مصلیان مسجد بگڑ گئے کہ دو رکعت میں انا اعطینک ۰ پڑھنا بالکل خلاف سنت ہے ، مگر شیخ کلو کہہ رہے تھے کہ میں نے

قرآن والی نماز پڑھائی ہے، تم لوگ حدیث والی نماز کی بات کرتے ہو، قرآن کا درجہ حدیث سے بلند ہے۔ اس وجہ سے میری نماز بالکل صحیح ہے، نماز صحیح ہے تو امامت بھی صحیح، جب میری امامت صحیح اور نماز بھی صحیح ہے تو تم لوگوں کی بھی نماز صحیح ہے پھر یہ شور وشرابا کیوں، اب مصلیان مسجد پریشان ہیں کہ شیخ کلو کا جواب کیا ہو۔

باپ۔ بیٹا شیخ کلو اپنی نماز کو قرآن والی نماز کس طرح کہہ رہے ہیں، ان کے پاس دلیل اور ثبوت کیا ہے؟

بیٹا۔ اباجی وہ شیخ الاسلام مولانا امرتسری مرحوم کا لوگوں کو فتویٰ دکھا رہے ہیں، مولانا امرتسری اس سوال کے جواب میں کہ قرأت میں کتنی آیت فرض ہے؟ فرماتے ہیں کہ قرآن میں صرف اتنا آیا ہے فاقرأوا ما تیسر من القرآن جس قدر پڑھنا تمہیں آسان ہو پڑھ لیا کرو۔ (ج ۱ ص ۵۸۶ فتاویٰ ثنائیہ) شیخ کلو کا تو استدلال بڑا قوی ہے، اباجی، ہمارے شیخ الاسلام کا فتویٰ ہے، اور ان کے فتویٰ کی بنیاد قرآن ہے، شیخ کلو کی نماز قرآن والی تھی، ہم لوگوں کی نماز حدیث والی ہوتی ہے،

باپ۔ بیٹا، فتویٰ بڑا خطرناک ہے، اس سے بڑا فتنہ پیدا ہو سکتا ہے، سورہ فاتحہ پڑھنا بھی فرض نہیں رہے گا، اور ہم لوگ جو حنفیوں کو سدھا متان، کا ترجمہ دو شاخ سبز کر کے چڑھاتے ہیں، ہمارے منہ پر اب مقلدین بھی کالک لگائیں گے۔

بیٹا۔ اباجی تو ہمارے شیخ الاسلام کا فتویٰ صحیح نہیں ہے، اور شیخ کلو کی امامت قرآن والی نہیں تھی؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

## اجماع حجت بھی ہے اور حجت نہیں بھی ہے۔ شیخ کلو اور شیخ جمن کی تشویش

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمعہ کی اذان دو تھی یا ایک ؟

باپ ۔ بیٹا، حضرت عثمان کے زمانہ میں اذان ایک ہو یا دو تمہیں اس سے کیا مطلب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمعہ کی صرف ایک اذان تھی، ہم حضورؐ کے امتی ہیں عثمان کے نہیں۔

بیٹا ۔ اباجی آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں، کیا میں نے کوئی غلط بات پوچھی ہے ؟

باپ ۔ کل شیخ جمن بھی یہی پوچھ رہے تھے، پرسوں شیخ کلو بھی یہی پوچھ رہے تھے، پری پریروز شیخ بدھ بھی یہی پوچھ رہے تھے اور آج تم بھی اسی ایک بات کو پوچھ رہے ہو، معلوم نہیں تم لوگوں پر یہ سوال اس بری طرح کیوں سوار ہے۔

بیٹا ۔ اباجی، حضورؐ کے زمانہ میں بے شک جمعہ کی اذان ایک ہی تھی مگر حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں تو جمعہ کی دو اذان پر اجماع ہو گیا تھا، اور تمام اہلسنت امام بخاری و امام مسلم نماز جمعہ کی دو ہی اذان کے قائل ہیں۔

باپ ۔ بیٹا، ہمارے مبارکپوری صاحب اور ہمارے دوسرے علماء اجماع کو نہیں مانتے آنحضورؐ کے عمل اور قول کو مضبوطی سے پکڑے ہیں اور بس اجماع وجماع سب مقلدین کے کھلواڑ ہیں۔

بیٹا ۔ اباجی، ہمارے علماء کی بات کا اعتبار کسی کو کیسے ہو، کہیں ان کا اصول کچھ ہوتا ہے اور کہیں کچھ، کسی ایک بات پر ان کا جماؤ اور ٹھہراؤ ہوتا نہیں، مثلاً دیکھئے اسی مسئلہ میں ہمارے مبارکپوری صاحب نے حضرت عثمان کی اذان کو مردود قرار دیا ہے اور صحابہ کرام اور تمام اہل سنت کے اجماع کو رد کر دیا ہے یعنی اجماع ان کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں ہے، یعنی اجماع کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

اب سنئے کہ اللہ کے رسول کا صحیح ارشاد ہے کہ مسلمان کے گھوڑے اور غلام میں زکوٰۃ نہیں ہے، یہ حدیث بالکل مطلق ہے، یعنی خواہ یہ گھوڑے اور غلام تجارت کے لئے ہوں یا غیر تجارت کے لئے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور اس حدیث پر

ظاہر یہ فرقہ کا عمل بھی ہے کہ ان کے نزدیک گھوڑے اور غلام میں مطلقاً زکوٰۃ نہیں ہے۔
مگر ہمارے مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں جناب گھوڑے اور غلام اگر تجارت
کے لئے ہوں تو زکوٰۃ ہوگی، اور یہ بات اجماع سے ثابت ہے۔ (تحفہ ص۲۲ ج۲)
اباجی دیکھئے اس مسئلہ میں اجماع حجت بن گیا اور ایسا حجت بن گیا کہ بخاری و مسلم
کی حدیث کا جو مطلق حکم تھا اس کو مقید کر دیا گیا۔
اباجی اب بتلائیے کہ شیخ جمن اور شیخ کلو کی تشویش بجا ہے کہ نہیں؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

## شیخ کلو نے شیخ جمن حفظہ اللہ کی ناک پکڑی

بیٹا۔ اباجی۔
باپ۔ جی بیٹا۔
بیٹا۔ اباجی آج فجر کی نماز میں مسجد میں بڑا ہنگامہ رہا، شیخ کلو حفظہ اللہ نے شیخ جمن حفظہ اللہ کی ناک پکڑی تھی۔
باپ۔ بیٹا یہ دونوں "حفظہ اللہ" تو بڑے پکے اہلحدیث ہیں، کیا ان کو معلوم نہیں کہ مسجد میں جھگڑا فساد کرنا حرام ہے، بات کیا تھی؟
بیٹا۔ اباجی آپ شیخ جمن حفظہ اللہ کو مسجد آنے میں دیر ہوگئی، امام صاحب نے نماز شروع کر دی تھی، سورہ فاتحہ آدھی پڑھ چکے تھے کہ شیخ جمن حفظہ اللہ شریک ہوئے اور سورہ فاتحہ شروع کر دیا، ابھی وہ آدھی سورہ فاتحہ پر پہونچے تھے کہ امام صاحب نے آمین بول دیا، تو شیخ جمن نے بھی پکار کر آمین کہا پھر سورہ فاتحہ جو آدھی رہ گئی تھی اس کو پڑھا، شیخ کلو ان کے بغل میں کھڑے تھے، نماز بعد شیخ جمن سے انھوں نے پوچھا کہ آج آپ نے سورہ فاتحہ ختم سے پہلے ہی آمین کہا پھر سورہ فاتحہ پڑھا، یہ کس حدیث سے ثابت ہے، تو انھوں نے فتاویٰ ثنائیہ کا حوالہ دیا کہ اس میں بہت سی حدیثیں ہیں۔

باپ ۔ بیٹا فتاویٰ ثنائیہ تو ہمارے گھر بھی ہے، اس میں ذرا دیکھو تو وہ حدیثیں کون کونسی ہیں۔

بیٹا ۔ اباجی پہلے بات تو سنئے، مسجد کے کتب خانہ میں فتاویٰ ثنائیہ تھا، شیخ کلو نے اس کو دیکھا تو اس میں لکھا تھا کہ جو بعد میں آکر نماز میں شریک ہو وہ سورہ فاتحہ پڑھے اور جب امام آمین کہے تو وہ بھی آمین کہے اور پھر اپنی فاتحہ پوری کرے۔ (ج۱ ص۵۶) اور کسی حدیث کا حوالہ نہیں تھا، اس پر شیخ کلو بگڑ گئے اور شیخ جمن کی ناک پکڑ لی کہ مولانا ثناء اللہ کے فتویٰ کو تم نے حدیث کہہ دیا، ہمیں اس مسئلہ کی حدیث دکھاؤ ورنہ میں تمہاری ناک رگڑ رگڑ کر لال کر دوں گا، بڑا ہنگامہ ہوا، بڑی مشکل سے لوگوں نے شیخ جمن حفظہ اللہ سے شیخ کلو حفظہ اللہ کو الگ کیا۔

باپ ۔ بیٹا میرے علم میں بھی ایسی کوئی حدیث نہیں ہے کہ مقتدی آدھی سورہ فاتحہ پڑھ کر آمین کہے اور پھر سورہ فاتحہ پڑھے۔

بیٹا ۔ اباجی، یہ مقتدی جب دوبارہ سورہ فاتحہ آدھی سے شروع کرے گا تو اس کے ختم پر دوبارہ آمین کہے گا یا نہیں ؟

باپ ۔ اب یہ شیخ جمن حفظہ اللہ بتائیں گے۔

بیٹا ۔ اباجی صحیح حدیث سے مقتدی کا دو مرتبہ آمین کہنا ثابت ہے ؟

باپ ۔ میرے علم میں تو کوئی حدیث نہیں۔

بیٹا ۔ اباجی اتنے اہم مسئلہ میں مولانا امرتسری نے اپنی رائے سے ایک بات کہہ دی کسی صحیح مرفوع موصول السند واضح صریح حدیث کا حوالہ کیوں نہیں دیا ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

---

محمد ابوبکر غازی پوری

# برطانیہ کا سفر

۴ر اگست ، آج ناشتہ کے بعد ہمیں نیوٹن واپس ہونا تھا، اور آج ہی عصر بعد برمنگھم جو برطانیہ کا مشہور شہر ہے اس میں تقریر کرنی تھی ، برمنگھم میں تقریر کا پروگرام مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب کے اصرار اور انھیں کے حکم پر ہوا تھا ، انھوں نے میری تقریر سننے کے بعد یہ کہا تھا کہ برمنگھم شہر میں غیر مقلدین کی بڑی تعداد ہے ، اور ان کا وہاں دینی و تبلیغی مرکز بھی ہے ، اس شہر میں ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کی بڑی تعداد ہے ، اس لئے اس شہر میں آپ کا پروگرام ہونا ضروری ہے ، اور مولانا عتیق صاحب ہی نے وہاں کے بعض لوگوں سے رابطہ قائم کرکے آج کے روز کی تاریخ مقرر کی تھی ، برمنگھم شہر کی ایک مسجد میں مولانا فاروق صاحب نام کے ایک صاحب سے رابطہ قائم کیا تھا ، یہ مولانا فاروق صاحب دیوبند کے فاضل ہیں اور مرنجا مرنج طبیعت کے مالک ہیں ۔

ہم ناشتہ سے فارغ ہوئے ، مولانا سلیم صاحب اور یہاں کے طلبہ و مدرسین نے بڑی محبت سے رخصت کیا ، ان حضرات نے جس محبت واکرام واحترام کا معاملہ کیا تھا اس سے میری طبیعت بھی بڑی متاثر اور بھری بھری تھی ، آئندہ پھر ملنے کی امید پر ہم نے ایکدوسرے کو دعائیں دی اور یہاں سے نیوٹن شہر کے لئے رخصت ہوئے ، نیوٹن ہم بارہ بجے پہونچ گئے ، ہم تھکے تھکائے تھے ، آرام کا شدید تقاضا تھا اس وجہ سے ہم نے تقریباً دو تین

گھنٹہ آرام کیا۔

عصر سے پہلے ہم لوگ برمنگھم شہر کے لئے نکلے، معلوم ہوا کہ جس مسجد میں ہمیں خطاب کرنا تھا اس کا نام مسجد صدام ہے، مسجد بڑی شاندار تھی، مجھے بہت تعجب ہوا کہ جس صدام کو برطانیہ اور امریکہ کی حکومت نے اپنا دشمن نمبر ایک سمجھ رکھا ہے اور جو صدام ان حکومتوں کی قید میں ہے اور جن کے فوجیوں کے رحم و کرم پر وہ آج زندگی گزار رہا ہے اس کے نام پر برطانیہ کے شہر میں مسجد کا وجود ہے، اور بلا تکلف لوگ مسجد صدام کا نام لے کر اس مسجد میں آرہے ہیں جا رہے ہیں، یاد آتا ہے کہ لوگوں نے بتلایا کہ یہ مسجد صدام کے خرچے پر بنی ہے، بہرحال اس سے اتنا تو پتہ چلا کہ برطانیہ میں تعصب اور تنگ نظری اس حد تک نہیں پہونچی ہے کہ دشمن کے نام سے بھی دشمنی ہو اور اس کے نام پر اگر کسی عمارت کا قیام ہے تو اس کو ختم کر دیا جائے یا اس کا نام بدل دیا جائے، یہ تنگ نظری ہمارے ایشیائی ممالک میں زیادہ پائی جاتی ہے، خصوصاً ہمارے ہندوستان میں تو یہ تنگ نظری انتہا پر ہے، کسی مسلمان بادشاہ یا مشہور شخصیت کے نام پر کوئی سڑک یا کسی شہر کا نام ہے تو فرقہ پرست ذہنیت کے لوگ بزور طاقت اس کو بدل دینے کو اپنا بہت بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں۔

مسجد صدام میں عصر کی نماز ہم نے پڑھی اور اس کے بعد ایک گھنٹہ اس مسجد میں میرا خطاب ہوا، حاضرین کی خاصی بڑی تعداد تھی، لوگوں نے توجہ سے بات سنی، بعض حضرات نے میری تقریر سننے کے بعد بعض دوسری مساجد کے لئے پروگرام لینا چاہا، مگر میرے وقت میں گنجائش نہیں تھی اس وجہ سے ان سے معذرت کر دی گئی۔

برمنگھم میں میرے پروگرام کی اطلاع پاکر مولوی فرید احمد سلمہٗ جو مولانا رشید احمد بزرگ سملک گجرات کے صاحبزادے ہیں اور ڈابھیل کے زمانہ کے میرے شاگرد ہیں، انھوں نے مجھ سے بتلایا کہ وہ کئی سال سے برطانیہ ہی میں مقیم ہیں، ان سے مل کر مجھے بھی بہت مسرت ہوئی، یہ مولوی فرید احمد سلمہ بڑے نیک بڑے صالح ہیں، ڈابھیل میں جب میں تھا تو اس زمانہ میں بھی وہ اپنی سادگی اور نیکی میں مشہور تھے، یہ اس ملاقات سے

بہت خوش تھے، اور کہا کہ تیس سال بعد آپ سے ملاقات ہو رہی ہے۔

اسی وقت ایک دوسرے نوجوان نے آکر بڑے تپاک سے ملاقات کی، مجھے ان کا چہرہ جانا پہچانا لگا تو انھوں نے بتلایا کہ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پڑھتا ہوں، اور مدینہ منورہ میں آپ سے بار بار ملاقات ہوئی، آج ہی وہ مدینہ منورہ واپس جارہے تھے، میرا نام سن کر وہ مجھ سے ملنے آگئے، انھوں نے کہا کہ آپ لوگ بلیک برن نہیں آئے، میں نے کہا کہ ہم لوگ وہاں دو روز رہے، مولانا اسماعیل نے کہا کہ ہم لوگ آپ ہی کے مہمان خانہ میں دو روز مقیم رہے، یہ معلوم کر کے انھوں نے بڑے افسوس کا اظہار کیا کہ ہم لوگ ان کے گھر سے واپس آگئے اور ان کو اس کا پتہ بھی نہیں چلا، مولانا اسماعیل نے بتلایا کہ انھوں نے ان کو وہاں دیکھا بھی تھا مگر نہ اس نوجوان کو پتہ تھا کہ میرا قیام اس کے مہمان خانہ میں ہے، اور نہ مولوی اسماعیل کو پتہ تھا کہ اس نوجوان کا تعارف مجھ سے ہے، وہ بار بار بڑے افسوس کا اظہار کر رہا تھا، میں نے اس کو اطمینا دیدیا کہ انشاء اللہ دوبارہ سفر میں آپ سے ملاقات ضرور کیجائے گی۔

مغرب بعد ایک صاحب نے اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا تھا، ضیافت بڑی شاندار تھی اور دسترخوان پر بہت سے لوگ جمع تھے، ہم کھانا بھی کھا رہے تھے اور غیر مقلدیت کے سلسلہ میں باتیں بھی ہو رہی تھیں، کچھ لوگوں کے اشکالات تھے ان کا انھیں جواب دیا گیا، کھانے سے فارغ ہو کر ہم لوگ عشاء سے پہلے تینی ٹن واپس ہو گئے، محترم نصر اللہ خاں بیمار ہی چل رہے تھے وہ ہمارے ساتھ نہیں تھے، ان کا اس سفر میں ساتھ نہ ہونا بڑا کھل رہا تھا، خاں صاحب ساتھ ہوتے ہیں تو سفر کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

۵؍ اگست ۔ آج صبح ناشتہ کے بعد نصر اللہ خاں صاحب کے گھر جو ہماری قیامگاہ سے بالکل قریب تھا انکی عیادت کو گئے، میں نے ان سے پہلے ہی خواہش کی تھی کہ مجھے آکسفورڈ یونیورسٹی دیکھنا ہے، خاں صاحب نے آج ہی کا دن اس پروگرام کے لئے متعین کیا تھا، انھوں نے اس کے لئے گاڑی اور ڈرائیور کا انتظام کر لیا تھا، ساڑھے نو بجے

کے قریب گاڑی آگئی اور ہم لوگ نیبی ٹن سے آکسفورڈ شہر کے لئے روانہ ہوئے، آکسفورڈ شہر ہی کے نام پر یونیورسٹی ہے، نیبی ٹن سے آکسفورڈ کا راستہ تقریباً دو گھنٹہ کا ہے، بارہ سے کچھ پہلے ہم لوگ آکسفورڈ شہر پہونچ گئے، یہاں معلوم ہوا کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کسی مخصوص عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ یہ پورے شہر میں پھیلی ہوئی ہے، فاصلے فاصلے پر کسی ایک شعبہ کی عمارت ہے، الگ الگ کالج ہیں، ان تمام کالجوں اور شعبوں کے مجموعہ کو آکسفورڈ یونیورسٹی کا نام دیا گیا ہے۔

جب اس جگہ پہونچے جہاں سے اس یونیورسٹی کے کالجوں کی عمارت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، تو نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی بھیڑ بھاڑ سے یہ پورا علاقہ بھرا تھا، معلوم ہوا کہ یہ یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹ ہیں، جو دنیا بھر سے آئے ہوئے ہیں اور یہاں زیر تعلیم ہیں، یہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ایسے عریاں لباس میں تھے کہ انکی طرف نگاہ نہیں کی جاتی تھی، انسانوں کی شکل میں جانوروں کا ایک ہجوم تھا جو سرعام انسانیت وشرافت کی دھجیاں بکھیر رہا تھا، جگہ جگہ شراب کی دکانیں تھیں، ہوٹل میں زیادہ تر میزوں پر شراب ہی نظر آرہی تھی، ان میزوں پر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بیٹھے ہوئے انسانیت کو منہ چڑا رہے تھے، شیطان کی ذریت شیطانی کارنامے انجام دے رہی تھی، بڑی مشکل سے ہم اس منظر سے گذرے۔

ہمیں یہاں اسلامک سنٹر جانا تھا جس کے بارے میں ہمیں ہندوستان میں اطلاع تھی کہ یہاں سے اسلامیات پر تحقیقی کام ہوں گے، اور یورپ میں اسلام کیلئے یہ سنٹر بطور مشن کام کریگا، یہ سنٹر علی میاں مرحوم کی سربراہی میں قائم کیا گیا تھا، اس کے پہلے صدر علی میاں ہی تھے، ہمیں اس سنٹر کو دیکھنے اور یہاں کس طرح کام ہو رہا ہے اس کے دیکھنے کا شوق تھا، میرے عزیز شاگرد مولوی اسماعیل سلمہ نے دوڑ دھوپ کر اس عمارت کا پتہ لگا لیا جس میں یہ سنٹر ہے، یہ سنٹر عین اسی بازار میں ہے، جسے یونیورسٹی کا بازار کہا جاتا ہے، اور جہاں آتے جاتے یہاں اسلامیات پر کام کرنیوالے

اور اسلامیات کی تربیت حاصل کرنے والے نوجوان مسلمان لڑکے اور لڑکیاں ہر وقت وہ سب کچھ دیکھتی ہیں جن سے اسلام پناہ مانگتا ہے، ہمیں معلوم ہوا تھا کہ یہاں ایک اکرام نامی ندوی فاضل ہیں جو کسی ذمہ دار عہدہ پر ہیں اور ہمارے صوبہ یوپی ہی کے رہنے والے ہیں ان سے ملنا تھا - تاکہ اس سنٹر کے بارے میں ان سے معلومات بھی حاصل ہو اور انکی رہنمائی میں اس یونیورسٹی کو گھوم پھر کر دیکھا جائے ۔

جب ہم علی میاں کی سربراہی میں قائم شدہ اس سنٹر کی عمارت میں داخل ہوئے اور استقبالیہ میں پہونچے تو ہمارے جذبات کو سخت ٹھیس لگی، استقبالیہ کاؤنٹر پر ایک ۱۹ / ۲۰ سال کی لڑکی بالکل عریاں لباس میں ننگی رانوں اور تقریبًا کھلے سینہ کے ساتھ موجود تھی، ایک دوسرے کمرہ میں نگاہ گئی تو وہاں بھی یہی منظر نظر آیا، میں نے سوچا کہ یہی وہ اسلامک سنٹر ہے جس کا چرچا ہم ہندوستان میں سن رہے تھے اور جس کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ تھا کہ یہاں سے یورپ میں اسلامیات کی اشاعت ہوگی اور اسلام کا تعارف ہوگا، بار بار ذہن میں یہ سوال ابھر رہا تھا کہ اسلامک سنٹر کے نام پر یہ تماشا یہاں کیوں رچا گیا، علی میاں اس کے صدر کیوں رہے، جب کہ انھوں نے یہاں وہ سب کچھ دیکھا ہوگا اور ہم سے زیادہ دیکھا ہوگا، جو ہم دیکھ رہے تھے، علی میاں کے تقدس وتقویٰ اور یہاں کی برہنیت وعریانیت میں کوئی جوڑ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

ہم نے اس لڑکی سے اکرام صاحب کے بارے میں معلوم کیا اس نے فون پر ان سے رابطہ قائم کیا اور اس نے بتلایا کہ وہ خود نیچے آرہے ہیں، چند منٹ کے بعد ہی اکرام صاحب آگئے اور بڑے تپاک سے ملاقات کیا، اور کہا کہ میں آپ سے غائبانہ بہت دنوں سے واقف ہوں، انھوں نے کہا کہ جب وہ ندوہ میں طالب علم تھے تو اس وقت پابندی سے میرے الکفاح میں شائع ہونے والے عربی مضامین کا مطالعہ کرتے تھے، انھوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے آپ کے مضامین سے بہت فائدہ اٹھایا ہے، یہ ان کے اخلاق اور شرافت کی بات تھی کہ وہ مجھ سے بڑے والہانہ انداز میں ملے، انھوں نے کہا کہ اگر

مجھے پہلے سے اطلاع ہوتی تو میں ایک پروگرام آپ کا یہاں یعنی اسلامک سنٹر میں ضرور رکھتا، ان سے گفتگو کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ صاحب علم اور صاحب مطالعہ آدمی ہیں۔

اکرام صاحب کے ساتھ ہم اوپر کی منزل میں گئے جہاں انھوں نے چائے اور بسکٹ سے تواضع کی اور پُر مذاق انداز میں کہا کہ آپ ہمارے پڑوسی ہیں، آپ غازی پور کے ہیں اور میں جونپور کا ہوں۔ پھر وہ مجھے اپنے تحقیقی کام والے کمرہ میں لے گئے، یہاں ایک صاحب جرمن کے تھے جو جرمن کی کسی یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر تھے، اردو اچھی بولتے اور سمجھتے تھے، ان سے اردو میں گفتگو ہوئی وہ یہاں تصوف کے موضوع پر تحقیق کر رہے تھے، دوسری بیس بائیس سال کی ایک مصری لڑکی تھی جو کچھ اردو سمجھ لیتی تھی مگر بولنے میں اسے دشواری تھی، وہ بھی کسی موضوع پر ریسرچ کر رہی تھی، یہ لڑکی بھی جو کسی اسلامی موضوع پر ریسرچ کر رہی تھی اسی طرح بے حجاب بے پردہ اور کھلے سر تھی جس کا نمونہ ہم بازار کی سڑکوں پر دیکھ آئے تھے، اس کمرہ سے متصل ایک دوسرے کمرہ میں نگاہ گئی تو وہاں درس جاری تھا، میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو اکرام صاحب نے بتلایا کہ چھٹی کے ان ایام میں اسلامک سنٹر دنیا کے مختلف ممالک سے سو لڑکے اور لڑکیوں کو اپنے خرچ پر ایک مہینہ کیلئے بلاتا ہے، جن کو یہاں اسلام کے بارے میں معلومات فراہم کیجاتی ہیں، نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط اور بے پردگی اوران کا عریاں لباس ایک دوسرے کے بغل میں بیٹھ کر اسلامی معلومات حاصل کرنے والے ان لڑکے اور لڑکیوں کا منظر ہمارے جذبات کو مجروح کر رہا تھا، اسلام کے نام پر اسلامی اخلاق واقدار کا ایسا مذاق جس کا ہم یہاں مشاہدہ کر رہے تھے ہمارے لئے ناقابل برداشت تھا اور طبیعت کو بہت مکدر کر رہا تھا۔

اکرام صاحب کو کہیں جانا تھا، مگر وہ اپنی اس مصروفیت کے باوجود ہم لوگوں کو لے کر یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری کی عمارت تک آئے اور ہم نے باہر ہی سے اس عظیم لائبریری کی عمارت دیکھنے پر اکتفا کیا، اکرام صاحب بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ اگر مجھے آپ کے

پروگرام کی پہلے سے اطلاع ہوتی تو ہم آپ کا سنٹر میں اور آکسفورڈ شہر کی کسی مسجد میں آپ کا پروگرام ضرور رکھتے، اور پروگرام نہ ہونے پر اپنے افسوس کا اظہار کر رہے تھے، ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کو رخصت کیا۔

اسلامک سنٹر دیکھنے کا ہمارا یہ شوق ہمارے لئے باعث عبرت بنا، یورپ کی دنیا میں اسلام کے ساتھ کیسا مذاق ہو رہا ہے، یہ ہمیں یہاں دیکھنے کو ملا، اسلام کا نام لے کر اسلام کے ساتھ دھوکہ اور فریب یہ اپنے لوگ کر رہے تھے۔

ہم نے ایک گھنٹہ کیلئے اپنی کار پارک کی تھی، جب وقت پورا ہوا تو ہم لوگ اپنی کار میں آکر بیٹھ گئے اور نینی ٹن کے لئے واپس روانہ ہوئے، تین بجے دن میں ہم لوگ نینی ٹن پہونچ گئے، کھانا کھاکر ظہر کی نماز ادا کی اور پھر ایک گھنٹہ سوئے، آج عصر بعد ہمیں CEVEN جانا تھا، اور وہاں ایک مسجد میں تقریر کرنی تھی، یہاں کا یہ پروگرام میرے پروگراموں میں نہیں تھا لسٹر میں میری تقریر سننے یہاں کے لوگ بھی پہونچے ہوئے تھے، انھوں نے جب میری تقریر سنی تو نصر اللہ خاں صاحب سے باصرار وہاں کا پروگرام بنوایا، نصر اللہ خانصاحب نے ان سے وعدہ کر لیا تھا، اب اسی وعدہ کی تکمیل میں مجھے یہاں تقریر کرنی تھی، انور بھائی جو نصر اللہ خانصاحب کے رشتہ دار اور بہت فعال اور متحرک نوجوان آدمی ہیں اپنی شاندار گاڑی لیکر ساڑھے چار بجے ہمیں لے جانے کیلئے آگئے تھے، ہم نے ان سے کہا کہ عصر سے پہلے ہمیں نینی ٹن شہر کی سیر کرنا ہے، نصر اللہ خانصاحب نے اس کی تائید کی اور ہم ان کے ساتھ CEVEN شہر کیلئے نکلنے سے پہلے اس شہر کی سیر کیلئے نکلے۔

انگلینڈ میں سیر کا مفہوم یہ ہے کہ گاڑی میں بیٹھ کر ادھر ادھر پھرتے رہو، راستے میں کہیں گاڑی روک نہیں سکتے، پارکنگ کا مسئلہ یہاں بڑا اہم ہے، پارکنگ کی جگہوں کا کرایہ بھی بہت ہے، اس لئے ہم صرف سڑکوں پر ادھر ادھر گھومتے رہے، بہرحال اس ایک گھنٹہ کی بلا فائدہ تفریح کے بعد ہم لوگ وہاں پہونچے جہاں مجھے تقریر کرنی تھی، اس شہر میں غیر مقلدین کی بھی بڑی تعداد ہے، جس مسجد میں مجھے تقریر کرنی تھی اس کے

مصلیوں میں سے بہت سے لوگ غیر مقلد تھے، اللہ کا شکر ہے کہ تقریر کا انداز بہت سنجیدہ تھا اس وجہ سے ہر ایک نے میری بات توجہ سے سنی اور کوئی ناگوار صورت پیش نہیں آئی ۔یہیں ہم نے رات کا کھانا کھایا اور پھر نینی ٹن واپس ہوئے ۔

یہاں مجھے ایک نوجوان کا تذکرہ کرنا ضروری ہے، یہ ہیں عزیزم مولانا شعیب سلمہٗ کسی زمانہ میں ترکیشور گجرات میں یہ پڑھتے تھے، اسی زمانہ سے وہ مجھے جانتے تھے، مولانا سلیم صاحب دھورات کے مدرسہ میں مدرس ہیں، جب لسٹر میں میرا پروگرام تھا تو وہ اس میں شریک نہیں ہوسکے جس کا انھیں بہت افسوس تھا، اب وہ میری تقریر سننے اور مجھ سے ملنے یہاں آئے تھے، ہنستے کھلتے چہرہ والے مولوی شعیب مجھے پسند آئے۔ متحرک صاحب استعداد، متواضع، منکسر المزاج، بہت محبت کرنے والے، یہ نوجوان فاضل ہیں، مجھ سے والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار کرتے رہے، میری تقریر سے بہت خوش ہوئے، اور پھر ہمارے ساتھ ہی نینی ٹن تک آئے، اور بڑی دیر تک میرے ساتھ رہے، بارہ بجے رات کو لسٹر واپس ہوئے، میں ان کی محبت اور انکی عقیدت سے بہت متاثر ہوا، ان کی علمی استعداد بھی بہت اچھی ہے، جب مجھے ایسے نوجوان مل جاتے ہیں تو مجھے بڑا انشراح ہوتا ہے ۔

مولانا سلیم صاحب کے دارالعلوم میں ایسے کئی نوجوان نظر آئے جن کی استعداد بڑی ٹھوس ہے، اگر ان کی تھوڑی سی تربیت کردی جائے تو یہ ہیرا بن جائیں گے، انھیں میں سے ایک عزیزم مولوی شعیب سلمہٗ ہیں ۔

بارك الله فی حیاته وعلمه ۔

محمد اجمل مفتاحی

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونے والا دوماہی

دینی و علمی مجلہ

# زمزم

جلد ۸ | رمضان، شوال ۱۴۲۶ھ | شمارہ ۵

مدیر مسئول مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازیپوری

سالانہ چندہ ———— ۷۰/ روپے

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

پتہ

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سید واڑہ غازیپور یوپی

فون نمبر ۰۵۴۸۲۲۲۷۸۵۷

پن کوڈ ۔ ۲۳۳۰۰۱

محمد اجمل مفتاحی

# فہرستِ مضامین

محمد اجمل مفتاحی

## اداریہ

# عمرانہ کا قضیہ، میڈیا کی دلچسپی، غیرمقلدین کا دخل نامعقول

گزشتہ دنوں عمرانہ نامی شادی شدہ عورت کا قضیہ اخبارات کی سرخیوں میں چھایا رہا۔ قضیہ یہ تھا کہ عمرانہ کے سسر نے اس کے ساتھ اپنا منہ کالا کیا، عمرانہ کئی بچوں کی ماں تھی، اسکی اطلاع میڈیا والوں کو لگ گئی، چونکہ معاملہ مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اس وجہ سے اس خبر کو اخبارات اور ٹی وی نے خوب اچھالا، حالانکہ اس طرح کے واقعات ہندو خاندان میں آئے دن پیش آتے رہتے ہیں، مگر میڈیا کو ان کی خیریت دریافت کرنے اور ان سے دلچسپی لینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، بس خبر کے انداز میں اخبارات ریڈیو اور ٹی وی پر اس کا ذکر ہو گیا، اور پھر خاموشی، لیکن عمرانہ کے معاملہ کو ہفتوں اور مہینوں اخبارات والوں نے اور ٹی وی والوں نے ایک دلچسپ خبر کے حوالے خوب خوب نشر کیا۔ اور اسلام کے خلاف خوب خوب بکواسیں ہوئیں، افسوس اس کا تھا کہ بکواس کرنے والے خود مسلمانوں میں سے بھی تھے، روشن خیال عورتیں بھی تھیں اور اسلام کا نام لینے والے لیکن اسلام سے منحرف مرد بھی تھے، اور بعد میں دینی طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کا ایک گروہ بھی تھا۔

اس طرح کا واقعہ پیش آجانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی، قیامت کی علامتوں میں سے یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ زنا عام ہوگا، سگے سگے سے منہ کالا کریں گے، حتی کہ ماں

کے ساتھ بھی زنا کرنے والے لوگ پیدا ہو جائیں گے، تو اگر کسی بدقماش شخص نے اپنی بہو کے ساتھ زنا کیا تو کیا پہاڑ ٹوٹ پڑا، اس کا حل تو یہ تھا کہ اس زانی کو حکومت وقت سخت سے سخت سزا دیتی، کورٹ پھانسی دیتی، عمر قید کی سزا دیتی، بھاری جرمانہ لگاتی، اسلامی حکومت ہوتی تو اس کی سزا رجم تھی، پتھر مار مار کر اس کو ہلاک کر دیا جاتا۔

اور عمرانہ کے بارے میں یہ دیکھا جاتا کہ اس کا تعلق کس فرقہ اور کس مذہب سے ہے، اس فرقہ کے علماء سے مسئلہ معلوم کیا جاتا کہ اس کا نکاح شوہر سے باقی ہے یا نہیں، علماء جو فیصلہ دیتے اس پر عمل کیا جاتا، اگر عمرانہ کا تعلق شیعہ گھرانے سے ہوتا یا غیر مقلدین فرقے سے ہوتا تو ان کے علماء فتویٰ دیتے کہ عمرانہ اپنے شوہر کیلئے حلال ہے، اس کا نکاح باقی ہے سسر کی اس حرام کاری کے باوجود وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے، اگر اس عورت کا تعلق حنفی گھرانے سے ہے تو اس کا نکاح ختم ہوگیا، شوہر کے ساتھ وہ نہیں رہ سکتی حنفی علماء یہ فتویٰ دیتے، اور مسئلہ بغیر کسی شور و شرابا کے حل ہو جاتا۔

مگر جن کی نگاہ میں اسلام کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، یہ معقول راستہ کیوں اختیار کرتے ان کو تو اسلام کے خلاف بھڑاس نکالنی ہوتی ہے، ان کو خوب معلوم تھا کہ عمرانہ کا تعلق حنفی مذہب سے ہے، اور حنفی فقہ کی رو سے وہ اپنے شوہر پر حرام ہوگئی ہے اس کا نکاح شوہر سے ختم ہوگیا ہے تو اب عمرانہ کی مظلومیت کا سہارا لے کر میڈیا والوں نے اسلام کے خلاف بکواس شروع کی، عورت اسلام میں مظلوم ہے، اس کو خوب اچھالا گیا، دانشوروں نے اسلام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار شروع کیا، جن کو اسلام کے ابجد سے بھی واقفیت نہیں ہے، انھوں نے بھی بڑے مفکرانہ انداز میں اسلام اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں اپنے اجتہادات کو شائع کیا، اس زمانہ کے اخبارات پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخبارات ہیں یا کشتیوں کے اکھاڑے، جس پہلوان کو دیکھو وہی اسلام اور فقہ حنفی کے خلاف زور آزمائی کر رہا ہے، ان پہلوانوں میں اپنے بھی ہیں اور غیر بھی ہیں۔

حالانکہ مسئلہ کچھ نہیں تھا، نہ عمرانہ کا معاملہ کچھ الجھا ہوا تھا کہ اس کا فیصلہ کرنا دشوار ہوتا،

عمرانہ کا تعلق حنفی گھرانہ سے تھا، احناف کے دارالافتاء جو فتویٰ دیتے اس پر عمل کیا جاتا اور معاملہ دفن ہو جاتا، مگر جن کو اسلام اور اسلامی شریعت کے خلاف اپنے جذبات کے ٹھنڈا کرنے ہی سے مطلب تھا وہ اس آسان طریقہ کو کیوں قبول کرتے، ان کو تو اسلام کے خلاف اپنے باطن کی خباثت باہر کرنی تھی، چنانچہ انھوں نے اپنی خباثت باطنی کا خوب خوب مظاہرہ کیا۔

اسلام کا نام لینے والے افراد نے بھی اس معاملہ میں غیر معقول رویہ اختیار کیا، اور اسلام کی دوستی کے پردہ میں اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا اور جو مسئلہ کچھ نہیں تھا اس کو ان کی فتویٰ بازیوں نے ہوا بنا دیا۔

پہلے تو شیعہ فرقہ کا سامنے آیا اور اس کے علماء نے فتویٰ دیا کہ عمرانہ کا رشتہ اس کے شوہر سے ختم نہیں ہوا، وہ پہلے ہی کی طرح اپنے شوہر کی بیوی رہے گی۔

شیعوں کا فتویٰ ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لئے کہ اس فرقہ کا شمار مسلمانوں میں ہونا ہی قابلِ گفتگو ہے، جو فرقہ قرآن کو محرف ملنے، اپنے بارہ ائمہ کو نبی کی طرح معصوم سمجھے، حضرات صحابہ کی تکفیر کرے، حضرت عائشہؓ کو متہم قرار دے تقیہ کو جائز اور اپنے مذہب کا جز سمجھے، متعہ کو حلال کہے، اس کا شمار مسلمانوں میں ہونا بہت مشکل ہے، اس فرقہ کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیئے تھا، مسلمانوں کے مسائل کو بحث کا موضوع نہیں بنانا چاہیئے تھا، اس کیلئے بہتر راستہ یہ تھا، وہ کہتے کہ یہ معاملہ سنیوں کا ہے، انھیں کے علماء اس بارے میں فیصلہ کریں گے۔

شیعوں کے بعد غیر مقلدین نے اپنا رنگ دکھایا، پہلے جماعتِ اہلحدیث کی طرف سے بیان آیا کہ عمرانہ اپنے شوہر کے لئے حلال ہے، پھر عبدالوہاب خلجی نے یہی بیان شائع کر دیا، پھر یکم جولائی ۲۰۰۵ء کے راشٹریہ سہارا میں بہت سے غیر مقلدین علماء کا لمبا چوڑا بیان شائع ہوا، عنوان یہ تھا۔ عمرانہ اپنے شوہر کیلئے بلا تکلف حلال ہے"

ان علماء کرام کا تعلق نیپال اور ضلع بستی کے اطراف وجوانب سے تھا، دلیل میں ان حضرات نے بخاری شریف کی روایت الولد للفراش وللعاھر الحجر، کو پیش کیا، حدیث

پر تو ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے اس وقت ہم کو یہ کہنا ہے کہ غیر مقلدین کا اس معاملہ میں دخل دینا دخل نامعقول تھا، عمرانہ کا تعلق غیر مقلد گھرانہ سے نہیں تھا نہ عمرانہ نے غیر مقلدین علماء سے فتویٰ معلوم کیا تھا، تو ان غیر مقلدوں کو از خود بیچ میں کود نے کی کیا ضرورت تھی، ان کے لئے تو خاموشی مناسب تھی یا ان سے فتویٰ اگر معلوم کیا جاتا تو کہہ دیتے کہ غیر مقلدین کا مذہب تو یہ ہے کہ عمرانہ اپنے شوہر کیلئے حلال ہے مگر چونکہ عمرانہ کا تعلق حنفی گھرانہ اور حنفی مذہب سے ہے اس لئے حنفی مذہب کے علماء جو فتویٰ دیں گے عمرانہ اور اس کے شوہر کے لئے وہ ہی درست ہوگا۔ مگر غیر مقلدوں کو دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے سے بڑی دلچسپی ہوتی ہے، اور قرآن و حدیث کا نام لے کر حرام کو حلال کرنے میں ان کو بڑا مزہ آتا ہے، اس وجہ سے عمرانہ کے بارے میں بھی دھڑا دھڑ بیان بازی کا سلسلہ انھوں نے شروع کر دیا۔

غیر مقلدین کے مذہب میں تو بہت سی حرام چیزیں بلا تکلف حلال ہیں تو کیا وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ان تمام حرام کاریوں میں مبتلا ہو جائیں، زنا کرانے والی عورت کی زنا کی کمائی بھی غیر مقلدین کے یہاں بلا تکلف حلال ہے، تین طلاق والی عورت بھی بلا تکلف حلال ہے، حیض میں جس کو طلاق دی جائے وہ عورت بھی بلا تکلف حلال ہے، کھیل کود کے لیے نماز کو مؤخر کر دینا بھی بلا تکلف حلال ہے، غیر مقلدین کے یہاں تو بلا تکلف حلال کی ایک لمبی فہرست ہے، تو کیا غیر مقلدین چاہتے ہیں کہ عام مسلمان جن کے مذہب میں یہ چیزیں حرام ہیں ان کو بلا تکلف حلال قرار دیں، آخر غیر مقلدین کو دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے سے اتنی دلچسپی کیوں ہوتی ہے۔

ان کی قابلیت کا عالم یہ ہے کہ عمرانہ کے معاملہ میں الولد للفراش، وللعاھر الحجر (بچہ ماں کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے) سے استدلال کیا جا رہا ہے، اسی کو کہتے ہیں ملدو گھٹنا پھوٹے سر، عمرانہ کا مسئلہ کیا ہے اور حدیث کا تعلق کس بات سے ہے ان جاہلوں کو اس کا پتہ ہی نہیں، اور مجتہد بننے کا شوق ان کو پریشان کئے رہتا ہے، بخاری کا نام لے کر عوام کو گمراہ کرنا ان غیر مقلدین کا مستقل شیوہ ہے، خود غیر مقلد عالم مولانا عبد الرحمن مبارکپوری اس حدیث کی شرح میں کیا لکھتے ہیں ملاحظہ فرمائیے ۔ الولد للفراش ای لمالك وھو

الزوج او المولیٰ العاهر الزانی ومعنی له الحجر الخیبة ای لاشئ له فی الولد والعرب تقول له الحجر و بفیه التراب یریدون لیس له الا الخیبة وقیل المراد بالحجر انه یرجم بالحجارة اذا زنی ..........

وظاهر الحدیث ان الولد انما یلحق بالاب بعد ثبوت الفراش وهو لایثبت الا بعد امکان الوطی فی النکاح الصحیح او الفاسد۔

یعنی الولد للفراش کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا شوہر یا آقا کا ہوتا ہے (جن کا تعلق بیوی یا باندی سے قانون شریعت کے مطابق ہو) زناکار کیلئے کچھ نہیں ہے، یعنی زناکاری سے جو لڑکا پیدا ہوا ہے، اس کا تعلق زانی سے کچھ نہیں رہتا زناکار کے لئے صرف نامرادی ہے (بچہ ماں بٹنے کے قبضہ میں رہے گا) بعض لوگوں نے کہاہے کہ للعاهر الحجر کا مطلب یہ ہے کہ زانی کا سنگسار کیا جائے گا۔

اور ظاہر الحدیث کا مطلب یہ ہے کہ بچہ باپ کے ساتھ لاحق کیا جائے گا جب فراش متحقق ہو اور یہ اسی وقت ہوگا جب نکاح صحیح یا نکاح فاسد میں وطی کا امکان ہو۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ عمرانہ والے جیسے مسئلہ سے اس حدیث کا دور دور سے تعلق نہیں ہے، اس حدیث میں تو یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جائز مجامعت سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ تو شوہر یا مولیٰ کا بچہ قرار پائے گا اور زنا کے راستہ سے جو بچہ پیدا ہوگا زانی سے اس بچہ کا اور اس بچہ کا زانی سے کوئی تعلق نہ ہوگا، نہ بچہ اس کا دیا جائے گا اور نہ بچہ کی میراث میں سے اس زانی کا کچھ حصہ ہوگا اور نہ وہ بچہ کا شرعی باپ کہلائے گا۔

یہ حدیث پاک تو اس بارے میں ہے مگر غیر مقلدین علماء کی قابلیت کا عالم یہ ہے کہ اس حدیث کو عمرانہ والے مسئلہ میں پیش کر رہے ہیں، عمرانہ کا مسئلہ تو یہ ہے کہ خسر نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے تو اب عمرانہ اپنے شوہر کے لئے حلال ہے یا حرام، شوہر سے اس اس کا نکاح باقی رہا یا نہیں، اس مسئلہ کا اس حدیث سے کیا تعلق؟ مگر جن کا مقصد عوام کو گمراہ کرنا ہوتا ہے وہ اسی طرح کی قابلیت کا مظاہرہ کرکے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں اور

اپنی اہلحدیثیت کا پرچم بلند کرتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے ایسے لوگوں پر جن کو ایک حدیث کے بھی معنی اور مطلب کی خبر نہیں ہے مگر ان کی جرأت کا عالم یہ ہوتا ہے کہ وہ شرعی مسائل میں دخل دیتے ہیں اور حلال و حرام کا فیصلہ کرتے ہیں، اگر ہمارے زمانہ کا فیصلہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے تو ان جیسے علماء کا وجود بھی قیامت کی علامتوں میں سے ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو ضلوا فاضلوا، قول رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق ہیں۔ یہ بے علم فتوی دینے والے جاہل مفتی ہیں جن کا کام خود گمراہ ہونا ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنا ہے۔

بعض لوگوں سے یہ سنا کہ وہ اس مسئلہ میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا یحرم الحرام الحلال، اور ایک روایت میں ہے لا یفسد الحرام الحلال، مگر اس قسم کی تمام روایتیں باطل ہیں۔ فقیہ وقت ابو بکر الجصاص فرماتے ہیں۔ فان ھذہ الاخبار باطلۃ عند اھل المعرفۃ ورواتھا غیر مرضیین۔ یعنی یہ تمام روایتیں اہل معرفت کے نزدیک باطل ہیں اور انکے روایت کرنے والے ناپسندیدہ لوگ ہیں۔ (احکام القرآن ص ۱۱۵/ج ۲)

اور تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

احتج الشافعی بحدیثین احدھما حدیث عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحرام لا یفسد الحلال رواہ الدارقطنی وفیہ عثمان بن عبد الرحمن الوقاص قال یحیی بن معین لیس بشئ کان یکذب ضعفہ ابن المدینی جدًا وقال البخاری والنسائی والرازی وابوداؤد لیس بشئ وقال الدارقطنی متروك وقال ابن حبان کان یروی عن الثقات الموضوعات لا یجوز الاحتجاج بہ، وثانیھما حدیث ابن عمر نحو حدیث عائشۃ رواہ الدارقطنی وابن ماجہ وفیہ عبد اللہ بن عمر اخو عبید اللہ قال ابن حبان فحش خطاؤہ فاستحق الترك وفیہ اسحق بن محمد العروی قال یحیی لیس بشئ کذاب وقال البخاری

ترکو ۲ ۔ ( ص ۲۵۳/۲۶ تفسیر مظہری )

یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مذہب پر دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرام حلال کو فاسد نہیں کرتا، اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں عثمان بن عبدالرحمن الوقاصی ہے، یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ یہ شخص کچھ نہیں ہے، جھوٹ بولتا تھا، ابن مدینی نے اس کو بہت زیادہ ضعیف قرار دیا ہے، امام بخاری، امام نسائی، رازی اور ابوداؤد نے اس کے بارے میں لیس بشئ کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ثقہ راویوں سے بناوٹی حدیثیں روایت کرتا تھا، اس سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے۔

دوسری حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جیسی ہے، اس کی سند میں ایک راوی عبیداللہ ہے ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ فحش غلطیاں کرتا تھا اس وجہ سے وہ متروک ہونے کا مستحق قرار پایا، اور اس کی سند میں دوسرا راوی اسحٰق بن محمد الغروی ہے، یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں ہے اور جھوٹا ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔

غرض یہ دونوں حدیثیں ناقابلِ احتجاج ہیں، غالباً غیر مقلدین کو ان احادیث کی حالتِ زار کا پتہ تھا، اس وجہ سے اس کا نام لینے کے بجائے بخاری شریف کی ایک غیر متعلق حدیث کا اپنے فتووں میں ذکر کیا تاکہ بخاری کے نام سے جاہل عوام پر رعب پڑ جائے۔

عمرانہ کا جو مسئلہ ہے اس میں احناف اور حنابلہ اور ایک روایت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ عورت کا تعلق جب اس کے سسر سے قائم ہو گیا خواہ اسکی رضامندی سے یہ ہوا یا زور زبردستی سے، تو اب وہ اپنے شوہر کے لئے حرام ہو گئی ہے اور اس کا تعلق شوہر سے باقی نہ رہا، ائمہ متبوعین میں سے یہ صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہیں کہتے ہیں بلکہ امام اہلسنت اور محدث جلیل حضرت امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں، اور جیسا کہ عرض کیا گیا امام مالک سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے ۔

الزنی لا یوجب حرمة المصاهرة عند الشافعی و مالک وقال ابوحنیفة واحمد یوجب وھی روایة عن مالک۔

یعنی زنا حرمت مصاہرت کو واجب نہیں کرتا ہے، یہ مذہب امام شافعی اور امام مالک کا ہے، اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد اور امام مالک کی بھی ایک روایت ہے کہ ان ائمہ کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے، یعنی بیوی شوہر کے لئے حلال نہیں رہتی ہے۔

امام احمد اور امام ابوحنیفہ کا استدلال قرآن پاک کی سورہ نساء کی اس آیت سے ہے خدا کا ارشاد ہے۔

ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم من النساء، یعنی اے لوگو تم ان عورتوں سے وطی نہ کرو جن سے تمہارے آبا نے وطی کیا ہے۔

یہ آیت کریمہ نص قطعی ہے کہ جن عورتوں کا تعلق باپ دادا سے قائم ہو جائے خواہ حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے، نکاح سے پہلے یا نکاح کے بعد وہ عورتیں بیٹوں پوتوں پر حرام ہو جاتی ہیں، قرآن کے اس واضح اور عام حکم کے بعد بھی یہ کہنا کہ اگر زنا کے طریقے سے باپ کا تعلق بہو سے قائم ہوا تو چونکہ بلا نکاح اور جائز راستہ سے ہٹ کر یہ تعلق قائم ہوا ہے اس لئے بیوی اپنے شوہر کے لئے حلال ہی رہے گی نہایت دلیری کی جرأت بیجا ہے۔ اور اپنی رائے سے قرآن کا معارضہ کرنا ہے۔

آیت کریمہ میں نکاح کا معنی وطی ہے، عقد نکاح کو نکاح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ جائز راستے سے وطی کا ذریعہ ہوتا ہے، عقد نکاح کا مقصد ہی عورت سے وطی اور مجامعت ہوتا ہے تاکہ توالد و تناسل کا سلسلہ پیدا ہو، لیکن بلا عقد بھی اگر عورت کا تعلق سسرے قائم ہو جاتا ہے تو یہ عورت شوہر کے باپ کی موطوءۃ ہو چکی ہے، اس لئے اب وہ بیٹے کے لئے حلال نہ ہوگی۔ ذریعہ کے حرام ہونے سے اصل حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مثلاً اگر حالتِ حیض میں بیوی کو شوہر طلاق دے تو اس کا یہ عمل حرام ہے، مگر بیوی پر طلاق پڑ جائے گی، ایک وقت میں تین دینا ناجائز طریقہ ہے مگر طلاق کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ تو ذریعہ کے خلاف سنت یا

حرام ہونے سے اصل حکم کے نفاذ کو روکا نہیں جا سکتا۔ نکاح کا معنی عقد بھی ہوتا ہے، مگر یہ معنی مجازی ہے، حقیقی معنی نکاح کا وطی ہی ہے، امام جصاص فرماتے ہیں۔

ان اسم النکاح حقیقۃ للوطئ مجاز للعقد انما سمی نکاحًا لانہ سبب یتوسل بہ الی الوطئ۔

یعنی نکاح کا اطلاق حقیقۃً وطی کے لئے ہوتا ہے عقد کیلئے مجازًا استعمال ہوتا ہے، عقد کو نکاح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ وطی کا ذریعہ اور سبب ہوتا ہے، یعنی عورت سے صحبت و مجامعت کا وہ شرعی طریقہ ہے۔

جب نکاح کا اصل معنی وطی ہے خواہ عقد کے بعد اس کا تحقق ہو یا بلا عقد کے بہرحال عورت موطوءۃ قرار پائے گی اور جب عورت موطوءۃ ہوگی تو باپ کی موطوءۃ بیٹے کے لئے کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتی، بہت سی جگہوں پر یہ مسئلہ اجماعی ہے، جس میں کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے، مثلاً اگر باپ نے اپنی باندی سے جماع کیا تو اب یہ باندی بیٹے کے لئے حرام ہے، لڑکا اس سے شادی نہیں کر سکتا، دیکھئے یہاں عقد نکاح کا وجود نہیں ہے مگر یہ باندی بیٹے کے لئے اسلئے حرام ہے کہ اس کے باپ نے اس سے وطی کی ہے اور وہ باپ کی موطوءۃ ہے اسی طرح اگر باپ نے کسی عورت کو غلطی سے اپنی بیوی سمجھ لیا اور اس سے مجامعت کر لی تو یہ عورت بھی اس کے بیٹے کیلئے حرام ہو گئی، بیٹا اس سے شادی نہیں کر سکتا، اس جگہ بھی نکاح کا وجود نہیں ہے مگر باپ سے وطی پائی گئی ہے اس وجہ سے یہ عورت بھی بیٹے پر حرام ہو گئی۔

حافظ ابن تیمیہ فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔ لا یجوز للابن ان یطئھا بعد وطی ابیہ (ص۷۷، ج ۳۲) یعنی اگر باپ نے عورت سے وطی کی ہے تو بیٹے کیلئے جائز نہیں ہے کہ باپ کی وطی کے بعد اس عورت سے جماع کرے۔

حافظ ابن تیمیہ سے سوال کیا گیا کہ جو بیٹی زنا سے پیدا ہوئی ہے اس کا عقد نکاح اس کے زانی باپ سے کیا جا سکتا ہے، تو انھوں نے فرمایا۔

ذھب الجمھور انہ لا یجوز التزویج بھا وھو الصواب المقطوع بہ۔

یعنی جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کی شادی اپنے زانی باپ سے جائز نہیں ہے، اور یہی درست ہے جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے ۔

پھر فرماتے ہیں ۔

وحجۃ الجمھور فھو قول اللہ تعالیٰ حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم فھو یتناول لکل من شملہ ھذا اللفظ سواء کان حقیقۃ او مجازاً (ص ۱۳۵/۳۲ج)

یعنی جمہور کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے، تمہارے اوپر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں حرام کردی گئی ہیں، پس یہ فرمان خداوندی تمام ان عورتوں کو شامل ہے جو حقیقی ماں اور بیٹی ہوں یا مجازی ماں بیٹی ہوں ۔

دیکھئے ابن تیمیہ کتنی صراحت سے فرما رہے ہیں کہ جو بیٹی باپ کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے، اگرچہ پیدائش حرام طریقہ سے ہوئی ہے یعنی زنا سے پیدا ہوئی ہے مگر وہ لڑکی اس زانی کی لڑکی شمار ہوگی اور زانی اس کا باپ شمار ہوگا اور باپ کیلئے جائز نہ ہوگا کہ وہ اس لڑکی سے شادی کرے، اور حافظ ابن تیمیہ نے دلیل میں قرآن کی محرمات والی آیت کو پیش کرکے یہ بتلادیا ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی نہیں ہے بلکہ قرآن میں منصوص ہے۔ پس جس طرح سے زنا سے جو بچی پیدا ہوئی ہے وہ زانی باپ کیلئے حرام ہے اور یہ زانی اس کا باپ ہی کہلائیگا اگرچہ وہ باپ شرعی نہیں حرامی ہوگا، بالکل اسی طرح سے اگر سسر نے اپنی بہو سے زنا کرلیا ہے تو اب وہ عورت اس کے لڑکے کی ماں ہوگی اور قرآن کا یہ لفظ حرمت علیکم امھاتکم اس پر صادق آئے گا، اگرچہ اس کا یہ ماں ہونا بطور حقیقت نہیں مجاز کے طور پر ہے، پس جس طرح سے مجازی لڑکی باپ کیلئے حرام ہے اسی طرح سے مجازی ماں بھی بیٹے کیلئے حرام ہے۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں یہی جمہور کا مذہب ہے، اور یہی درست اور یقینی بات ہے مگر آج کے مجتہدین کو یہ مسئلہ کتاب وسنت کے خلاف دکھائی دیتا ہے، اگر کوئی اندھا ہی بن کر قرآن پاک کے واضح ارشاد سے منہ موڑلے تو ہم کیا کرسکتے ہیں، حرمت کی اصل وجہ لوگوں نے نکاح کو سمجھا ہے حالانکہ حرمت کی اصل وجہ نکاح نہیں ہے بلکہ وطی کا پایا جانا ہے

جس طرح سے بھی وطی پائی جائے گی وہ طریقہ حلال ہو یا حرام باپ بیٹے کے درمیان حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اور باپ کی موطوءۃ بیٹے کے لئے حلال نہ رہے گی، تفسیر مظہری میں ہے۔

لان علۃ التحریم کون الوطی سببا للولد ووصف الحل ملغاۃ شرعًا فان وطی الامۃ المشترکۃ وجاریۃ الابن والمکاتبۃ والمظاھر منھا وامۃ المجوسیۃ والحائض والنفساء ووطی المحرم والصائم فان کلہ حرامًا ویثبت حرمۃ المصاھرۃ اجماعًا فعلم ان المعتبر فی الاصل ذات الوطی من غیر نظر لکونہ حلالًا او حرامًا ۔

یعنی حرام ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ وطی سبب ہوا کرتی ہے اولاد کی پیدائش کا اور اس کیلئے وطی کے حلال ہونے کا وصف شرعًا غیر معتبر ہے۔ (بہت سی صورتوں میں وطی کرنا حلال نہیں ہوتا ہے مگر اس حرام وطی سے حرمت مصاہرت اجماعًا ثابت ہو جاتی ہے، مثلاً دیکھو ایسی باندی جو دو آدمیوں میں مشترک ہو اس سے ان دونوں میں سے کسی کا وطی کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی نے اس باندی سے وطی کی تو اب یہ باندی اس کے لڑکے کیلئے حلال نہیں رہے گی اور حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح لڑکے کی باندی سے وطی کرنا حلال نہیں ہے، مکاتبہ باندی سے وطی کرنا حلال نہیں ہے، جس عورت سے شوہر نے ظہار کیا ہے اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، مجوسی باندی سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، حائضہ عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، عورت حالتِ احرام میں ہو اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، روزہ دار عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، ان تمام عورتوں سے وطی کرنا حرام ہے لیکن اگر کسی نے ان سے وطی کیا تو اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی، وجہ یہی ہے کہ اس باب میں اصل چیز وطی ہی ہے خواہ وہ حلال ہو یا حرام۔

فقیہ وقت امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:

ان اسم النکاح حقیقۃ للوطی مجاز فی العقد فوجب اذا کان ھذا

علی ما وصفنا ان یحمل قولہ تعالیٰ ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء علی الوطئ فاقتضی ذلک تحریم من وطئھا ابوہ من النساء علیہ لانہ لما ثبت ان النکاح وطئ للاسم لم یختص بالمباح منہ دون المحظور۔

یعنی نکاح کا لفظ حقیقۃً وطی کے لئے ہے، عقد میں اس کا استعمال مجازاً ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم کو وطی پر محمول کیا جائے، پس لڑکے پر وہ عورت حرام ہوجائے گی جس کے باپ نے اس سے وطی کی ہو، اسلئے کہ جب ثابت ہوگیا کہ نکاح کا حقیقی اطلاق وطی پر ہوتا ہے تو حلال کے ساتھ وطی کو خاص نہیں کیا جائے گا، بلکہ یہ لفظ حلال وحرام دونوں طرح کی وطی کو شامل ہوگا۔

ان حضرات کی بات کس قدر عجیب ہے کہ جو محض عقد نکاح کو خواہ وطی نہ پائی جائے حرمت مصاہرت کی وجہ بتلاتے ہیں اور نکاح کی جو اصل غرض ہے یعنی عورت سے مجامعت اس کا حرمت مصاہرت میں محض اس وجہ سے اعتبار نہیں کرتے ہیں کہ اس کا طریقہ حرام تھا، اگر ان کی بات کسی درجہ میں تسلیم کرلی جائے تو بہت سے حراموں کو حلال کرنا پڑے گا، جسکی کچھ مثالیں تفسیر مظہری کے حوالہ سے اوپر عرض کی جاچکی ہیں، کیا جس نے غلط طریقہ سے جماع کیا اس کا نطفہ عورت کے رحم میں نہیں گیا اور کیا مرد کا جز عورت کی طرف منتقل نہیں ہوا، حرمت مصاہرت کی اصل وجہ تو یہی ہے یعنی مرد کے نطفہ کا عورت کے رحم میں جانا، اس نطفہ سے اس عورت سے اولاد کے پیدا ہونے کا امکان متحقق ہوگیا تو اب کس طرح یہ عورت بیٹے کے لئے حلال ہوگی، کیا یہ بات عقل قبول کرتی ہے کہ ایک شخص عورت کے بیٹے کا حقیقی باپ بھی ہو اور وہ عورت اس کی بہو بھی ہو، کیا اسلامی شریعت میں اس کی ذرا بھی گنجائش ہے اور کیا یہ عقل میں آنیوالی بات ہے کہ ایک عورت کسی کی ماں بھی ہو خواہ مجازاً ہی سہی اور اس کی بیوی بھی ہو، اگر غرانہ کو اس کے سسر کی اس کے ساتھ حرام کاری کے بعد بھی اس کے شوہر سے وابستہ کیا گیا تو یہی شکل پیدا ہوگی، کیا عقلائے زمانہ اس کو گوارا کرلیں گے، میں شروع ہی میں عرض کرچکا ہوں کہ غیرمقلدین اور شیعوں کا اس بارے میں کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ ان کے یہاں حرام کو دھڑلے سے حلال

بنایا جاتا ہے، بات ان کی ہے جن کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے، اور جن کو اللہ نے عقل و آگہی عطا کی ہے جو حلال و حرام کے نازک فرق سے واقف ہیں۔

افسوس آج ہماری بدقسمتی کا حال یہ ہے کہ ہم حرام کو حلال کرنے کے درپے ہیں، کتاب وسنت کا نام لے کر اور قرآن کا صریح معارضہ کر کے ہم امت کے گمراہ کرنے کے عمل کو دین کی اور شریعت کی خدمت سمجھ رہے ہیں۔

اپنی اس بے راہ روی پر ماتم کرنے کے بجائے فقہ حنفی اور علمائے احناف کے خلاف بدزبانیاں کی جاتی ہیں اور شور مچایا جاتا ہے کہ فقہ حنفی کا مسئلہ زمانہ اور حالات کے مطابق نہیں ہے، حالانکہ یہ صرف فقہ حنفی کی بات نہیں ہے، یہی مذہب جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ائمہ متبوعین میں سے امام احمد رحمہ اللہ کا بھی ہے، اور یہی مذہب جمہور اکابر کا ہے جیسا کہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے گزر چکا۔

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی لابن قدامہ میں ہے۔

وطی الحرام محرم کما یحرم وطی الحلال والشبهة یعنی انه یثبت به تحریم المصاهرة فاذا زنی بامرأة حرمت علی ابیه و ابنه۔ وحرمت علیه امها وابنتها کما لو وطئها بشبهة او حلالا۔

یعنی حرام وطی بھی حرام کرنے والی ہے جیسا کہ حلال اور شبہ والی وطی حرمت پیدا کر دیتی ہے، یعنی اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے پس اگر کسی نے کسی عورت سے زنا کیا تو وہ عورت اس کے باپ اور بیٹے پر حرام ہو جائے گی۔ اور عورت کی ماں اور اس کی لڑکی اس زانی پر حرام ہو جائیں گی، جس طرح شبہ اور حلال وطی سے یہ حرمت پیدا ہوتی حرام وطی سے بھی یہ حرمت پیدا ہو جائے گی، پھر فرماتے ہیں کہ یہی مذہب عمران بن حصین کا ہے اور حسن بصری، عطا، طاؤس، مجاہد، شعبی، نخعی، امام ثوری، اسحٰق اور تمام کوفہ والوں کا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ خدا کے ارشاد ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم سے مراد مطلقاً وطی ہے، اور اس کیلئے آگے کا جملہ یعنی انه فاحشة ومقتا وساء سبیلا واضح قرینہ ہے۔

اس قسم کی تغلیظ اور شدت کا تقاضا ہے کہ آیت کریمہ میں نکاح سے مراد وطی ہی ہو۔

مزید فرماتے ہیں کہ آنحضورؐ کی حدیث ہے۔ لاینظر اللہ الی رجل نظر الی فرج امرأۃ وابنتھا۔ یعنی اللہ اس کی طرف نگاہ نہیں کرے گا جو کسی عورت یا اس کی بیٹی کی شرمگاہ کی طرف نظر اٹھائے۔

وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص ملعون ہے جو کسی عورت یا اس کی بیٹی کی شرمگاہ کو دیکھے۔ (مغنی ج ۷ ص ۴۸۳ و ص ۴۸۲)

ان آثار اور ان کے علاوہ بہت سے آثار جن کو صاحب اعلاء السنن نے نقل کیا ہے ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وطی چاہے حلال ہو یا حرام طریقہ سے ہو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔ اب اس کے بعد بھی کسی کو اس پر اصرار ہو کہ نہیں صاحب وطی حرام سے اور زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے تو اس سے دھینگا مشتی تو نہیں کی جا سکتی وہ اپنے اس فتویٰ کا خود ذمہ دار ہے۔

عمرانہ کے معاملہ میں کہا یہ بھی جا رہا ہے کہ اگر فقہ حنفی کے مطابق عمرانہ کو اس کے شوہر سے الگ کر دیا گیا تو اس کے ساتھ ناانصافی ہوگی، یہ بھی محض پروپیگنڈائی بات ہے اور جاہل عوام کے جذبات سے کھیلنا ہے، عمرانہ کے ساتھ یہی تو عین انصاف ہے کہ اسکو حرام کاری سے بچا لیا جائے ورنہ پوری زندگی اس کی حرام کاری میں گذرے گی، مزید یہ کہ اگر عمرانہ کو اس کے شوہر کے ساتھ رہنے کا موقع دیا جائے تو شوہر اور بیوی دونوں کے تصور پر یہ ہتھوڑا ہر وقت برستا رہے گا کہ یہ جو عورت ہے وہ سسر کی شکار شدہ ہے اور عورت کے ذہن میں یہ بات کانٹے کی طرح کھٹکے گی کہ یہ اس کے شوہر کے باپ نے اس کی عزت لوٹی ہے اور اس کے ساتھ حرام کاری کی ہے۔ بیوی اور شوہر اپنے ان تصورات کے ساتھ اپنی زندگی کو عافیت کے ساتھ گزار سکتے ہیں؟

یہ تلخ یادیں دونوں کی زندگی میں ہر وقت زہر گھولتی رہیں گی، پھر بچے اگر صاحب عقل و شعور ہیں یا وہ جب صاحب عقل و شعور ہوں گے اور جب ان کو اپنے ماں باپ کے حالات کا علم ہوگا تو وہ ان کے بارے میں کیا سوچیں گے یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

فقہ حنفی اس اذیت اور کرب کی زندگی سے بیوی اور شوہر اور ان کے بچوں کو

نکالنا چاہتی ہے ، یہ عورت اور اس کے شوہر اور ان کے بچوں کے ساتھ عین ہمدردی ہے نہ کہ ظلم و زیادتی جیسا کہ عقل و خرد اور احساس و شعور سے بیگانہ لوگ کہہ رہے ہیں یہ وہ اربابِ علم و دانش ہیں جن کو انسانی نفسیات کا ذرا بھی علم نہیں ہے ۔

یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اگر عمرانہ کو اس کے شوہر سے الگ کر دیا گیا تو عمرانہ کا کیا ہوگا اس کی زندگی کی گاڑی کیسے چلے گی ، اس کے بچوں کا کیا ہوگا ، تو عرض یہ ہے کہ فرض کرو کہ اگر عمرانہ کا شوہر مر جاتا یا وہ اس کو طلاق دے دیتا تو عمرانہ کا کیا ہوتا ، اور اس کے بچوں کا کیا ہوتا ، پس شوہر کے مرنے اور طلاق دینے کی شکل میں جو ہوتا وہی اب بھی ہوگا ، کیا اسلام میں اس کا حل نہیں ہے ؟ اسلام میں زکوٰۃ و صدقات کا نظام کس کے لئے ہے ، اگر عمرانہ صاحبِ نصاب نہ ہوگی تو مسلمانوں کی زکوٰۃ اور ان کے صدقات کے مال سے اس کی زندگی گذر سکتی ہے ، جن کو عمرانہ کی بے لبسی اور بے چارگی اور اس کی مظلومیت ستائے ہوئے ہے ان میں سے چند بھی اگر اپنی زکوٰۃ کا کچھ حصہ بھی عمرانہ کیلئے خاص کر دیں تو اس کی زندگی عافیت سے گزر جائے گی ، کم از کم مالی پریشانی سے وہ دو چار نہ ہوگی ، اگر بچے اس کے پاس رہیں گے تو ان کا بھی خرچ چل جائے گا ، اگر بچے شوہر کے پاس ہوں گے تو (اور بچوں کی پرورش شوہر ہی کی ذمہ داری ہے ) بھی عمرانہ کو کوئی پریشانی نہیں ہے ۔ بچے عمرانہ کے پاس آ جا سکتے ہیں ، اگر شوہر گھر پر نہیں ہے تو عمرانہ خود ان بچوں کے پاس جا سکتی ہے ، اگر مناسب سمجھے گی تو اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے ۔

پھر جس سسر نے اس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے سزا کے طور پر عدالت اس پر بڑا جرمانہ لگا سکتی ہے اور وہ رقم عمرانہ کو دی جائے ، اگر سسر کی جائداد اور ملکیت ہے تو اس پر قبضہ کر کے عمرانہ کی ملکیت میں عدالت کر دے ، سسر کو سزا کے طور پر یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے ۔

ان تمام شکلوں کی موجودگی میں یہ کہنا کہ فقہ حنفی کے مطابق اگر عمل ہوا تو عمرانہ مظلوم رہ جائے گی کس قدر نامعقول اور جہالت کی بات ہے ۔

عمرانہ کی مظلومیت کا ہوا کھڑا کر کے حرام کو حلال نہیں کیا جا سکتا بلکہ عمرانہ کا فیصلہ

شریعت کے مطابق کرکے اس کو مزید حرام کاری سے بچایا جائے گا ، اور اس کی مدد کی دوسری شکلیں نکالی جائیں گی ۔

اگر شوہر یہ جان کر بھی کہ عمرانہ اس کے باپ کی شکار شدہ ہے اس کو اپنے پاس رکھتا ہے تو یہ دیوثیت ہے اور دیوث آدمی جنت میں جانے کا مستحق نہیں ہوتا ، حدیث پاک میں ہے لایدخل الجنة بخیل ولا کذاب ولا دیوث (فتاوی ابن تیمیہ ص ۱۴۵ ج ۳۲) یعنی تین آدمی جنت میں نہیں جائیں گے ۔ بخیل ، جھوٹ بولنے والا ، اور دیوث ۔

## عمرانہ کے بارے میں مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی کا بیان

حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی ہمارے محترم بزرگ ہیں ، میں دہلی جب جاتا ہوں تو بعض اوقات مولانا کے ساتھ طویل مجلس ہوتی ہے ، جہاں مولانا کا گھر ہے اسی کے پڑوس میں سبانی بکڈپو ہے جہاں اکثر میرا قیام رہتا ہے ۔

میرے دل میں مولانا کا بڑا احترام ہے ، مولانا بھی اپنی شفقتوں سے مجھے نوازتے رہتے ہیں ، دہلی اب علماء سے خالی ہوتی جا رہی ہے ، اس وقت مولانا کی ذات ہندوستان کی راجدھانی میں بسا غنیمت ہے ، مولانا صاحب قلم و صاحب علم آدمی ہیں ، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ، قرآن کریم ان کے قلم کا خاص موضوع ہے ، مولانا اپنی نگارشات اور اپنی تحقیقات سے اہل علم طبقہ کو روحانی غذا فراہم کرتے رہتے ہیں ۔

عمرانہ کا قضیہ جب اخبارات کا موضوع بنا تو مولانا کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا اور ہمیں ان کا بھی ایک بیان تین جولائی کے راشٹریہ سہارا اخبار میں پڑھنے کو ملا ۔

مولانا کا یہ بیان پڑھ کر ہمیں بہت افسوس ہوا ، مولانا نے کافی غور و خوض کئے بغیر اپنا یہ بیان شائع کردیا ہے ، اس بیان میں انھوں نے غیر مقلدین اور شیعوں کے موقف کی موافقت کی ہے ، اور بلاوجہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے ۔

میں نے مولانا کے ساتھ بار بار کی نشست سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ مولانا کی فکر میں کوئی ٹھہراؤ اور جماؤ نہیں ہے وہ جدھر کی ہوا چلے ادھر چلو کے قسم کے آدمی ہیں، مولانا قاسمی صاحب کو زمانہ کے بدلتے ہوئے۔ حالات اور ان کے تقاضے بہت پریشان کئے رہتے ہیں، اسلام پر مخالفین کے اعتراضات سے بے حد ڈرے سہمے نظر آتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلو چاہے زمانہ کی یہ رفتار آدمی کو حرم میں لے جائے یا دیر میں، مولانا کے افکار و خیالات میں اسی کا غلبہ رہتا ہے اور وہ اسی انداز پر مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

مولانا کا عمرانہ کے سلسلہ کا بیان اسی نوع کا ہے، مولانا کو اگر شیعوں اور غیر مقلدین ہی کی موافقت کرنی تھی تو وہ اپنی بات کو قرآن، احادیث اور آثار صحابہ سے مدلل کرتے، احناف کے موقف کی کمزوری کو دلائل سے واضح کرتے، مولانا نے اگر ایسا کیا ہوتا تو وہ انکی علمی شان کے مناسب ہوتا، مولانا کا سارا استدلال یہ ہے کہ ائمہ متبوعین میں سے دو جلیل القدر اماموں کے مذہب کی رو سے عمرانہ اپنے شوہر کے لئے حرام نہیں ہے، اور چونکہ ان اماموں کی رائے زمانہ اور اس کے تقاضوں کے مطابق ہے اس وجہ سے عمرانہ اپنے شوہر کیلئے حلال ہے۔

سوال یہ ہے کہ ڈاڑھی منڈانا بھی زمانہ اور اس کے تقاضوں کے مطابق ہے تو کیا اب مولانا محترم اس کا بھی مشورہ دیں گے کہ مسلمان ڈاڑھی منڈائیں، برتھ کنٹرول اور دو ہی بچہ پیدا کرو اور ایک سے زیادہ شادی نہ کرو، یہ بھی زمانہ اور اس کے تقاضوں کے مطابق ہے، اب مولانا مسلمانوں کو اس کا بھی مشورہ دیں کہ وہ نسبندی کرائیں، دو سے زیادہ بچہ نہ پیدا کریں، اور ایک سے زیادہ شادی نہ کریں، غیر مسلم بینکوں سے سود لے کر تجارت میں آگے بڑھ رہے ہیں ان کی معیشت بلند ہو رہی ہے، کاروبار کی دنیا پر وہ چھا رہے ہیں، اب مولانا مسلمانوں کو یہ مشورہ دیں کہ زمانہ کا تقاضا ہے کہ تم بھی اس حرام میں گرفتار ہو جاؤ اور زمانہ کے تقاضہ کو پورا کرو۔

حضرت مولانا قاسمی صاحب دامت برکاتہم کی جو بھی رائے ہو مگر اسلام ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ زمانہ کے تقاضوں کا خیال کرکے اور اس کو بہانہ بنا کر حرام کو حلال کیا جانے لگے اور مسلمان کا گھرانہ برباد ہو سکتا ہے اس جھوٹ کو پروپیگنڈہ کی شکل میں لوگوں کے سامنے

پیش کر کے کتاب اللہ کی قطعیات سے آنکھ بند کر لی جائے، حکومتیں باغیوں کو اور قانون توڑنیوالوں کو پھانسیاں دیتی ہیں، گولیوں سے اڑا دیتی ہیں، اس وقت بھی خاندان تباہ ہوتا ہے، عورتیں بیوہ ہوتی ہیں، بچے یتیم ہوتے ہیں مگر کسی کو خاندان کی بربادی کا غم نہیں ستاتا، اولاد کی محرومیوں پر ان کا آنسو نہیں گرتا، بیویوں کے بیوہ ہونے پر وہ چاک گریباں نظر نہیں آتے، اگر کسی نے حکومت کے اس فیصلہ پر انگلی اٹھائی اور اس سزا کی مخالفت کی تو خود باغی شمار ہوگا اور اس کا بھی حشر حکومتیں وہی کریں گی جو اس باغی کا ہوا ہے۔

مگر خدا کا قانون اور اس کی شریعت مولانا جیسے اصحاب فکر کی نظر میں اتنی ہلکی اور اتنی سستی ہے کہ اس کے توڑنے والے اور اس کی مخالفت کرنے والے پر خدائی فیصلہ نافذ کیا جائے تو ان کو زمانہ کے حالات اور اس کے تقاضے یاد آتے ہیں اور حرام کو حلال کرنے کی تگ ودو کیجاتی ہے۔

مولانا کی یہ دلیل کوئی دلیل نہیں ہے، مولانا کو اگر اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہی ضروری تھا تو ان کو کتاب وسنت اور اسلاف کے اقوال اور آثار کی روشنی میں مدلل گفتگو کر کے اپنی بات اور رائے کی پختگی ثابت کرنی چاہئے تھی۔

مولانا کی ایک دلیل یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس مسئلہ سے تعرض ہی نہیں کیا، مولانا کی یہ دلیل کتنی زوردار ہے اس کا اندازہ اہل علم کر سکتے ہیں، مولانا محترم نے حجۃ اللہ البالغہ کا غور سے مطالعہ ہی نہیں کیا ہے ورنہ ان کو نظر آتا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت جامع انداز میں اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے اور احناف ہی کے موقف کی تائید کی ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

فانہ لو جرت السنۃ بین الناس ان یکون للام رغبۃ فی تزوج بنتھا وللرجال فی حلائل الابناء وبنات نسائھم لافضی ذلک الی السعی فی فک ذلک الربط او قتل من یشح بہ۔

یعنی لوگوں میں اگر یہ طریقہ جاری ہو جائے کہ ماں اپنے دامادوں کی خواہش میں یا باپ

اپنی بہوؤں کی خواہش کریں یا اپنی پوتیوں کی خواہش کریں تو ان کا یہ عمل اس نظام کو درہم برہم کر دے گا جو نکاح کا مقصد ہے، یا جن کے موجود ہونے کی خاندان والوں کو خواہش اور حرص ہوتی ہے (مثلاً ماں باپ بھائی وغیرہ) ان کا یہ عمل ان کے قتل ہونے کا ذریعہ بنے گا۔

دیکھئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو صاف صاف فرما رہے ہیں کہ اگر سسر نے بہو کے ساتھ حرام کاری کی تو خاندان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، یعنی اس حرام کاری کا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا کہ خاندان کا نظام درہم برہم ہو۔

خاندان کا نظام کب درہم برہم ہوگا، یہ اسی وقت ہوگا جب کہ شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق ہو جائے، غرض شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ اگر باپ نے اپنی بہو سے منہ کالا کیا تو خاندان کا بکھراؤ یقینی ہے، اور شوہر بیوی کے درمیان تفریق لازمی ہوگی، اسلامی قانون کے مطابق اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ شاہ صاحب کے الفاظ میں آپ غور کریں، وہ رغبتا فی حلائل ابنا ئھم کا لفظ مطلق بول رہے ہیں قبل نکاح یا بعد نکاح کی کوئی قید نہیں لگا رہے ہیں یعنی خواہ سسر کی یہ رغبت نکاح سے پہلے ہو یا بعد میں ہو ہر حال میں بیٹے کی بیوی لڑکے پر حرام ہو جائے گی۔

باپ پر بہو اسی لئے حرام ہے کہ خاندان کا بکھراؤ نہ ہو مگر گھر کا کوئی فرد خود اپنے سر پر کلہاڑی مارے تو اس میں شریعت کا کیا قصور ہے۔ اس کا ذمہ دار وہ خود ہے، اس کے عمل کی وجہ سے شریعت کا قانون نہیں بدلا جا سکتا، آخر محصن زانی کو شریعت ہی نے سنگسار کرنے کا قانون بنایا ہے، شریعت نے اس کی پرواہ نہیں کی ہے کہ اس سے خاندان کا نظام درہم برہم ہوگا، بچے یتیم ہوں گے، بیوی بیوہ ہوگی، اسلئے زانی کو سنگسار نہ کیا جائے۔ تعجب ہے کہ اگر سسر بہو سے نکاح کرلے تو اس سے تو میاں بیوی کے درمیان تفریق جائز قرار دیا جائے اور تب خاندان کا بکھراؤ گوارا کر لیا جائے گا اور اس سے بڑا گناہ اور جرم یعنی بہو کے ساتھ کھلا زنا ہو اس سے نکاح کو باقی رکھا جائے اور وہ خاندان کے بکھراؤ کو بہانہ بنایا جائے۔

غرض مولانا اخلاق صاحب کی یہ بات یقیناً غلط ہے کہ وہ ناچیز کے خیال کے مطابق احناف کی اجتہادی دلیل کے کمزور ہونے کے باعث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں محرمات شرعی کی مفصل اور مدلل بحث میں حرمت مصاہرت کے زیر بحث پہلو کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور وہی کہا ہے جو احناف کا مذہب اور مسلک ہے، میں نے شاہ صاحب کی عبارت حجۃ اللہ سے نقل کر دی ہے، اہل علم حضرات خود فرمالیں کہ مولانا کی بات کہاں تک صحیح ہے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا احناف کی دلیل کو اجتہادی دلیل کہتے ہیں گویا عوام کے ذہن میں یہ تصور بھرنا چاہتے ہیں کہ احناف کے پاس ان کے مذہب پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے جب کہ احناف اس بارے میں قرآن کی نص قطعی کو پیش کرتے ہیں اس کے علاوہ آثار صحابہ بعض احادیث اور سلف کے آثار بھی ان کی تائید میں ہیں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں میں نے ان میں سے کچھ کا ذکر بھی کیا ہے، اس کے باوجود بھی مولانا کا یہ طنز کہ " احناف کی اجتہادی دلیل " ان کے شایان شان بات نہیں ہے، مولانا اگر مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ اور اعلاء السنن کا مطالعہ کریں تو ان کو احناف کے موقف کی مؤید حدیث رسول آثار صحابہ اور اقوال سلف سے دسیوں دلیل مل جائے گی، مولانا اپنا مطالعہ ذرا وسیع تو کریں۔

مولانا کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نکاح کا رشتہ محبت اور مودت کا رشتہ ہے اور یہ خدا کا بڑا انعام ہے اس وجہ سے اس کو بیرونی معصیت مرد کی ہو یا عورت کی ختم نہیں کر سکتی، مولانا کی عبارت یہ ہے۔

" غور کرو کہ قدرت کے اس عظیم انعام کو بیرونی معصیت مرد کی ہو یا عورت کی کس طرح باطل کر سکتی ہے "

مولانا کا یہ کلام ان کی خطابت کا جز ہے جو سراسر لغو ہے، سوال یہ ہے اگر خاندان کا کوئی فرد خود ہی اس انعام کی قدر نہ کرے تو اس میں شریعت کا کیا قصور ہے، اس کا ذمہ دار تو وہ خود ہے۔ مولانا کی یہ عبارت بڑی پُر فریب ہے، مولانا شوہر کے باپ کا نام لینے کے بجائے بیرونی

معصیت کا لفظ استعمال کر رہے ہیں، مولانا فرمائیں کہ کیا سسر یعنی شوہر کا باپ گھر کے باہر کا فرد ہوتا ہے اور سسر کا اپنی بہو سے منہ کالا کرنا بیرونی معصیت کہلائے گا؟ اگر بیٹے کی بیوی کا ساتھ زید بکر میں سے کوئی زنا کرتا تو یہ بیرونی معصیت ہوتی، اور پھر احناف بھی یہی کہتے کہ اس بیرونی معصیت کی وجہ سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق نہیں ہوگی۔ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے کہ بیرونی معصیت کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان تفریق ہوگی، مگر یہاں مسئلہ زید عمر بکر کا نہیں ہے یہاں تو مسئلہ اندرونی معصیت کا ہے، یعنی شوہر کے باپ کا اس کی بیوی یعنی اپنی سگی بہو کے ساتھ زنا کرنے کا ہے، اگر مولانا اس کو بیرونی معصیت سمجھتے ہیں اور سسر کو باہر کا آدمی سمجھتے ہیں تو ہم ان کے لئے دعائے خیر کے علاوہ کیا کر سکتے ہیں۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی ایک بڑے اور ذمہ دار عالم ہیں اور ان کا تعلق جماعت دیوبند سے ہے اس وجہ سے ہماری خواہش ہوتی ہے کہ مولانا جب علمی لائن کی کوئی گفتگو کریں تو وہ محض رواروی والی نہ ہو، باوزن اور مدلل ہو، جذباتی نہ ہو علمی ہو، سرسری مطالعہ والی نہ ہو گہرے مطالعہ کا نچوڑ ہو

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

میں اپنی یہ تحریر مکمل کر چکا تھا کہ ۲۱ر جولائی کے راشٹریہ سہارا میں مولانا قاسمی صاحب کا ایک مراسلہ اسی موضوع پر پڑھنے کو ملا، یہ مراسلہ مولانا نے ان لوگوں کے جواب میں لکھا ہے جن کو مولانا کے مضمون پر اعتراض تھا، اس مراسلہ کا عنوان ہے "متقدمین احناف کیا کہتے ہیں" اس عنوان کو دیکھ کر خیال تھا کہ مولانا اخلاق صاحب اپنے موقف کو متقدمین احناف کے فتاویٰ اور اقوال سے مدلل کریں گے، مگر مولانا نے کسی ایک متقدم حنفی کا قول اپنے پورے مراسلہ میں پیش نہیں کیا متقدمین کیا کسی ایک متأخر حنفی کا بھی کوئی قول اپنی تائید میں انھوں نے نقل نہیں کیا۔

مولانا اپنے اس مراسلہ میں لکھتے ہیں:

" ہم نے متقدمین حنفی علماء کی تحریروں سے یہ سمجھا ہے کہ مسلک متنازعہ کے اثبات کے لئے قرآن کریم کی آیت ۲۲ سورہ نساء اور روایاتِ حدیث سے جو استدلال کیا جاتا ہے وہ ضعیف ہے "

سوال یہ ہے کہ وہ کون سے متقدمین حنفی علماء ہیں، ان کا نام لیجئے، متقدمین علماء میں سے کسی کا آپ نے نام نہیں لیا ہے، نہ اس مراسلہ میں اور نہ گزشتہ اپنے مضمون میں، آپ نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا نام لیا ہے، اوران دونوں کو متقدمین حنفی علماء میں سے شمار کرنا یہ آپ کا اپنا خیال ہوگا، ورنہ جو لوگ " متقدمین علماء " کی اصطلاح کو سمجھتے ہیں وہ ان کو متقدمین علماء میں سے شمار نہیں کرتے، اور یہ دونوں حضرات بھی آپ کے خلاف ہی کہتے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب اور قاضی ثناء اللہ صاحب کی عبارت میں نے پیش کر دی ہے۔ آپ کی مصیبت یہ ہے کہ آپ نے نہ قاضی صاحب کی بات سمجھی ہے اور نہ شاہ ولی اللہ صاحب کی، حضرت شاہ صاحب کی بات کو تو آپ نے بالکل نہیں سمجھا ہے اور قاضی صاحب صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ چونکہ نکاح کا معنی وطی اور عقد دونوں آتا ہے جو لوگ اس کا ترجمہ عقد کرتے ہیں وہ اس کو وطی کے معنی میں نہیں لیتے اور جو لوگ اس کا ترجمہ وطی کرتے ہیں ان کے نزدیک اس کا ترجمہ عقد بھی ہے، یعنی ان کے نزدیک یہ لفظ مشترک ہے تو آیت کریمہ میں بہتر یہ ہے کہ وطی کے بجائے عقد کا ترجمہ کیا جائے تاکہ دونوں جماعتوں کے درمیان آیت کا معنی کرنے میں توافق رہے اور اختلاف سے بچا جا سکے، اور رہا وطی کے بعد عورت سے رشتہ مصاہرت کا قائم ہونے کا مسئلہ وہ اپنی جگہ مسلم ہے، وطی حلال پر اسکو قیاس کیا جائے گا، یعنی جس طرح سے وطی حلال سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے، وطی حرام سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوگی، اسلئے کہ حرمت کی اصل وجہ وطی ہے چاہے حلال طریقہ سے ہو یا حرام طریقہ سے ہو، قاضی صاحب کی اس عبارت میں مولانا غور فرمائیں۔

ان الاستدلال علی حرمۃ المصاہرۃ بہذہ الآیۃ ضعیف فالاولی الاستدلال بالقیاس علی الوطی الحلال لان علۃ التحریم کون الوطی

سببا للولد ۔ قاضی صاحب کی یہ عبارت صاف بتلارہی ہے کہ وطی حرام سے حرمت مصاہرت قطعاً ثابت ہو جائے گی۔ بس وہ یہ کہتے ہیں کہ آیت سے مراد تو عقد لیا جائے اور زنا سے حرمت مصاہرت کو وطی حلال پر قیاس کر کے ثابت کیا جائے گا، قاضی صاحب یہ نہیں کہتے کہ نکاح کا ترجمہ وطی نہیں آتا بلکہ وہ اس آیت میں اختلاف سے بچنے کیلئے نکاح کا معنی عقد کرتے ہیں، قاضی صاحب صاف فرمارہے ہیں ۔ فحمل الاٰیۃ علی معنی یوجب حکما مجمعًا علیہ اولی من خلاف ذٰلک ، یعنی آیت کو ایسے معنی میں لینا جو دونوں گروہوں کے درمیان متفق ہے وہ اسکے خلاف معنی لینے سے بہتر ہے، یعنی قاضی صاحب کا کہنا ہے کہ جو لوگ وطی سے حرمت مصاہرت ثابت کرتے ہیں ان کے نزدیک عقد سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے، البتہ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک بلا عقد حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی اس وجہ سے ان کے نزدیک نکاح کا معنی آیت کریمہ میں صرف عقد ہوگا، اسلئے آیتِ کریمہ میں نکاح کا ترجمہ عقد ہی کیا جائے تاکہ دونوں جماعتوں کے درمیان توافق رہے ۔ لیکن جہاں تک مجرد وطی سے حرمت مصاہرت کے ثبوت کا تعلق ہے قاضی صاحب کا بھی وہی مسلک ہے جو عام علمائے احناف متقدمین و متاخرین کا ہے۔ اور اسی وجہ سے قاضی صاحب نے شوافع کے احادیث کے استدلال کو ضعیف قرار دیا ہے اور بتلایا ہے کہ ان کی مستدل ایک حدیث بھی اصول محدثین پر لائق اعتبار نہیں ہے، مولانا نے بھی اپنی بات کی تائید میں کسی ایک صحیح حدیث کا حوالہ نہیں دیا ۔

غرض مولانا اخلاق صاحب کا اگر قاضی صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کا نام لینے سے یہ مقصد ہے کہ قاضی صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب بھی اس مسئلہ میں مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی کے ہم خیال ہیں تو ان کا خیال قطعاً غلط ہے، اور چونکہ مولانا نے ان حضرات کی کتابوں کو غور سے نہیں پڑھا ہے اس وجہ سے وہ غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں ۔

علامہ اخلاق حسین قاسمی نے اپنے گذشتہ مضمون میں اور اس مراسلہ میں بھی ہدایہ اور شرح وقایہ کا نام لے کر عوام کو مبتلائے فریب کرنا چاہا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کتابوں میں آیت سے حرمت مصاہرت پر استدلال کمزور قرار دیا ہے، چلئے تسلیم کہ آپ کے خیال کے مطابق ان

کتابوں کے مصنفین نے آیت کریمہ سے حرمت مصاہرت پر استدلال کو کمزور قرار دیا ہے مگر حضرت یہ تو بتلائیے کہ کیا ان میں سے کسی ایک نے بھی آپ کے موقف کی حمایت کی ہے اور وطی حرام سے حرمت مصاہرت کے ثبوت کی نفی کی ہے ؟ تو پھر آپ کو ان کا نام لینے سے کیا فائدہ ہوا ، مولانا اپنے مراسلہ میں فرماتے ہیں ۔ شرح وقایہ کے مصنف نے حدیث پیش کردہ کو ابن ہمام کے حوالے سے کمزور قرار دیا ہے ۔

میں مولانا اخلاق صاحب کو ایک ذمہ دار عالم سمجھتا تھا مگر مولانا کا مضمون اور مراسلہ پڑھ کر میرے احساس کو زبردست ٹھیس پہونچی ، مولانا نے اس اہم حلال وحرام کے مسئلہ میں اپنی عالمانہ ذمہ داری کا قطعاً ثبوت نہیں دیا ۔ مولانا نے شرح وقایہ ہرگز نہیں دیکھی ہے ۔ اگر مولانا شرح وقایہ سے اپنی بات نقل کرنے میں سچے ہیں تو براہ کرم وہ شرح وقایہ سے وہ عبارت پیش کریں جس کو وہ اپنی تائید میں سمجھ کر شرح وقایہ کا نام لیتے ہیں ۔ مولانا نے شرح وقایہ کے حوالہ سے جو بات تحریر فرمائی ہے شرح وقایہ میں اس کا نشان دور دور تک نہیں ہے ، معلوم نہیں مولانا کس عالم خیال میں ہیں ۔ علمی میدان میں اترنے کیلئے چالو مطالعہ اور سنی سنائی بات سے کام نہیں چلتا ، مولانا کو یہ بات سمجھنا چاہیئے ۔ مولانا جب شرح وقایہ تک نہیں پہونچ سکے تو ہدایہ تو اس سے ایک جماعت اوپر کی کتاب ہے بہت مشکل ہے یہ کہنا کہ مولانا نے از خود ہدایہ دیکھنے کی زحمت کی ہوگی ۔

مولانا کو معلوم ہونا چاہئیے کہ باپ کی موطوءۃ سے حرمت مصاہرت کا ثابت ہوجانا احناف کا اجماعی مسئلہ ہے ، ہدایہ والا بھی یہی کہتا ہے اور شرح وقایہ والا بھی یہی کہتا ہے ۔ متقدمین ومتاخرین سب یہی کہتے ہیں ، شاہ ولی اللہ بھی یہی کہتے ہیں اور قاضی ثناء اللہ صاحب بھی یہی کہتے ہیں ، کسی کا استدلال اس مسئلہ پر آیت سے ہے اور کسی کا استدلال قیاس سے اور کوئی قرآن کریم اور احادیث وآثار سب سے استدلال کرتا ہے ، استدلال کا طریقہ الگ الگ ہوتا رہتا ہے اس سے اصل مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا ، مثلاً اللہ کے وجود پر ایک اونٹ کا چرواہا اونٹ کے پس انگندہ سے استدلال کرتا ہے اور امام رازی جیسا عقلیت پسند

کا طرزِ استدلال دوسرا ہے، مگر دونوں کا وجودِ باری پر ایمان ہے اور دونوں کے نزدیک اس مسئلہ کی حقانیت مسلم ہے۔

مولانا قاسمی صاحب اپنے اس مراسلہ میں فرماتے ہیں

" اس بحث کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اس کمزور اجتہاد کی نسبت امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں امام محمد اور امام ابویوسف کی طرف درست نہیں ہے "

مولانا یہ آپ کا خیال ہے جو بالکل غلط ہے۔ آپ کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ ہم نے آپ کے مضمون اور مراسلہ سے لگا لیا ہے، افسوس اس بحث میں پڑنے سے پہلے آپ نے اپنے مطالعہ کو نہ وسیع کیا اور نہ کامل غور و خوض سے کام لیا، ورنہ آپ کو معلوم ہوتا کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کی طرف اس اجتہاد کی نسبت بالکل درست ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کا یہی مسلک ہے اور متقدمین و متاخرین علمائے احناف کی کتابیں سب اسی کی گواہ ہیں، آپ اپنا مطالعہ وسیع کریں، کم از کم آپ کو امام ابوبکر جصاص کی کتاب احکام القرآن دیکھ لینی چاہیے تھی، وہ بہت متقدم حنفی فقیہ ہیں، انھوں نے اس مسئلہ پر بڑی مفصل بحث بھی کی ہے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ اس زور و شور کے ساتھ میدان میں کود رہے ہیں اور آپ کی نگارشات بتلا رہی ہیں کہ آپ نے مسئلہ زیرِ بحث کے سلسلہ کا کچھ مطالعہ نہیں کیا ہے اور نہ کسی متقدم کی کتاب تک آپ کی رسائی ہوئی ہے، متاخرین کی کتابوں کو بھی آپ نے نہیں سمجھا ہے۔ جب آدمی کی اپنی لیاقت اور استعداد اتنی ہو تو حلال و حرام کے مسئلہ میں اس کو دخل نہیں دینا چاہیے اور "ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں" کے دعوے سے باز رہنا چاہیے۔ مولانا کو یہ امام ابوحنیفہ کا اجتہاد کمزور نظر آتا ہے، ان کو اتنا تو پتہ ہی نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس بارے میں کوئی اجتہاد نہیں کیا ہے، انھوں نے تو نص قرآنی سے استدلال کیا ہے، نص قرآنی سے استدلال کو اجتہاد نہیں کہا جاتا، آپ اس استدلال کی کمزوری ثابت کیجئے تو ہم جانیں۔

مولانا اخلاق صاحب اپنی تحریروں میں بہت سی مرتبہ حضرت تھانوی پر تنقید کرتے ہیں

اپنے اس مضمون میں بھی انھوں نے حضرت تھانوی کو نشانہ تنقید بنایا ہے، مولانا کو اپنے بارے میں بہت خوش فہمی ہے۔

آپ کی صلاحیت اور مطالعہ کا حال تو یہ ہے کہ آپ حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی کتاب کا صحیح نام بھی نہیں لے سکے، اس مراسلہ میں آپ نے الحیلۃ العاجزۃ نام کی کتاب کا نام لیا ہے، بتلایئے یہ الحیلۃ العاجزۃ کس کی تصنیف ہے؟ آپ کو یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ الحیلۃ العاجزۃ کا مطلب کیا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی ہوگی، صرف غلط صحیح کسی سے نام سن لیا ہے۔

آپ نے اس مراسلہ میں تلفیق کا ترجمہ ترجیح کیا ہے۔ یہ لغت عربی میں آپ کی تعدی اجتہادی شان ہے، اب ایسے ہی لوگ فقہی مسائل میں اجتہاد کریں گے جو تلفیق کا ترجمہ ترجیح کریں۔

مولانا دار العلوم دیوبند کے اساتذہ سے فرماتے ہیں کہ وہ معاشرتی مسائل میں تعدی اجتہاد کریں۔

یہ تعدی اجتہاد کی اصطلاح بھی مولانا قاسمی دہلوی کے قلم کا خاص عطیہ ہے۔
مولانا اخلاق صاحب چاہتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے تعدی اجتہاد کر کے حرام کو حلال قرار دینے کی ناروا کوشش اور جرأت بیجا کی ہے اسی طرح دار العلوم دیوبند کے اساتذہ وعلماء بھی کریں، مولانا کا یہ مشورہ خواہ جتنا بھی مخلصانہ ہو قطعًا ناقابلِ قبول ہے۔
دار العلوم کے اساتذہ مولانا اخلاق جیسا نہ علم رکھتے ہیں اور نہ عقل اور نہ انکی جیسی اجتہادی شان، یہ اجتہادی شان مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی ہی کو مبارک ہو جن کی قابلیت کا عالم یہ ہے کہ تلفیق کا ترجمہ ترجیح کریں۔

اللہ اللہ کیسا زمانہ آگیا ہے کہ آج دین کے بارے میں تلفیق کا ترجمہ ترجیح کرنیوالا بھی تعدی اجتہاد کی شان دکھلانا چاہتا ہے۔ اور جس کی رسائی شرح وقایہ جیسی عام کتاب تک بھی نہیں ہے وہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں اپنی رائے صادر کرتا ہے کہ ان کا اجتہاد کمزور ہے۔

اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن لسان

لا یذکر و من دعاء لا یستجاب۔ اللّٰھم نحن فی فتنۃ عمیاء فاعنا وخذ بیدنا الیٰ ما فیہ خیرنا وحفظ دیننا و ایماننا۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب مدظلہ ہمارے محترم ہیں، بزرگ ہیں، صاحب علم وفضل ہیں مگر علمی و دینی مباحث وگفتگو میں جو بات صحیح ہوگی اس کا اظہار کرنا بھی ضروری ہے وہ مسئلہ جو حلال وحرام کا ہو اور جس پر فقہائے احناف کا اجماع ہو مولانا اخلاق صاحب کو اس بارے میں بہت محتاط ہونا چاہئے تھا۔ انکو چاہئے تھا کہ دوسرے اہل علم سے اس بارے میں گفتگو کر لیتے، ذرا صبر سے کام لیتے، مگر مولانا نے جلدبازی دکھائی اور اس جلدبازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے قدم قدم پر ٹھوکر کھائی اور ان کا رُخ غلط سمت ہوگیا، مولانا کا مراسلہ اور مضمون چونکہ دوسروں کے لئے غلط فہمی کا سبب بن رہا تھا اس وجہ سے مجھے یہ تحریر لکھنی پڑی خدا کرے مولانا کی سمجھ میں کچھ بات آجائے۔

مولانا میرے اوپر خفا ہونے کے بجائے اپنی اس بات کو دھیان میں رکھیں جو انھوں نے حضرت تھانوی اور مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب کے بارے میں فرمائی ہے، مولانا اخلاق صاحب فرماتے ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں اپنے شیخ کی تفسیر بیان القرآن کی مذکورہ عبارت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ علمی میدان میں خاص کر تفسیر قرآن کے شعبہ میں اس طرح کی روحانی عقیدت قابل گرفت ہے ۔ حضرت مفتی اعظم نے کئی جگہ بیان القرآن کمزور پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بجائے انھیں عبارت سے حذف کر دیا ہے۔

راشٹریہ سہارا ۲؍ جولائی ۲۰۰۵ء

محمد اجمل مفتاحی

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

# نبوی ہدایات

(۱) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں رسول کی سنتیں ہیں، حیا کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، اور نکاح کرنا۔ (ترمذی)

ان چار چیزوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رسولوں کی سنت قرار دیا یعنی عام طور پر ان چار چیزوں پر عام رسولوں کا عمل تھا، حیا یعنی اللہ سے شرم کرنا اور کوئی ایسا کام نہ کرنا جو اللہ کو ناپسند ہو، یہی اصل حیا ہے، لوگوں سے شرم کرنا شریعت میں اس حیا کی تعریف نہیں ہے، بلکہ اصل شرم یہ ہے کہ آدمی اللہ سے حیا کرے اور اس کے کسی حکم کو نہ توڑے، جب آدمی کو اللہ سے شرم نہیں ہوتی ہے تو ہر کام کرتا ہے، اور اسے اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اللہ اس سے راضی ہے یا ناراض۔ حدیث پاک میں ہے کہ اگر تجھے حیا نہیں ہے تو جو چاہے کر، حیا کو ایمان کا ایک جز قرار دیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الحیاء شعبۃ من الایمان، یعنی شرم ایمان کا ایک حصہ ہے۔ حیا صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی دوسروں کے سامنے شرم گاہ نہ کھولے ننگا نہ پھرے، حیا فی الاصل یہ ہے کہ خدا کی مرضی کے علاوہ کوئی کام نہ کرے۔

کوئی آدمی جب کسی پر احسان کرتا ہے تو یہ دوسرا شخص کو شرم آتی ہے کہ اس کی کسی بات کو ٹالے، وہ اس کا احسان مند ہوتا ہے، اور اس کی خوشی کو مقدم رکھتا

چاہتا ہے، تو جب ایک معمولی احسان کا آدمی پر یہ اثر ہوتا ہے، تو جو خدائے کریم ہر وقت انسان کو اپنی نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے کس قدر ناشکری اور بے شرمی کی بات ہوگی کہ بندہ اس کی مرضی کا خیال نہ کرے اور اس کی رضا و عدم رضا کی پرواہ نہ کرے اور اس کے احکام کو بجائے اس کی منع کردہ چیزوں سے نہ رکے۔

لوگوں کو اس سے تو حیا آتی ہے کہ اگر بچے بچیوں کی شادی دھوم دھام سے نہیں کرینگے تو برادری میں بدنامی ہوگی، ہماری ناک کٹے گی، لیکن اس کو اس سے شرم نہیں آتی ہے کہ اللہ شادی بیاہ میں اسراف اور فضول خرچی اور دکھاوا و نمود کو سخت ناپسند کرتا ہے لوگوں کو انسانوں سے تو شرم آتی ہے لیکن خدا سے شرم نہیں آتی، یہ شرم نہیں ہے یہ انتہائی بے شرمی ہے۔

آپؐ نے خوشبو لگانے کو بھی رسولوں کی سنت بتلایا ہے اس وجہ سے کہ تمام انبیاء و رسول نہایت لطیف طبیعت کے مالک تھے، اور طبیعت کی لطافت کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی خوشبو کا استعمال کرے، خوشبو لگانے سے آدمی کو خود بھی فرحت حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی اچھا معلوم ہوتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے بدن سے پسینہ نکلتا ہے اور اس میں مہک ہوتی ہے یہ شخص جب کسی مجلس میں پہونچتا ہے تو اس کے پسینے سے دوسروں کو تکلیف پہونچتی ہے، اور اس کا آنا ناگوار ہوتا ہے، خوشبو لگانے سے پسینہ کے مہک کا اثر جاتا رہتا ہے۔

اسلام میں نظافت اور صفائی کی بڑی اہمیت ہے، نظافت اور صفائی کا ایک ذریعہ مسواک بھی ہے، منہ کی بدبو بڑی خراب ہوتی ہے، جس کے منہ سے بدبو نکلتی ہے اس کے پاس بیٹھا نہیں جاتا، خود اس آدمی کو جس کے منہ سے بدبو نکلتی ہے تکلیف محسوس ہوتی ہے، اس کے منہ کی بدبو اس کی ناک میں پہنچتی ہے تو اسے تکلیف ہوتی ہے، جس کے منہ سے بدبو نکلتی ہے اسے دوسروں کے پاس جانے میں تکلف ہوتا ہے، اس کا بہترین علاج مسواک ہے، اس سے آدمی خود بھی اذیت اٹھانے سے محفوظ رہے گا اور دوسرے

بھی اس کے منہ کی بدبو سے محفوظ رہیں گے، شریعت نے وضو کے وقت مسواک کو اسی لئے مسنون کیا ہے کہ آدمی کا منہ صاف ستھرا رہے، نیز مسواک سے دانت مضبوط رہتا ہے اور اس میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ اور آدمی خوبصورت معلوم ہوتا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اللہ جمیل ویحب الجمال یعنی اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، اس خوبصورتی کا ایک بہترین ذریعہ دانت کی صفائی اور اس کی چمک ہے۔

دانت اگر مضبوط ہوگا تو دانت کا مرض نہیں پیدا ہوگا، دانت کی مضبوطی کی وجہ سے انسان غذا کو چبا چبا کر کھاتا ہے اور جب معدہ میں اچھی طرح چبایا ہوا کھانا پہونچتا ہے تو آدمی پیٹ اور معدہ کے امراض سے محفوظ رہتا ہے، اگر آدمی کا معدہ درست ہے اور اس کے ہضم کا نظام صحیح ہے تو اس کی صحت وتندرستی پر اس کا زبردست اثر پڑتا ہے۔

غرض مسواک کے فوائد بے شمار ہیں، اسی وجہ سے مسواک کرنا رسولوں کی سنت رہی ہے۔

چوتھی چیز آپ نے نکاح کو بتلایا کہ یہ بھی رسولوں کی سنت رہی ہے، نکاح کے ذریعہ اللہ توالد وتناسل کا سلسلہ جاری رکھتا ہے، اللہ نے انسانوں کے اندر شہوت کا مادہ رکھا ہے، اس شہوت کو جائز طریقہ سے پوری کرنے کا نکاح ذریعہ ہے، ورنہ آدمی پھر حرام کاری کرے گا اور ناجائز طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرے گا، اور زنا اور لواطت جیسے برے عمل میں مبتلا ہوگا۔

اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یامعشر الشباب علیکم بالباءۃ فانہ اغض للبصر واحصن للفرج فمن لم یستطع منکم الباءۃ فعلیہ بالصوم فان الصوم لہ وجاء یعنی اے نوجوانو، تم لوگ شادی کرو، اس لئے کہ نکاح کی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے، اور شرم گاہ کو محفوظ رکھنے والی چیز ہے

اور جو تم میں سے نکاح کا خرچ برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اسے روزہ رکھنا چاہئے کہ روزہ شہوت کو توڑنے والی چیز ہے، یعنی روزہ سے شہوت کمزور پڑ جاتی ہے اس وجہ سے آدمی برائی کی طرف مائل نہیں ہوگا، شہوت سے انسان کے نفس میں ایک ہیجان پیدا ہوتا ہے، روزہ سے یہ ہیجان دب جاتا ہے۔

---

ص۵۵ کا بقیہ :۔

بڑا شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

بیٹا ۔ یہ شرمندگی آپ کو ہوئی ہے، شیخ کلو کو ہوئی ہے، مگر شیخ جن تو سر اٹھا کر اس کا ذکر علمائے اہلحدیث کی تصنیفی خدمات میں کرتے ہیں ۔ ان کو کیوں شرمندگی نہیں ہوتی ہے۔

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

---

# محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط ۱

# مقام صحابہ کتاب و سنت کی روشنی میں
# اور
# مولانا مودودی مرحوم

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم (اللہ دین کے سلسلے میں ان کی مخلصانہ کوششوں کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں کو معاف کرے) عصر حاضر کے ان اصحاب قلم میں سے تھے جن کی تحریر میں بڑی قوت اور بڑی تاثیر تھی، وہ اپنی بات بہت عمدگی سے پیش کرتے تھے، یہ ان کا وہ کمال تھا کہ ان کے معاصرین اس بات میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

ذہانت و طباعی اور وسعتِ مطالعہ، فکر و نظر کی گہرائی، مسائل حاضرہ سے واقفیت مغربی تہذیب و تمدن اور اس کے پیدا ہونے والے اثرات پر کڑی نگاہ تغیراتِ زمانہ کا دقتِ نظر سے مطالعہ، عالمی مسائل کا علم، یہ ان کے وہ اوصاف ہیں جن کا ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں، وہ عصر حاضر کے ان مفکرین میں سے تھے کہ ایک بڑا حلقہ ان کے قلم کا گرویدہ ہے اور ان کی تحریرات کا بڑے شوق سے مطالعہ کرتا ہے، اگر درمیان سے مذہبی اور دینی طبقہ کو الگ کر لیا جائے تو یہ کہنا مبالغہ سے خالی ہوگا کہ ان کی شخصیت کو قبولیتِ عامہ حاصل تھی اور اگر یہ کوئی سعادت ہے تو واقعہ یہ ہے کہ مولانا کو یہ سعادت حاصل تھی۔

ابتداءً مولانا مودودی خالص دعوتی انداز کی تحریر لکھا کرتے تھے، موضوعات بھی

خالص دینی اور اصلاحی ہوتے تھے، اسلام کا دفاع اور مغربی تہذیب وتمدن پر حملہ بڑی قوت سے کرتے تھے اور دین اسلام کو بطور ایک نظام (جس پر چل کر کائنات انسانی اصل سعادت وکامرانی حاصل کر سکتی ہے) بڑے موثر انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے اس زمانہ کی ان کی بعض تحریریں حرز جان بنانے کے قابل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ غیر منقسم ہندوستان میں ان کا نام بڑی عزت واحترام سے لیا جانے لگا اور، لوگوں نے ان کو متکلم اسلام تک کہنا شروع کر دیا تھا، اس زمانہ میں وقت کے بہت سے علماء اور خالص دینی اور علمی مزاج رکھنے والے لوگ بھی مولانا مودودی کے بڑے مداح تھے، اگرچہ اس وقت بھی وہ شخصیتیں جو قلندرانہ صفات کی مالک تھیں جن کے بارے میں "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" کی مثال استعمال کی جاتی ہے، انھوں نے مولانا مودودی کی ان تحریرات کو بھی کسی اندرونی ادراک کی بنا پر قابل التفات نہیں سمجھا لیکن اس میں شک نہیں کہ دینی درد رکھنے والے علماء کا ایک بڑا طبقہ مولانا مودودی کے ساتھ تھا اور ان کی تحریرات سے کافی متاثر تھا۔

پھر وہ بھی زمانہ آیا کہ مولانا مودودی نے ایک جماعت کی بنا ڈالی اور اس میں ان سے متاثر لوگوں نے شرکت کی، ان شرکت کرنے والوں میں وقت کی بعض بڑی علمی ودینی شخصیتیں بھی تھیں جس کی وجہ سے جماعت کو کافی تقویت حاصل رہی۔

دیندار طبقہ اور خالص مذہبی ذہن رکھنے والے لوگ بھی ان گرانقدر شخصیتوں کی شرکت وشمولیت کی وجہ سے کسی نہ کسی درجے میں جماعت اسلامی کی طرف متوجہ تھے اور یوں جماعت اپنا قدم جماتی رہی تا آنکہ اس نے خاصی قوت حاصل کر لی، مولانا مودودی شروع ہی سے اس جماعت کے امیر اور اس کے روح رواں تھے۔

لیکن بدقسمتی سے مولانا مودودی کو جماعتی قوت حاصل ہوئی اور ان کی تحریرات نے طبقہ عوام وخواص میں جو اثر پیدا کرنا شروع کیا اس سے ان کے فکر ونظر کا زاویہ تدریجاً بدلنا شروع ہو گیا اور اب ان کی تحریرات میں عجب، پندار اور ادعا کا خاص رنگ نظر آنے لگا اور اب وہ بڑی بے تکلفی سے کلامی مسائل پر بھی گفتگو کرنے لگے جو ان کا موضوع نہیں تھا،

نیز اسلام کی ان برگزیدہ اور مقدس شخصیتوں پر بھی وہ تنقید کرنے لگے جن کی عظمت سے مسلمانوں کے قلوب لبریز تھے، محدثین، فقہاء، صوفیاء، علماء دین پر ان کی تنقیدات بڑی جارحانہ ہونے لگیں۔ ان کا اور ان کے کارناموں کا استہزا اور استخفاف کیا جانے لگا اور مولانا مودودی نے تحریر وانشاء کا علم سنبھالے کر اپنے قلم کی کاٹ کا رخ مغربی تہذیب وتمدن سے موڑ کر خود اسلام اور اسلامی شخصیتوں کی طرف کر دیا، وہی قلم جو اب تک اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں استعمال ہوتا تھا اب وہ بڑی چابکدستی اور تیزی کے ساتھ اسلام اور دین کا نام لے کر خود اسلام اور دین کے خلاف استعمال ہونے لگا۔

اسلامی عقائد[1]، اسلامی عبادات، اسلامی عادات واخلاق اور اسلامی شخصیتوں کو حتیٰ کہ صحابہ کرام کو بھی بڑی جرأت کے ساتھ طعن وتشنیع اور استخفاف واستہزا کا نشانہ بنالیا گیا اور کھلے اور صاف لفظوں میں اپنی شخصیت کو سب سے اونچا کرکے پیش کرنا مولانا مودودی مرحوم کا وطیرہ بن گیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو دینی فکر ومزاج رکھنے والے لوگ تھے جن کے قلوب اسلاف کی عظمت سے بھرے ہوئے تھے انھوں نے مولانا مرحوم کے اس طرز عمل سے کبیدگی محسوس کی اور اصلاح کی کوشش کی لیکن مولانا مودی اب اس حد سے آگے نکل چکے تھے کہ کسی بات کو خواہ وہ کتنے ہی اخلاص سے کہی جائے اور کہنے والا خواہ کتنا ہی مخلص کیوں نہ ہو وہ قبول کریں اور اپنے فکر ومزاج میں تبدیلی پیدا کرکے اپنے خلوص اور اپنی دیانت داری کا ثبوت دیں، ہمیں پتہ نہیں ہے کہ آج تک مولانا مودودی نے اپنی کسی بات سے رجوع کیا ہے اور اپنے بڑے سے بڑے ہمدرد کی بات خواہ وہ کتنی ہی معقول کیوں نہ ہو اگر وہ

---

[1] یہ بات جو میں عرض کر رہا ہوں پوری ذمہ داری کے ساتھ عرض کر رہا ہوں، اسے محض عبارت آرائی یا غلط الزام نہ سمجھا جائے، جس نے بھی مولانا مرحوم کی تحریرات کا مطالعہ کیا ہے اس سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مولانا نے عقائد سے لیکر عبادات واخلاق تک کو اپنی تنقید کا ہدف اور نشانہ بنا لیا ہے۔

ان کے فکر و نظر کے خلاف ہو تو اسے قبول کیا ہو یہ مولانا مودودی کا وہ عیب ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ اس ترفع کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ ان سے قریب تھے دور ہوتے گئے اور ہندو پاک کی وہ تمام مشہور شخصیتیں جن پر کبھی مولانا مودودی کو بڑا ناز اور فخر تھا انھوں نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اہل دین کا وہ طبقہ بالکلیہ مولانا مودودی سے دور ہو گیا، اور اب جماعت اسلامی صرف کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لوگوں میں سمٹ سمٹا کر رہ گئی اور وہ اپنے خاص فکر و مزاج کی وجہ سے مستقل ایک فرقہ بن گئی جو اپنے بہت سے عقائد و خیالات میں اہلسنت والجماعت سے الگ ہے۔

مولانا مودودی اور ان کی جماعت جس کا نام انھوں نے "جماعت اسلامی" رکھ رکھا ہے اس کا اپنے مسلک، مشرب اور عقائد و خیالات میں اہلسنت والجماعت سے الگ ہونا اب ایک ایسی آشکارا حقیقت ہے جس پر کسی شہادت کی ضرورت نہیں، جماعت اسلامی کی تحریرات اور اس کی کتابیں خود اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

**خلافت و ملوکیت**

یہ ان کے فکر و مزاج کی بدعقیدگی بلکہ صریح لفظوں میں بددینی اور بدطینی کا ایسا نمونہ ہے کہ اسے دیکھ کر بہت سے سنجیدہ مزاج اور خاموش طبیعت علماء بھی اپنی نفرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اس کتاب نے مولانا مودودی کے نہاں خانۂ دل کی حقیقت پوری طرح کھول کر رکھ دی اور ان کے افکار و خیالات کا زیغ و ضلال عالم آشکارا کر دیا۔

اب تک تو عام اسلاف امت، ائمہ دین، محدثین، مفسرین، فقہاء، صوفیاء کرام وغیرہ ہی مولانا مودودی کے ناوکِ قلم کا نشانہ بنتے رہے، لیکن اس کتاب میں براہ راست مولانا مودودی نے امت کے سب سے برگزیدہ طبقہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نشانہ پر رکھا ہے اور ان کی مقدس شخصیت کی نہایت مکروہ تصویر پیش کی ہے اور اسلامی تاریخ کے سب سے روشن عہد کا ایسا چہرہ مسخ کیا ہے جسے دیکھ کر ایک مسلمان اپنے جذبات

پر قابو نہیں پاتا۔

صحابہ کرام جنھوں نے آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف اٹھایا جن کی تربیت درسگاہِ نبوت میں ہوئی جو دین کے حامل ونا قل تھے جو اسوۂ نبی کا پیکر تھے جن کا دین، جن کا ایمان، جن کے تقویٰ، جن کی نزاہت جن کی جانی ومالی قربانی، جن کے اخلاص، جن کے احسان، جن کی دنیا سے بے رغبتی، جن کی دینی غیرت وحمیت، جن کی بلند نفسی، جن کے صدق وصفا، جن کی عزتِ نفس، جن کی عفت وپاکدامنی، جن کی امانت ودیانت کا نمونہ چشم فلک نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور جن کے بارے میں خود مولانا مودودی نے کبھی اس خیال کا اظہار کیا تھا۔

اس پاک ماحول میں پوری جماعت کو اسلامی زندگی کی ایسی تربیت دی گئی کہ اس جماعت کا ہر شخص چلتا پھرتا اسلام بن گیا جسے دیکھ لینا ہی یہ معلوم کرنے کیلئے کافی تھا کہ اسلام کیا ہے اور کس لئے آیا ہے ان پر اللہ کا رنگ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ اتنا گہرا چڑھایا گیا کہ وہ جدھر جاہیں دوسروں کا رنگ قبول کرنے کے بجائے اپنا رنگ دوسروں پر چڑھائیں۔

ان میں کیرکٹر کی اتنی طاقت پیدا کی گئی کہ وہ کسی سے مغلوب نہ ہوں اور جو ان کے مقابلہ میں آئے ان سے مغلوب ہو کر رہ جائے، ان کی رگ رگ میں اسلامی زندگی کا نصب العین اس طرح پیوست کر دیا گیا کہ زندگی کے ہر عمل میں وہ مقدم ہو اور باقی تمام دنیوی اغراض ثانوی درجہ میں ہوں۔

ان کو تعلیم وتربیت دونوں کے ذریعہ سے اس قابل بنا دیا گیا کہ جہاں جائیں زندگی کے اسی پروگرام کو نافذ کرکے چھوڑیں جو قرآن وسنت نے انہیں دیا ہے اور ہر قسم کے بگڑے ہوئے حالات کو منقلب کرکے اسی کے مطابق ڈھال لیں۔ (تنقیحات ص ۲۱۶-۲۱۵)

یہ تحریر مولانا مودودی کی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء کی ہے۔
لیکن ۱۳۸۶ھ میں تقریباً ۲۹ سال کے بعد مولانا مودودی نے صحابہ کرام کی زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے۔

"لیکن ملوکیت کا دوسرا دور شروع ہوتے ہی۔ اس نمونے، کو چھوڑ کر روم، ایران کے بادشاہوں کا نمونہ اختیار کر لیا گیا اس تبدیلی کی ابتدا حضرت معاویہ رضؓ کے زمانے میں ہو چکی تھی بعد میں برابر بڑھتی ہی چلی گئی"

(خلافت و ملوکیت ص ۱۶۱)

"دوسری نمایاں تبدیلی یہ تھی کہ دور ملوکیت کے آغاز سے ہی (یعنی حضرت معاویہؓ کے زمانے سے) بادشاہ قسم کے خلفاء نے قیصر و کسریٰ کا سا طرز زندگی اختیار کر لیا اور اس طریقہ کو چھوڑ دیا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفاء راشدین زندگی بسر کرتے تھے"۔ (ص ۱۶۰ ایضاً)

"لیکن دور ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے اور زبانیں بند کر دی گئیں اور قاعدہ یہ ہو گیا کہ منہ کھولو تو تعریف کیلئے کھولو ورنہ چپ رہو"۔ (ایضاً ۱۶۳)

"اس نئی پالیسی کی ابتدا حضرت معاویہؓ کے زمانے سے ہوئی"۔ (ص ۱۶۴ ایضاً)

"جن معاملات سے اس بادشاہ قسم کے خلفاء کو (مراد حضرت معاویہؓ اور ان کے بعد کے خلفائے بنی امیہ ہیں) سیاسی اسباب یا ذاتی مفاد کی بنا پر دلچسپی ہوتی تھی، ان میں انصاف کرنے کیلئے عدالتیں آزاد نہ رہیں"۔ (ص ۱۶۵ ایضاً)

"ایک اور عظیم تغیر جو اس دور ملوکیت میں رونما ہوا وہ یہ تھا کہ اس میں قوم، نسل، وطن، قبیلہ کی وہ تمام جاہلی عصبیتیں پھر سے ابھر آئیں جنھیں اسلام نے ختم کر کے خدا کا دین قبول کرنے والے تمام انسانوں کو یکساں حقوق کے ساتھ ایک امت بنایا تھا"۔ (ص ۱۶۹ ایضاً)

"لیکن ان بادشاہوں کی سیاست دین کے تابع نہ تھی، اس کے تقاضے وہ

ہر جائز اور ناجائز طریقے سے پورے کرتے تھے اور اس میں معاملہ حرام و حلال کی تمیز روا نہیں رکھتے تھے ..... یہ پالیسی حضرت معاویہؓ کے عہد ہی سے شروع ہو گئی تھی۔ (ایضاً ص ۱۰۲)

دیکھا آپ نے آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ابھی چالیس سال بھی نہیں گذرے ہیں۔ صحابہؓ کا عہد اپنی تابانیوں کے ساتھ موجود ہے لیکن اب اس عہد کے لوگوں کی زندگی کا نقشہ یہ ہو گیا۔

حالانکہ مولانا مودودی صاحب ایک صاحب کا جو "حق گو" کے نام سے کبھی انکار حدیث کا پرچم لے کر میدان میں اترے تھے جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں (۱۹۳۲ء کی تحریر ہے۔

حق گو کا رسالہ اگر کوئی ناواقف مسلمان یا غیر مسلم پڑھے تو یہ اس کے دل میں یہ بات نقش ہو جائے گی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر پچاس برس بھی نہ گذرے تھے کہ مسلمانوں نے رسولِ خدا اور اسلام کے خلاف عام بغاوت کر دی اور وہی لوگ اس بغاوت کے سرغنے ہے جو اسلام کا مذہبی تاریخ میں سب سے نمایاں ہیں اور جنھیں مذہبِ اسلام کا ستون سمجھا جاتا ہے، ان لوگوں کے دل میں ایمان کا شائبہ تک نہ تھا۔ (تفہیمات ص ۴۰۴ ج ۱)

آپ اس عبارت کو بس اتنی تبدیلی کے ساتھ پڑھئے کہ "حق گو صاحب کا رسالہ" کی جگہ "مولانا مودودی کی کتاب" کا جملہ رکھ دیجئے اور دیکھئے بالکل یہی بات مولانا مودودی پر صادق آتی ہے یا نہیں اور یہاں تو ۵۰ سال نہیں صرف ۴۰ سال بلکہ اس سے بھی کم مدت کا مسئلہ ہے حالانکہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک کے دو سو سال بعد تک کم سے کم مسلمانوں کی زندگی اسلامی اخلاق و عادات اور اسلامی جذبہ اور دینداری اور تقویٰ کا نمونہ شریعت اور صاحب شریعت سے لگاؤ کا تعمد مولانا کے نزدیک بقول خود ان کے ضرور ہونا چاہیئے

مولانا مودودی اس حق گو صاحب کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"لیکن جن لوگوں میں انکار حدیث کے لئے ضد پیدا نہیں ہوئی ہے وہ یقیناً

اس بات کو تسلیم کرلیں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست شخصیت اور آپ کی تابناک پیغمبرانہ زندگی اتنی ناقابلِ اعتنا تو نہ تھی کہ مسلمانوں میں کم از کم دو سو برس تک بھی آپ کے حالات معلوم کرنے اور آپ کے ارشادات سننے کا عام شوق نہ رہتا اس سے انکار کرنے کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ قرونِ اولیٰ کے لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اثر نہ تھا اور وہ لوگ بھی آپ کی جانب کوئی توجہ نہ رکھتے تھے جو آپؐ کی رسالت کے قائل ہو چکے تھے۔

منکرینِ حدیث کو اختیار ہے کہ رسول اللہ کی ذات اور ان لوگوں کے متعلق جو آپ کے قریب تر تھے اس سے بھی زیادہ کوئی بری رائے قائم کرلیں مگر ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی مسلمان تو کجا اسلامی تاریخ اور اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرنیوالا منصف مزاج، غیر مسلم بھی اس رائے کو صحیح باور نہ کرے گا۔

(ج ۱ ص ۳۲۰ تفہیمات)

میں کہتا ہوں کہ مولانا مودودی نے اپنی کتاب " خلافت و ملوکیت " میں آنحضورؐ کی وفات سے صرف ۳۰ سال یا اس سے بھی کم مدت کے بعد کا صحابۂ کرام کی زندگی اور عہدِ صحابہؓ کا جو نقشہ پیش کیا ہے کیا مولانا مودودی کی ہی عبارت چند لفظی تبدیلی کے بعد مولانا کے جواب میں نہیں کہی جا سکتی؟

بہرحال مولانا نے جس انداز میں صحابہ کرام کے عہدِ مبارک کا اور خود ان کی زندگی کا اس کتاب میں جو نقشہ پیش کیا ہے اس کو دیکھ کر یہ قطعاً نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا لکھنے والا غالی شیعہ یا بدترین قسم کا دشمن اسلام کے سوا کوئی صحیح العقیدہ مسلمان یا اسلام کا خیرخواہ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر مولانا مودودی کے پیش کردہ صحابۂ کرام اور قرن اول کا یہ نقشہ تسلیم کرلیا جائے تو پھر اسلام کی تاریخ سے بدتر کوئی دوسری تاریخ شاید نہ ہو اور پوری اسلامی تاریخ میں صحابہؓ کی جماعت سے (چند کا استثنا کرکے) بدتر کوئی دوسری جماعت نہ ہو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی ناکامیاب مربی و معلم کا معاذ اللہ تصور بھی نہ ہو سکے۔

اس کتاب کے شائع ہوتے ہی اسلام کے سبھی اسلامی حلقوں کی جانب سے نفرت کا اظہار کیا گیا، اس کے جواب میں متعدد کتابیں لکھی گئیں ۔ ان میں بعض زبان و بیان کے اعتبار سے تیز بھی تھیں اور بعض سنجیدہ بھی، بعض سطحی انداز کی تھیں، بعض محققانہ بھی، بعض میں غصہ اور نفرت کا عنصر زیادہ تھا اور بعض میں اخلاص کا پہلو نمایاں تھا۔

مگر مولانا مودودی ان "منکرین اسلام" اور "متکلمین اسلام" میں سے نہیں تھے جو اپنی کسی غلطی کا اعتراف کرلیں اور اس سے رجوع کرلیں اور اس طرح اپنی دوسری تحقیقات پر آنچ آنے دیں بلکہ ہوا یہ کہ مولانا مودودی کے ہم نوا اہل قلم کا ایک طبقہ جو مولانا کو ہر نقد و تبصرہ سے ارفع سمجھتا ہے اور جو شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو گیا ہے اس نے ان لوگوں کے خلاف جو صحابہ کرام کی عزت و آبرو کو اور اسلام کے صدر اول کے تقدس و احترام کو پامال دیکھ کر صدائے احتجاج بلند کر رہے تھے، معرکہ قائم کر دیا اور قلم و انشا کی پوری طاقت کے ساتھ یہ ثابت کیا جانے لگا کہ مولانا مودودی نے اسلام کے اس دور اول اور صحابہ کرام کی جو تصویر پیش کی ہے وہی صحیح ہے، خود مولانا مودودی نے کبھی اس پر اظہار معذرت نہیں کیا بلکہ اپنی زندگی آخیر سانس تک اسی پر جمے رہے اور اس کتاب پر اعتراض کرنے والوں کو آپ نے یہ جواب دیا :

> "جو تاریخی مواد اس بحث میں پیش کیا گیا ہے وہ تاریخ اسلام کی مستند ترین تاریخوں سے ماخوذ ہے، جتنے واقعات میں نے نقل کئے ہیں ان کے پورے پورے حوالے درج کر دیئے ہیں اور کوئی ایک بات بھی بلا حوالہ بیان نہیں کی ہے اصحاب علم خود ان کتابوں سے مقابلہ کرکے دیکھ سکتے ہیں" (ص ۲۹۹) (۱)

---

(۱) کاش مولانا مودودی یہ بھی بیان فرما دیتے کہ ان کتابوں کی ساری روایتیں بھی مستند ترین ہیں، اور مولانا مودودی نے اپنے اس موضوع یا اس کتاب کی اساس انھیں مستند ترین روایتوں

اور لکھتے ہیں :

"لیکن "الصحابۃ کلھم عدول" کا یہ مطلب نہیں لیتا کہ صحابہؓ بے خطا تھے اور

---

پر رکھی ہے، مولانا کے استدلالات کی بنیاد ان مستند ترین کتابوں کی کس قسم کی روایت پر ہے میں اس کی یہاں صرف ایک مثال پیش کروں گا۔

مولانا نے لکھا ہے :

ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے زمانے میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علیؓ پر سب و شتم کی بوچھار کرتے تھے۔ الخ

مولانا نے اس کیلئے البدایہ، ابن الاثیر اور طبری کا حوالہ دیا ہے، ان میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کتابوں کی کسی بھی روایت میں یہ نہیں ہے کہ حضرت معاویہؓ خود حضرت علیؓ کو گالی دیا کرتے تھے، گالیوں کی بوچھار اور برسرِ منبر گالی دینا تو الگ رہا، دوسرے یہ کہ اس واقعہ کے بیان کرنے والے سارے راوی ناقابلِ اعتبار اور از اول تا آخر شیعہ ہیں مثلاً طبری کی ایک روایت میں پہلا راوی ہشام ابن الکلبی ہے اس کے بارے میں ابن عساکر کا قول ہے رافضی لیس بثقۃ (وہ رافضی ہے ثقہ نہیں ہے) اور اس کے بارے میں ابن ابی یعقوب جرجی فرماتے ہیں کہ راویۃ للمثالب غایۃ (انتہا درجہ کی مثالب روایت کرتے ہیں)

دوسرا راوی ابو مخنف لوط بن یحیٰی ہے اس کے بارے میں حافظ ابن عدی فرماتے ہیں۔ شیعی محترق صاحب اخبارھم جلا بھنا شیعہ ہے اور انھیں کی روایت کا ذکر کرتا ہے۔

تیسرا راوی مجالد بن سعید ہے اس کے ضعیف ہونے پر تمام ائمہ حدیث کا اتفاق ہے اور اس کے بارے میں شیخ کا قول ہے کہ یہ شیعہ ہے۔

چوتھا راوی فضیل بن خدیج ہے، اس کے بارے میں حافظ ذہبی اور ابن حجر فرماتے ہیں کہ وہ مجہول ہے معلوم نہیں کہ وہ کون ہے (اس سلسلہ کی آپ پوری بحث "حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق" میں دیکھ لیں)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان میں کا ہر ایک ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے بالاتر تھا اور ان میں سے کسی نے بھی کوئی غلطی نہیں کی ، (ص ۳۰۲)

بلکہ مولانا کو تو اپنی بات پر اس درجہ اصرار ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جو پیش کر دیا وہ اگرچہ مجروح اور ضعیف راویوں کی روایات سے ہی کیوں نہ ہو اسے آنکھیں بند کر کے بغیر راویوں کی جانچ پڑتال کے قبول ہی کر لو فرماتے ہیں ۔

اس لئے کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ ابن سعد ، ابن عبدالبر ، ابن کثیر ، ابن جریر ابن اثیر ، ابن حجر اور ان جیسے دوسرے ثقہ علماء نے اپنی کتابوں میں جو حالات مجروح راویوں کے نقل کئے ہیں انھیں رد کر دیا جائے یا جو باتیں ضعیف اور منقطع سندوں سے لی ہیں یا بلا سند بیان کی ہیں ان کے متعلق یہ رائے قائم کر لی جائے کہ وہ بالکل بے سر و پا ہیں محض گپ ہیں اور انھیں بس اٹھا کر پھینک ہی دینا چاہئے ۔ (ص ۳۱۹)

دیکھا آپ نے مولانا کی ضد اور ان کا اصرار اپنی بات کو منوانے کیلئے یعنی صحابہ کرام کی ذات پر کتنا گندہ بھی الزام عائد نہ ہوتا ہو اس کی پرواہ نہ کرو اور ہم نے جو حالات ان کے بارے میں نقل کئے ہیں اسے قبول کر لو خواہ ان حالات کا روایت کرنے والا ضعیف اور مجروح ہی کیوں نہ ہو ۔

---

(بقیہ حاشیہ) دیکھا آپ نے حضرت معاویہؓ اور ان کے گورنروں پر جن میں حضرت مغیرہ بن شعبہ جیسے صحابیٔ رسول بھی ہیں ، اتنا گھناؤنا اور اتنا بڑا الزام ! لیکن اس الزام کی اساس جس روایت پر ہمارے مولانا مودودی صاحب نے رکھی ہے اس کی حقیقت وہ ہے جو ابھی آپ کے سامنے گذری ۔

اس سے اندازہ لگا لیجیے کہ مولانا مودودی نے اس خاص اور اہم اور نازک ترین موضوع کیلئے ان مستند ترین روایتوں میں سے کیسی کیسی روایتیں چنی ہیں ، " قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا "

ابن اثیر نے اس روایت کو ابن جریر سے لیا ہے اور البدایہ کا مدار بھی تاریخ ابن جریر ہی پر ہے ۔

واقعہ یہ ہے کہ جب آدمی ضد اور ہٹ پر آجائے تو اس کے منہ سے سب کچھ نکل سکتا ہے اور وہ پستی کی آخری حد تک جا سکتا ہے ۔

مولانا ان لوگوں کے خلاف بڑا غیظ رکھتے ہیں جو ان کی بات جوں کی توں تو نہیں قبول کر لیتے ہیں بلکہ وہ اس بات کی تحقیق بھی کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا کی یہ بات تحقیق و استناد کے کس درجہ پر ہے اور جس ماخذ سے وہ بات لی گئی ہے اس کی حقیقت کیا ہے چنانچہ بڑے غصہ کے عالم میں ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"بعض حضرات تاریخی واقعات کو جانچنے کے لئے اسماء الرجال کی کتابیں کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں فلاں راویوں کو ائمہ رجال نے مجروح قرار دیا ہے اور فلاں راوی جس وقت کا یہ واقعہ بیان کرتا ہے اس وقت وہ بچہ تھا یا پیدا ہی نہیں ہوا تھا اور فلاں راوی ایک روایت جس کے حوالے سے وہ بیان کرتا ہے اس سے تو وہ ملا ہی نہیں" (ص ۳۱۱)

مولانا کی عبارت اس بات کا کھلا ہوا اعلان ہے کہ تاریخی روایات کی جانچ پڑتال کی کوئی ضرورت نہیں ان کو جوں کا توں قبول کر لینا ہی ضروری ہے بلکہ اس سلسلہ میں تو مولانا اتنے آگے جا چکے ہیں کہ درایت کا اصول بھی انھیں اس باب میں استعمال کرنا گوارا نہیں بلکہ کلیۃً اعتماد صرف انھیں تاریخی روایتوں پر ہونا چاہئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"بعض حضرات اس معاملہ میں یہ نرالا قاعدہ کلیہ پیش کرتے ہیں کہ ہم صحابۂ کرام کے بارے میں صرف وہی روایات قبول کریں گے جو ان کی شان کے مطابق ہوں" (ص ۳۰۵ خلافت وملوکیت)

(جاری)

---

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

# انبیاء علیہم السلام سے توسل
# اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب کا صحیح حدیث کیخلاف فیصلہ

حضرات انبیاء علیہم السلام اور صلحائے امت سے توسل جائز ہے کہ نہیں؟ تو اہلسنت والجماعت کے نزدیک ان سے بلاشبہ توسل جائز ہے، زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی، اور دور حاضر کے سلفیین یا غیر مقلدین کے نزدیک مردوں سے توسل حاصل کرنا حرام ہے۔ نہ انبیاء سے جائز اور نہ غیر انبیاء سے جائز، البتہ غیر مقلدین کے اکابر علماء میں سے بعض حضرات کے نزدیک انبیاء و غیر انبیاء، مردوں اور زندوں سب سے جائز ہے۔ نزل الابرار میں وحید الزماں نے اس کو بہت واضح طریقہ سے لکھا ہے، فرماتے ہیں:

التوسل الی اللہ تعالیٰ بانبیائہ والصالحین من عبادہ جائز ویستوی فیہ الاحیاء والاموات (ص ۳ ج ۱) یعنی اللہ کی طرف انبیاء اور صالحین سے توسل کرنا جائز ہے اور اس میں زندے اور مردے برابر ہیں۔

التاج المکلل میں نواب صدیق حسن خاں صاحب نے ابن عربی کی جماعت کے ساتھ روز قیامت محشور ہونے کے لئے آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے توسل کیا ہے، ان کی عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اللہ ابن عربی کو ہماری طرف سے اور سارے مسلمانوں کی طرف سے بدلہ دے، ان کے انوار کا ہم پر فیضان کرے، اور ان کے اسرار کا لباس ہمیں بھی پہنائے، اور ان کی محبت کی شراب ہم کو پلائے اور ہمارا حشر ان کے مریدوں کے ساتھ کرے، سید الانبیاء وخاتم المرسلین

صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ کے طفیل۔ (ترجمہ ابن عربی)

اور شوکانی کے بارے میں تو خود مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب نے لکھا ہے، کہ توسل کے جواز کے قائل تھے، فرماتے ہیں:

قال الشوکانی فی تحفۃ الزائرین وفی الحدیث دلیل علیٰ جواز التوسل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اللہ عزوجل

یعنی حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل جائز ہے۔

زہرم میں اس موضوع پر بار بار لکھا جا چکا ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ ایک اندھا آدمی رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس بیماری سے شفا دے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم چاہو تو صبر کرو اور صبر کرنا زیادہ بہتر ہے اور چاہو تو میں تمہارے لئے دعا کروں، اس نے کہا کہ آپ میرے لئے دعا فرما دیں۔ مجھے اس اندھے پن سے نجات ملے، تو آپ نے کہا کہ اچھی طرح وضو کرو اور یہ دعا کرو۔

اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعہ فی، یعنی اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر کے جو کہ رحمت والے نبی ہیں میں نے اے نبی آپ کو وسیلہ بنا کر اپنے رب کی طرف توجہ کی اپنی اس حاجت کے بارے میں تاکہ وہ حاجت میری پوری ہو، اے اللہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے بارے میں شفیع بنا دے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ھذا حدیث حسن صحیح غریب، یعنی یہ حدیث حسن صحیح

غریب ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن اور صحیح قرار دیا ہے، یعنی اس کی سند بالکل صحیح ہے، البتہ چونکہ یہ حدیث کسی دوسری سند سے مروی نہیں ہے اس وجہ سے یہ ان کے نزدیک غریب بھی ہے۔

شوکانی نے اس حدیث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرنے پر استدلال کیا ہے، امام نسائی نے بھی اس حدیث کو اپنی سنن میں ذکر کیا ہے، حاکم نے اس کو علی شرط الشیخین کہا ہے۔

طبرانی نے مختلف سندوں سے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی ضرورت سے جاتا تھا لیکن حضرت عثمان اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے، تو اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات کر کے اس کی شکایت کی تو حضرت عثمان بن حنیف نے کہا کہ جاؤ وضو کر و پھر دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کرو — اللّٰھم انی اسئلك واتوجہ الیك بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بك ربی فیقضی حاجتی وتذکر حاجتك۔

اس آدمی نے اسی طرح کیا پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انھوں نے اس کا بہت اکرام کیا اور اس کی ضرورت کو پوری کر دیا، اس آدمی نے آکر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے سارا قصہ سنایا اور ان کا شکریہ ادا کیا، تو انھوں نے کہا کہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا ہے، میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ کی خدمت میں ایک اندھا آدمی آیا تھا اور اس نے آپ سے اپنے اندھے ہونے کی شکایت کی تھی تو آپ نے اس کو یہی دعا بتلائی تھی، پھر اس کی آنکھ ایسی ٹھیک ہو گئی جیسا کہ اسے کوئی شکایت تھی ہی نہیں۔

امام طبرانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، ترمذی والی حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کی ذاتِ پاک کو وسیلہ بنانے کا ذکر ہے اور طبرانی والی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ پاک کے بعد یعنی جب آپ کا انتقال ہو چکا اس کے بعد

وسیلہ بنانے کا ذکر ہے، آپ کی ذات پاک کو وسیلہ بنا کر دعا کرنے کا حکم خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں، اور صحابہ کرام آپ کی ذات پاک کو زندگی میں اور آپ کی اس دنیاوی زندگی کے بعد اپنی دعا میں وسیلہ بنا رہے ہیں، جمہور اہلسنت اس کے قائل ہیں، مگر مبارکپوری صاحب کو اس بارے میں نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث پسند آئی اور نہ صحابہ کرام کا عمل پسند آیا، اور نہ شوکانی کی تقلید کرنے کو جی چاہا، اور نہ جمہور اہل سنت کے ساتھ چلنا ان کی آنکھ کی ٹھنڈک بنا، ان سب کے خلاف شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تقلید میں وہ گویا ہوتے ہیں ۔

قلت الحق عندی اما التوسل بہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد مماتہ وکذلک التوسل بغیرہ من اھل الخیر والصلاح بعد مماتھم فلا یجوز

(ج ۴ ص ۲۸۳)

یعنی میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے مرنے کے بعد توسل کرنا اور ایسے ہی دوسرے بزرگان دین سے ان کے مرنے کے بعد توسل کرنا جائز نہیں ہے ۔

اور لطف یہ ہے کہ اس عدم جواز کی کوئی صحیح حدیث مبارکپوری صاحب نے نہیں پیش کی سوائے ظنون فاسدہ کے مبارکپوری صاحب کے پاس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے عدم توسل کی کوئی دلیل نہیں ہے، ابن تیمیہ کی بکواس ہی اس بارے میں ان کی دلیل راہ ہے ۔

صحابہ کرام کے عمل پر عدم جواز کا فتویٰ لگانے سے پہلے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو ٹھکرانے سے پہلے مبارکپوری صاحب اور ان کے ہم نواؤں کو اپنا انجام سوچ لینا چاہئے تھا ۔

محمد اجمل مفتاحی

ڈاکٹر شیرازی

# خمارِ سلفیت

## احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح مخالفت

بیٹا - ابا جی

باپ - جی بیٹا

بیٹا - شیخ کلو اور شیخ جن حفظہما اللہ کئی روز سے ہمارے جامعہ کا چکر لگا رہے ہیں مگر کوئی مولوی ان سے بات نہیں کرتا، اور یہ دونوں مایوس ہو کر واپس آ جاتے ہیں، کل شیخ کلو کہہ رہے تھے کہ اس جماعت اہلحدیث سے ہماری طبیعت مکدر ہو گئی ہے، اگر اس ماہ کا وظیفہ نہیں ملا تو میں دوبارہ حنفی ہو جاؤں گا۔

باپ - بیٹا، وہ میرے پاس بھی آئے تھے، اور ان کا مسئلہ ہی ایسا ٹیڑھا ہے کہ ہمارے مولوی صاحب لوگ ان کی شکل دیکھ کر ہی اپنے کمروں میں کیسو ہو جاتے ہیں، ان سے بات کرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہو پا رہی ہے۔

بیٹا - ابا جی ان کا مسئلہ کیا ہے ؟

باپ - بخاری شریف، ترمذی شریف اور احادیث کی دوسری کتابوں میں آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زانیہ کی کمائی استعمال کرنے سے منع کیا ہے، اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ مہر البغی خبیث

خبیث، یعنی زانیہ نے زنا سے جو کمایا ہے وہ مال خبیث ہے۔

اب ان احادیث کے مقابلہ میں ہمارے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی کے استاذ مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری نے ایک رسالہ زانیہ کی کمائی کے جواز پر لکھا ہے، تو شیخ جن اور شیخ کلو جامعہ کے مولاناؤں سے ان کا خلاصہ کرانا چاہتے ہیں کہ ہم لوگ تو اہلحدیث ہیں، ہمارے اتنے بڑے محدث نے آنحضورؐ کے ارشادات کے مقابلہ میں رسالہ کیوں لکھا اور جس چیز کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام اور خبیث قرار دیا تھا اس کے جواز کا فتویٰ کیوں دیا؟

بیٹا ۔ اباجی ہمارے محدث غازی پوری صاحب نے اپنے فتویٰ میں قرآن وحدیث سے دلائل تو ذکر کئے ہوں گے؟

باپ ۔ ضرور بیٹا ضرور یقیناً انھوں نے ذکر کیا ہوگا،

بیٹا ۔ اباجی تو ہمارے جامعہ کے مولانا لوگ اس کا خلاصہ کیوں نہیں کرتے، ہمارے دو آدمی ہماری جماعت سے بددل ہو رہے ہیں۔

باپ ۔ جی بیٹا، بڑا اہم مسئلہ ہے مگر کوئی سامنے نہیں آتا۔

بیٹا ۔ سامنے نہ آنے کی کوئی خاص وجہ ہے اباجی۔

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

## مشہور غیر مقلد عالم حافظ عبداللہ محدث غازیپوری نے زانیہ کی کمائی کے جواز پر رسالہ لکھا

بیٹا، اباجی

باپ، جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی وہ جو جماعت کی مسجد بن رہی تھی اس کا کام رک گیا ہے۔

باپ ۔ جی بیٹا، خرچ اندازہ سے زیادہ ہو رہا ہے، چندہ ابھی تک پچاس ہزار

ہوا ہے اور خرچ ستر ہزار سے آگے جا رہا ہے، اس وجہ سے کام رک گیا ہے۔

بیٹا - اباجی مگر شیخ جمن حفظہ اللہ تو کہہ رہے تھے کہ جماعت والے فکر نہ کریں وہ اس کیلئے ایک بڑی رقم لائیں گے۔

باپ - جی بیٹا، انھوں نے رقم کا انتظام تو کر دیا تھا مگر جماعت والوں نے اس رقم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

بیٹا - کیوں اباجی، ان کی رقم کو قبول کرنے سے جماعت والوں نے انکار کیوں کر دیا۔

باپ - بیٹا اس مسجد میں حنفیوں کی بھی ایک بڑی تعداد نماز پڑھتی ہے، ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ شیخ جمن یہ رقم بتولن کوٹھا والی کے پاس سے لائے ہیں، حنفی مصلیوں نے کہا کہ اگر اس رقم کا ایک پیسہ بھی مسجد میں لگا تو وہ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھیں گے کسی کوٹھا والی کی رقم کا مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے۔

بیٹا - اباجی بتولن کوٹھا والی کی یہ رقم تو اس کے ناجائز فعل سے حاصل ہوئی ہے، شیخ جمن نے اس کی رقم کو مسجد جیسی پاک جگہ کی تعمیر کے لئے قبول ہی کیوں کیا؟

باپ - بیٹا شیخ جمن کہتے ہیں کہ اس بازاری و زانیہ عورت کی فعل حرام سے کمائی ہوئی دولت جائز ہے، اس کا استعمال مسجد میں کیا جا سکتا ہے۔

بیٹا - اباجی، آخر شیخ جمن نے اتنی بڑی بات اپنے منہ سے نکالی کیسے، کیا ان کے پاس ہمارے علماء میں سے کسی کے قول کی اس بارے میں سند ہے یا ہمارے علماء میں سے کسی کا اس بارے میں فتویٰ ہے۔

باپ - بیٹا شیخ جمن ہوائی اڑانے والوں میں سے نہیں ہیں، بڑے ذمہ دار قسم کے ہماری جماعت کے مشہور حفظہ اللہ ہیں ان کے پاس اس بارے میں ہماری جماعت کے بہت بڑے عالم بہت بڑے محدث حافظ عبداللہ غازی پوری صاحب کا فتویٰ ہے حافظ صاحب نے دلائل سے زانیہ کے فعل حرام سے کمائی کو جائز ثابت کیا ہے، ان کے اس رسالہ کا نام ہے فتویٰ مال زانیہ بعد توبہ، ۱۰۲ صفحات کا یہ رسالہ ہے،

جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات کتاب میں جو جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہوئی ہے اس کا دوسرا ایڈیشن دیکھو اس کے ص ۳۰۹ پر اس رسالہ کا تعارف موجود ہے۔

بیٹا۔ اباجی، بخاری شریف میں تو صاف ہے کہ زانیہ کا مال حرام ہے اور احادیث میں اسکو خبیث کہا گیا ہے، حافظ صاحب نے اسکو جائز کیسے قرار دیا۔

باپ۔ بیٹا حافظ صاحب بہت بڑے محدث تھے، انھوں نے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا ہوگا۔

بیٹا۔ اباجی، زانیہ کے حرام کاری والے مال کو جائز قرار دینے کی کوئی خاص وجہ حافظ صاحب محدث غازی پوری کو پیش آگئی تھی۔

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

## شیخ کلو کے بیس سالہ نوجوان لڑکے نے چاندی کا زیور پہنا

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی آج تو بازار میں بڑا تماشا ہوا

باپ۔ کیا ہوا بیٹا۔

بیٹا۔ اباجی شیخ کلو کا اکلوتا بیٹا منا جو بیس برس کا ہوگیا ہے بازار میں کان میں بالی اور ناک میں نتھیا پہن کر گھوم رہا تھا۔ لڑکوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا، بڑا مجمع لگ گیا تھا، مگر منا پر کوئی اثر نہیں تھا وہ کہہ رہا تھا کہ بالی اور نتھیا خود اس کے ابا نے اس کو پہنایا ہے۔

باپ۔ بیٹا کل شیخ کلو میرے پاس نواب صاحب کی دو صفحہ والی ایک ضخیم تصنیف لیکر آئے تھے، اس کا نام تھا۔ فض الفضۃ فی حکم التحلی بالفضۃ، نواب صاحب نے کتاب وسنت کی روشنی میں اس رسالہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ جوان مردوں کو چاندی

کا زیور پہننا جائز ہے۔ کلو کو نواب صاحب سے گہری عقیدت ہے، انھوں نے ان کی تحقیق پر عمل کیا ہے، ان کا لڑکا جو چاندی کا زیور پہن رہا ہے وہ خلاف سنت نہیں ہے، یہ شیخ کلو کے جرأت کی بات ہے کہ انھوں نے ایک مردہ سنت کو زندہ کردیا ہے، وہ سو شہید کا ثواب پائیں گے۔

ہمارے مولانا صادق سیالکوٹی صاحب نے صلوٰۃ الرسول کتاب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ من احییٰ سنتی فلہ مأۃ اجر شہید یعنی جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس کو سو شہید کا ثواب ملے گا۔

بیٹا۔ اباجی اسلاف میں سے کس کس بزرگوں نے چاندی کا زیور پہنا ہے۔

باپ۔ بیٹا، یہ تو معلوم نہیں ہے، مگر ہم لوگ کتاب وسنت والے ہیں، سلف کیا کرتے ہیں اس کو نہیں دیکھتے، ہم لوگ تقلیدی ذہنیت والے نہیں ہیں، سلف کی تقلید مقلدین کرتے ہیں ہم لوگ نہیں۔

بیٹا۔ اباجی زیور تو عورتوں کی زینت ہے، تو کیا نواب صاحب چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت کے نوجوان عورت یا مخنث بن جائیں۔

باپ۔ بیٹا، خاں صاحب کی بات کتاب وسنت کی روشنی میں ہے، اس کا مذاق مت اڑاؤ خاں صاحب مجدد امت تھے، ان کی بات بڑی تحقیقی ہوتی ہے۔

بیٹا۔ اباجی تو کتاب وسنت والی اس تصنیف کو ہمارے جامعہ کا ادارۂ تالیف شائع کیوں نہیں کرتا۔

باپ۔ بیٹا، ہمارے ادارہ سے یہ کتاب ضرور شائع ہونا چاہئے۔

بیٹا۔ تو اباجی ہمارا جامعہ شائع کیوں نہیں کرتا۔

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

# شیخ جمن کی تحقیق
# فقہ کا علم رکھنے والے لوگ جاہل ہیں

بیٹا۔ اباجی۔

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی رات شیخ جمن حفظہ اللہ کی چوپال میں تقریر تھی، زبردست مجمع تھا، بیس بائیس سے کم لوگ نہیں رہے ہوں گے، شیخ جمن حفظہ اللہ نے بڑی زوردار تقریر کی، پورا مجمع گوش برآواز تھا۔

باپ۔ بیٹا، میں نے پرسوں رات دیکھا تھا کہ وہ اپنی چھت پر بیٹھ کر زور زور سے ہوں ہاں کر رہے تھے غالباً اسی تقریر کی مشق کر رہے تھے، ان کی تقریر کا عنوان کیا تھا۔

بیٹا۔ اباجی عنوان بڑا زوردار تھا، یعنی وہ لوگ جو فقہ کا علم رکھتے ہیں وہ جاہل ہیں۔ بالکل نیا عنوان، اچھوتا عنوان، شیخ جمن تقریر کر رہے تھے اور لوگ جھوم رہے تھے اور کسی کتاب کی عبارت بھی پڑھ رہے تھے۔

باپ۔ اچھا اچھا میں سمجھ گیا، انہوں نے جامعہ سلفیہ کی لائبریری سے نواب صدیق حسن خاں صاحب کی ایک نایاب کتاب نکلوائی تھی، اس کتاب کا نام ہے "فتح الباب لعقائد اولی الالباب" اردو میں یہ نواب صاحب کی کتاب ہے، جو ایک مقدمہ اور آٹھ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ نواب صاحب نے اس کتاب میں یہ بتلایا ہے کہ قرآن وحدیث کے علم رکھنے والے اور فقہ کا علم رکھنے والوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ علمائے مجتہدین نے فقہ کا علم رکھنے والوں کو جاہلوں میں شمار کیا ہے۔

بیٹا۔ اباجی شیخ جمن نے اسی کتاب سے اپنی تقریر کا مواد مہیا کیا ہوگا، ان کے ہاتھ میں یقیناً نواب صاحب کی یہی کتاب رہی ہوگی، مضمون کی ندرت نے تقریر کا رنگ بدل دیا تھا آسمان پر کالے کالے بادل چھا گئے تھے۔

بیٹا۔ اباجی بخاری شریف میں ایک روایت ہے من اراد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین[1]
اس کا کیا مطلب ہے؟

باپ۔ بیٹا، ہوگا اس کا کچھ مطلب، میرا ذہن اس وقت کام نہیں کر رہا ہے۔

بیٹا۔ اباجی نواب صاحب کا ذہن بھی کام نہیں کر رہا تھا، یا ان کو اس حدیث کا علم ہی نہیں تھا۔

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

## نواب صاحب کی ایک کتاب کے بارے میں شیخ کلو اور شیخ جمن میں نوک جھونک

بیٹا، اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی آج شیخ کلو حفظہ اللہ اور شیخ جمن حفظہ اللہ میں بڑی نوک جھونک ہوئی ہے شیخ ہدہد حفظہ اللہ نے بیچ میں پڑ کر ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا۔

باپ۔ بات کیا تھی بیٹا،

بیٹا۔ اباجی شیخ کلو حفظہ اللہ کو مجدد سلفیت نواب صاحب بھوپالی سے بڑی عقیدت ہے۔ شیخ جمن نے ان کی اس کتاب کے بارے میں جس میں نواب صاحب نے فقہ کا علم رکھنے والے کو جاہل کہا ہے کچھ تیکھا تبصرہ کر دیا تھا، بس اسی پر شیخ کلو حفظہ اللہ بگڑ گئے اور دونوں میں خوب نوک جھونک ہوئی۔

باپ۔ شیخ جمن حفظہ اللہ پڑھے لکھے آدمی ہیں انھوں نے کوئی معقول ہی بات کہی ہوگی، انھوں نے کیا کہا تھا۔

بیٹا۔ اباجی انھوں نے کوئی خاص بات نہیں کہی تھی صرف اتنا کہا تھا کہ نواب صاحب نے فقہ کا علم رکھنے والے کو جو جاہل کہا ہے، انھوں نے یہ بات حالتِ غنودگی میں کہی ہوگی، عقل

---

(۱) اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسکو دین کا فقہ عطا کر دیتا ہے۔

وہوش کی حالت میں کسی پڑھے لکھے سے یہ بات صادر نہیں ہوسکتی ہے ۔

باپ ۔ بیٹا بات تو ان کی نہایت معقول ہے، نواب صاحب فقہ کا علم رکھنے والے کو جاہل کہہ رہے ہیں، یعنی ایک ہی ذات میں علم اور جہل دونوں کو ثابت کر رہے ہیں یہ تو اجتماع ضدین ہے، جو عالم ہوگا وہ جاہل نہیں ہوگا جو جاہل ہوگا وہ عالم نہیں ہوگا ۔

بیٹا ۔ اباجی نواب صاحب کا مطلب یہ ہوگا کہ اہل علم قرآن اور حدیث ہے، فقہ اصل علم نہیں ہے، اس لئے فقہ کا جاننے والا عالم نہیں ہوسکتا ۔

باپ ۔ اگر نواب صاحب نے یہ بات کہی ہوگی تو بالکل بکواس ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ ولیتفقھوا فی الدین جب فقہ حاصل کرنے کا خدائی امر و ارشاد ہے تو فقہ عین علم ہوا، دیکھو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہاء حدیث کے معنی کو محدثین سے زیادہ جانتے ہیں، تو شریعت کے علم میں ڈوبے ہوئے تو فقہ والے ہی ہوتے ہیں، ان کو جاہل کہنا نہایت درجہ بدعقلی اور جہالت ہے ۔

بیٹا ۔ تو اباجی نواب صاحب کا یہ ارشاد ہے کہ فقہ والے جاہل ہوتے ہیں، حالت غنودگی میں صادر ہوا ہے ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

## غیر مقلدین کے یہاں مہذب جنٹلمین اور عباد الرحمٰن ہم معنیٰ ہیں

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی، عباد الرحمٰن کون لوگ ہوتے ہیں، ان کی صفات کیا ہیں ۔

باپ ۔ بیٹا، عباد الرحمٰن کا مفصل تذکرہ اور ان کی صفات کا بیان قرآن میں موجود ہے ۔ سورہ الفرقان کا آخری رکوع دیکھو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

عباد الرحمٰن وہ لوگ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان کو مخاطب بناتے ہیں تو کہتے ہیں کہ سلام ہے، اور یہ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ جو اپنے رب کے سامنے سجدہ اور رکوع کرتے ہوئے رات گذارتے ہیں، وہ اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب دور کر دیجئے، بیشک جہنم کا عذاب بہت چمٹنے والا ہے، وہ جائے قرار اور مقام دونوں کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے۔

نیز ان کی صفت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ خرچ میں اسراف اور بخل نہیں کرتے ہیں، ان کا خرچ درمیانی ہوتا ہے، وہ غیر اللہ کو نہیں پکارتے، وہ ناحق قتل نہیں کرتے، وہ زنا نہیں کرتے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی صفات قرآن نے اس رکوع میں عباد الرحمٰن کی گنائی ہیں۔

بیٹا۔ اور اباجی مہذب جنٹلمین کون لوگ ہوتے ہیں؟

باپ۔ بیٹا، یہ انگریزی کا لفظ ہے، پڑھے لکھے انگریزی داں طبقہ کو لوگ مہذب جنٹلمین کہتے ہیں۔

بیٹا۔ اباجی ہمارے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب نے ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام تہذیب ہے، سولہ صفحات کا یہ رسالہ ان کی بہترین تصنیف ہے، اس کا ذکر علمائے اہلحدیث کی تصنیفی خدمات کے صـ ۳۴۵ پر ہے، اس رسالہ کے تعارف میں لکھا گیا ہے۔ اس رسالہ میں تہذیب اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ مہذب وجنٹلمین اور عباد الرحمٰن ہم معنی ہیں، شرٹ پتلون پہننے والا اور ڈاڑھی صاف کرنے والا حقیقتاً جنٹلمین نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو اباجی یہ ہوا کہ جو بھی ڈاڑھی رکھ لے اور شرٹ پتلون نہ پہنے وہ عباد الرحمٰن ہے۔

شیخ کلو کہہ رہے تھے کہ شیخ الاسلام صاحب عیسائی پادریوں کی رعایت میں عباد الرحمٰن کو مہذب جنٹلمین کے ہم معنی قرار دیتے ہیں۔

باپ۔ بیٹا، ہمارے علماء کب کیا کہہ دیں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ شیخ الاسلام صاحب کے اس رسالہ کا ذکر گول کر جاؤ کسی کو اس کا پتہ نہ چلے، اس طرح کی باتوں سے

بقیہ صـ ۴۳ پر

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

آخری قسط

# برطانیہ کا سفر

۶ر اگست ۔ آج صبح کا ناشتہ خاں صاحب کے بھائی، بھائی صدیق کے ساتھ نیئی ٹن کی مسجد میں ہوا، پھر خاں صاحب سے ملاقات کیلئے حاضری ان کے دولت کدہ پر دی اور آج ان سے آخری سلام ومصافحہ ہوا، خاں صاحب ابھی تک صاحب فراش ہی تھے، ان کو افسوس تھا کہ وہ میرے ساتھ آخری پروگرام میں شریک نہیں ہوئے، محبت سے انھوں نے آئندہ دوبارہ ملاقات کی امید کے ساتھ رخصت کیا، خاں صاحب اپنے پھوڑے سے ایسے نڈھال اور اٹھنے سے معذور تھے کہ ان سے معانقہ نہیں ہوسکا، آج ہم لوگوں کو لندن روانہ ہونا تھا، ہم نیئی ٹن سے ٹھیک گیارہ بجے روانہ ہوئے، ہمارا یہ سفر لندن تک پرائیویٹ ٹیکسی میں ہوا جو بہت آرام دہ تھی، ڈرائیور پاکستانی تھا اور بات چیت سے سنجیدہ معلوم ہوتا تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو ٹیکسی چلانے میں یہاں کیا دقتیں پیش آتی ہیں، اس نے اس کا جواب جو دیا تھا اس سے لندن کے آزاد اور بگڑے ہوئے معاشرہ کا اندازہ ہوتا ہے، اس نے کہا کہ سب سے زیادہ پریشانی کسی تنہا لڑکی کو لے کر رات میں اس کے گھر آنے کی ہوتی ہے، بعض دفعہ لڑکیاں سامنے رکھوانے کے بہانے اندر بلا لیتی ہیں اور پھر دروازہ بند کر لیتی ہیں اور ڈرائیور کو اگر وہ جوان اور تندرست وتوانا ہے تو اپنے ساتھ حرام کاری کرانے پر مجبور کرتی ہیں، اگر انکار کرو تو پولس کے بلانے کی دھمکی دیتی ہیں اور

کہتی ہیں کہ اگر تم نے انکار کیا تو میں پولس کو فون کر دوں گی کہ یہ ڈرائیور میرے گھر میں گھس کر مجھے پریشان کر رہا تھا، پولس اس طرح کے موقع پر صرف عورتوں کی سنتی ہے اور اس کی سزا بڑی سخت ہے۔

یہاں کی ٹیکسی میں ایک ساتھ چار آدمی سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتے جبکہ گنجائش اس سے زیادہ کی ہوتی ہے، چار آدمی بڑی فراغت سے بیٹھتے ہیں اور راستہ میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے، میرے ساتھ میرے رفیق سفر صرف مولوی اسماعیل سلمہ تھے اس لئے ہم نے بڑے آرام سے اور پاؤں پھیلا کر لندن تک کا سفر کیا، ڈھائی گھنٹہ میں یہ سفر تمام ہوا، ٹیکسی والے نے کرایہ کیا لیا یہ مجھے معلوم نہیں ہو سکا، لندن جب ہم پہونچے تو دوپہر کا وقت تھا، فوراً ظہر کی نماز ادا کی گئی، میں کھانا کھا کر آرام کیلئے اپنے کمرہ میں چلا گیا، اور عصر تک سویا۔

آج میرا پروگرام بعد مغرب لندن کے آخری کنارہ پر ایک مقام COKYDON ہے وہاں تھا، یہ پروگرام مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب نے بنایا تھا جہاں میرا قیام تھا اس جگہ سے کوری ڈون ایک گھنٹہ کی مسافت پر ہے، عصر بعد ہمیں لینے دو صاحب وہاں سے تشریف لائے، ایک صاحب کا نام یحییٰ تھا، اور دوسرے صاحب کا نام اسماعیل تھا، یحییٰ صاحب علمی ذوق کے مالک ہیں، انگریزی پر اچھی قدرت ہے، بڑے فعال اور متحرک آدمی ہیں۔

اسماعیل صاحب لسٹر میں میرے پروگرام میں شریک ہو چکے تھے، جس مسجد میں مجھے تقریر کرنی تھی اس کے مصلیوں میں ایک اچھی خاصی تعداد غیر مقلدین کی بھی تھی، غالباً مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے میرا پروگرام اس مسجد میں رکھا تھا، مسجد اپنی وسعت اور خوب صورتی میں بھی قابل لحاظ تھی، مغرب بعد سے عشاء تک سوا گھنٹہ کے قریب میرا بیان ہوا، الحمدللہ یہ بیان بہت مؤثر تھا، غیر مقلدین حضرات نے بھی بڑے سکون سے یہ بیان سنا اور سوال وجواب کے موقع پر

اس کی طرف سے کوئی سوال نہیں ہوا ، بیان سے فراغت کے بعد کھانا کھایا گیا، لندن اپنے مستقر کے لئے واپس ہوتے ہوتے ساڑھے دس سے زیادہ ہوگئے، واپسی میں ایک جگہ بہت سے کالے ہڑبونگ کرتے ہوئے نظر آئے ، یہ جگہ کالوں کی بستی تھی، جہاں کالوں کی اکثریت ہو وہاں وحشی پنا اور ہڑبونگ ہونا عام بات ہے، کبھی کبھی یہ کالے مسافروں پر حملہ بھی کر دیتے ہیں اور ان کا سامان لوٹ لیتے ہیں، کالوں میں مجرمین اور لٹیروں کی تعداد بہت زیادہ ہے، ان کی زندگی کا کوئی مربوط نظام نہیں ہے، حیوانوں سے بدتر زندگی گذارتے ہیں۔

کوری ڈن میں مغرب سے پہلے کی مجلس میں مولانا منور سورتی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی ، وہ لندن میں عرصہ سے رہتے ہیں اور ایک مسجد کے امام اور خطیب ہیں، ان کا خطبہ علمی رنگ کا ہوتا ہے۔ اصلاحی پہلو پر زور دیتے ہیں، ان کے خطبات کی کئی جلدیں چھپ بھی چکی ہیں۔ مولانا منور سورتی صاحب بڑے خلیق، نرم مزاج اور شگفتہ طبیعت کے مالک ہیں، انھوں نے بڑے اصرار سے واپسی پر اپنے یہاں چلنے کیلئے دعوت دی تھی۔ چنانچہ راستہ میں تھوڑی دیر کیلئے ہم ان کے گھر بھی رکے ، انھوں نے کولڈ ڈرنگ اور پھلوں سے تواضع کی ، اور بڑی اپنائیت سے رخصت کیا، جب ہم ان کے یہاں سے روانہ ہوکر اپنے مستقر مولوی اسماعیل سلمہٗ کے گھر پہونچے تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔

۷ اگست — آج کوئی پروگرام نہیں تھا۔ صرف تفریح کیلئے آج کا دن رکھا گیا تھا، پروگرام یہ تھا کہ آج بذریعہ بس لندن کو دیکھیں گے، گیارہ بجے مولوی اسماعیل سلمہٗ مجھے ایک شاپنگ کے مرکز پر لے گئے، جہاں ہر طرح کا سامان بک رہا تھا، پھل فروٹ میوے اور ہر طرح کے کھانے پینے اور زندگی کی عام ضروریات کی دکانیں فٹ پاتھ پر بھی لگی ہوئی تھیں اور چلا چلا کر ان کا سامان بیچا جارہا تھا، یہاں پاکستانیوں کی دکانیں بہت نظر آئیں دیکھا کہ انگریز بھی ہندوستانیوں کے انداز پر چیخ چیخ کر سامان بیچ رہے ہیں۔

پاکستانی لوگ ہر طرح کا کاروبار کرتے ہیں، اپنی دکان پر شراب رکھنا بھی معیوب نہیں سمجھتے، گوشت کی دوکان پر حلال لکھا ہوتا ہے، مگر تجربہ کار لوگ بتلاتے ہیں کہ انکی

دوکانوں پر حلال وحرام ذبیحہ کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا ہے، پاکستان کے لوگ اس بارے میں بالکل بے پرواہ ہیں ان کو صرف پیسہ کمانے سے مطلب ہوتا ہے، پاکستانیوں کا یہاں حال یہ ہے کہ وہ یہاں کی تہذیب وتمدن میں گم ہوتے جارہے ہیں۔

کچھ دیر یہاں کی سیر و تفریح کے بعد زیر زمین چلنے والی ٹرین سے سفر کا تجربہ حاصل کرنے کے لئے ہم لوگ ایک قریبی اسٹیشن پر آگئے، کھڑکی سے ٹکٹ لیا گیا اور جب نیچے جانے کیلئے سیڑھی کے قریب پہونچے تو راستہ بند، مولوی اسماعیل نے دروازہ کے قریب ایک سوراخ میں ٹکٹ ڈالا تو وہ ٹکٹ پھر باہر نکل آیا، ہم نے ہاتھ میں ٹکٹ لیا اور دروازہ کے سامنے اسکو کیا تو اپنے سے دروازہ کھل گیا، یہ خود ایک دلچسپ تماشا تھا۔

الکٹرانک سیڑھیوں والے زینہ سے ہم بہت نیچے پلیٹ فارم پر پہونچے، تھوڑی دیر میں ٹرین آئی جس میں ہم سوار ہوئے، ڈرائیور انجن کے پاس ہی سے تمام ڈبوں کا دروازہ کھولتا اور بند کرتا ہے، دروازہ بند ہونے سے پہلے ایک سیٹی بجتی ہے پھر چند منٹ کے بعد دروازہ از خود بند ہوجاتا ہے، ٹرین بہت صاف ستھری ہوتی ہے اور ڈبوں میں قالین بچھا ہوتا ہے، ایک ایک آدمی کے بیٹھنے کی الگ الگ کرسی ہوتی ہے جس پر وہ آرام سے بیٹھتا ہے، ٹرین میں ہندوستان کی طرح نہ رش ہوتا ہے اور نہ گندگی اور نہ کھانے پینے کی چیز بیچنے والے ہوتے ہیں، ہر اسٹیشن پر صفائی کرنے والا ایک آدمی آجاتا ہے۔ اور اگر کاغذ وغیرہ گرا ہو تو وہ اس کو چن لیتا ہے۔

ہم نے تھوڑی دور کا ٹکٹ لیا تھا صرف تین اسٹیشن کا ہمیں سفر کرنا تھا، ہر اسٹیشن پر گاڑی پہنچتی ہے تو سیٹی دیتی ہے جس سے مسافروں کو اسٹیشن کی آمد کا علم ہوجاتا ہے، تین اسٹیشن کا فاصلہ صرف دس منٹ میں ہم نے طے کر لیا یہی فاصلہ بس سے آدھ پون گھنٹہ میں طے ہوتا ہے، ایک خاص بات اس ٹرین کی یہ تھی کہ مسافر سب کے سب خاموشی سے بیٹھے تھے یا اخبار یا کوئی رسالہ پڑھتے تھے، چیخ وپکار اور شور وشرابا جیسے ہندوستان کی ٹرینوں میں ہوتا ہے بالکل نہیں تھا، جب ہم اپنے اترنے والے اسٹیشن پر پہونچے تو

وہاں سے بس پکڑا اور تقریباً ڈیڑھ بجے مولوی اسماعیل کے گھر پہونچے۔

آج عصر سے قبل مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سے ملنے کا پروگرام تھا، میں نے ان کو فون کیا تو کہنے لگے میں آپ کے فون کا انتظار ہی کر رہا تھا، میں نے ان سے عرض کیا کہ میں انشاء اللہ پانچ بجے آپ سے ملنے آؤں گا، دوپہر کو کچھ آرام کر کے ان سے ملنے گیا، دیر تک ان سے بات ہوتی رہی، میرے پروگراموں کی کچھ اطلاعات ان کو ملتی رہی کچھ مجھ سے معلوم کیا، خوشی کا اظہار کیا، میں نے ان سے یہاں کے اسلامک سنٹر کے بارے میں اپنا تاثر بیان کیا اور کہا کہ علی میاں جیسا متدین اور اسلامی اصول روایات کا لحاظ کرنے والا داعی اس سنٹر کی سرپرستی کیسے گوارا کر رہا تھا، جہاں کا ماحول بالکل غیر اسلامی ہے، تو مولانا نے کہا کہ یہ سنٹر مطلقاً آزاد نہیں ہے، بلکہ وہ یونیورسٹی ہی کے ماتحت ہے، اس وجہ سے جو قانون اور قاعدہ یونیورسٹی پر لاگو ہوتا ہے اس سے یہ سنٹر مستثنیٰ نہیں ہو سکتا، مزید فرمایا کہ مولانا علی میاں کو بعد میں اس سنٹر سے کچھ زیادہ حسن ظن نہیں رہ گیا تھا اس وجہ سے ان کا آنا جانا بھی یہاں کم ہو گیا تھا، بعد کے سالوں میں تو ان کا آنا تقریباً بند ہی تھا، ان کے بعد مولانا رابع صاحب کا اس سنٹر سے اگرچہ رسمی تعلق ہے مگر ان کا بھی سالوں سے یہاں آنا نہیں ہوا ہے۔

میں تو اس سنٹر کا حال دیکھ کر علی میاں کے بارے میں عجیب ذہنی انتشار میں تھا، مولانا کی اس وضاحت کے بعد کچھ اطمینان ہوا۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے بڑی محبت سے رخصت کیا، الوداعی سلام کر کے ہم مولوی اسماعیل کے گھر آ گئے۔

۸ / اگست ۔ آج ہمیں ہندوستان واپس ہونا تھا، ناشتہ سے فراغت کے بعد سامان وغیرہ کی تیاری میں لگ گئے، آج جمعہ کا دن تھا، جمعہ بعد کی فلائٹ تھی، آج دوپہر کا کھانا مولوی مشتاق سلمہٗ کے گھر تھا، ساڑھے چار بجے ہم ایرپورٹ پہونچے، مولوی اسماعیل سلمہٗ اور مولوی مشتاق سے آخری الوداعی مصافحہ کر کے ان سے رخصت ہونے کو کہا۔

لندن کے ایرپورٹ پر یہ بات دیکھی کہ کسی نے میری چیکنگ نہیں کی، نہ سامان ہی چیک ہوا۔
میں نے مولوی اسماعیل سلمہٗ سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے بتلایا کہ آپ کی بھی چیکنگ ہوگئی
اور آپ کے سامانوں کی بھی، یہاں اسی طرح الکٹرانک مشین کے ذریعہ چیکنگ ہوتی ہے،
دوسروں کی عزتِ نفس کا اتنا خیال اس کافر ملک میں میں دیکھ کر حیران رہ گیا، ورنہ
ہندوستان اور دوسرے ایشیائی ملکوں میں تو چیکنگ کے نام پر آدمی کو پریشان کرکے
رکھ دیا جاتا ہے، بسا اوقات ان ملکوں کا سفر کرنے ہی سے توبہ کر لینے کو جی چاہتا ہے۔

میرا جہاز لندن کے ٹائم سے ساڑھے نو بجے شب میں اڑا اور رات گذار کر
نو بجے صبح دہلی کے اندرا گاندھی ایرپورٹ پر اترا، میرا دہلی سے مئو تک ۱۰؍اگست کا
ریزرویشن تھا۔ ۹؍اگست کا دن اور ۱۰؍اگست کی شب دہلی میں گذار کر میں لچھوی
اکسپریس سے گیارہ کی صبح ۸؍بجے کے قریب مئو پہونچا، جہاں میرے داماد اور میری
بیٹی اور میرا نواسہ سعد سلمہٗ اور نواسی سعدیہ سلمہا، میرے بہنوئی حاجی اکرم صاحب
اور مدرسہ مرقاۃ العلوم کے استاذ مولانا کلام الدین صاحب قاسمی میرے استقبال
کے لئے موجود تھے، ان لوگوں کو دیکھ کر اور ان سے مل کر سفر کی ساری تکان دور ہوگئی۔

افتخار احمد سلمہٗ اپنی گاڑی لے کر موجود تھے، اسی گاڑی سے اسی وقت میں غازیپور
گھر پہونچا اور بچوں کو عافیت سے پایا اور ان کو خوش دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا۔

اس طرح برطانیہ کا جو سفر ۱۹؍جولائی ۲۰۰۳ء کو شروع ہوا تھا وہ ہفتہ سے
کچھ زائد ہو کر ختم ہوا۔

وللہ الحمد والنعمۃ

---

محمد اجمل مفتاحی

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونیوالا دوماہی
دینی و علمی مجلہ
زمزم
جلد ۸
ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ
شمارہ ۶
مدیر مسئول ومدیر التحریر
محمد ابوبکر غازیپوری
سالانہ چندہ ——— ۷۰/ روپے
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی
پتہ
مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیّدواڑہ غازیپور یوپی
فون نمبر ۰۵۴۸-۲۲۱۷۵۷
پن کوڈ ۔ ۲۳۳۰۰۱

# فہرست مضامین



مکتبہ
شمس الحسن محلہ کوٹ ادری

نورالدین نوراللہ الاعظمی

## اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمعیۃ علماء ھند نے دو سال قبل تحفظ سنت کانفرنس منعقد کیا تھا، اس کانفرنس کا مقصد عوام کو اس فتنہ سے آگاہ کرنا تھا جو سلفیت اور اہلحدیثیت کے خوشنما عنوان سے خارجیت کے بدترین لباس میں ظاہر ہوا ہے۔

آج کی سلفیت اور اہلحدیثیت یہ ہے کہ اکابر امت اور اسلاف کو گالی دو، بُرا بھلا کہو، ان کے گمراہ ہونے کا فیصلہ کرو، اور اپنے سوا سب کو دین سے خارج قرار دو، یعنی جو کام گذشتہ دور میں خارجیوں نے انجام دیا تھا آج یہی کارنامہ سلفیت اور اہلحدیثیت انجام دے رہی ہے۔ دور جدید کے خارجیوں کے قلم سے نہ صحابہ کرام بچے، نہ تابعین، نہ محدثین نہ فقہاء نہ اکابر اہل تصوف، بلکہ ان کی جرأت نے قرآن و حدیث تک کو نہیں بخشا، قرآن کا من گھڑت ترجمہ اور احادیث رسول کی من مانی تاویل آج کے سلفیوں کا شعار بن گیا ہے۔

ان خارجیوں کو امام اعظم اور فقہائے احناف سے بطور خاص کد ہے، یہ کتابوں سے چن چن کر ان کی مذمت کی باتیں نقل کرکے اپنے ذہن کو آسودہ کرتے ہیں اور عوام کو گمراہ کرتے ہیں، فقہ حنفی کی عالمگیریت کو اپنی اچھل کود سے محدود کر دینا چاہتے ہیں اور جب ان کی اچھل کود کا نتیجہ صفر ہوتا ہے تو فقہائے احناف کو گالی دیتے ہیں، امام اعظم کی شان میں اپنے اندر کی غلاظت اگلتے ہیں، جی ہاں آج کے سلفیت اور اہلحدیثیت کا بس یہی کام رہ گیا ہے۔

جمعیۃ علماء نے اسی کانفرنس کے موقع سے متعدد اہل قلم کے کتابچے شائع کئے تھے، جن میں

ان مسائل پر بطور خاص توجہ دی گئی تھی جن کو غیر مقلدین اپنی گفتگو کا موضوع بنا کر فقہ حنفی کے خلاف یا اکابر احناف کے خلاف عوام کو گمراہ کرتے ہیں ۔

الحمدللہ ان کتابچوں کا برصغیر میں بہت اثر رہا ، اور یہ کافی مقبول ہوئے ، ہزارہا ہزار کی تعداد میں یہ شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے ، پاکستان میں بھی ان کی بڑے پیمانہ پر اشاعت ہوئی اور ہند و پاک کے علاوہ جن ممالک میں اردو بولنے والے تھے یہ رسائل وہاں بھی پہونچے ، لوگوں نے انکو پڑھا اور غیر مقلدین کے مکر و فریب کا پردہ چاک ہوا ، ان رسائل کی مقبولیت نے غیر مقلدوں میں کھلبلی مچادی ، اور ان کا ہر بڑا چھوٹا ہلنے دائے میں مبتلا ہوگیا ، آپس میں مشورہ ہوا کہ ان رسائل کا جواب دینا ضروری ہے مگر اس کام کو انجام کون دے ، تو طے ہوا کہ جامعہ سلفیہ کے استاذ حدیث مولانا رئیس احمد ندوی سلفی ہی اس کیلئے مناسب ہیں اس لئے کہ ان کے قلم سے گالیوں کا اور غلاظتوں کا جو آبشار گرتا ہے یہ بات کسی دوسرے سلفی اہل قلم کو حاصل نہیں ہے ، موصوف اس بارے میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں ، چنانچہ موصوف نے صاحب فراش ہونے اور متعدد مہلک بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باوجود لوگوں کے اصرار پر اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچا دیا اور ایک ضخیم کتاب ان کے قلم سے وجود میں آگئی ۔ کہا جارہا ہے کہ یہ کتاب ان رسائل کا جواب ہے جنکو جمعیۃ نے شائع کیا تھا مگر جن کو اس کتاب کی زیارت کی سعادت نصیب ہوگئی ہے وہ اندازہ لگا نہیں پارہے ہیں کہ یہ کتاب کسی صاحب علم کے قلم کا شاہکار ہے ، یا کسی بدحواس کی بدحواسی کا شاہکار ہے یہ ان علمی رسائل کا جواب ہے یا احناف مقلدین کے خلاف گالی نامہ ہے ، ہم نے لوگوں کو اس کتاب سے واقف کرانے کیلئے اور آج کی سلفیت کا رنگ ڈھنگ کیا ہے اس سے آگاہ کرنے کیلئے اس کتاب کے مقدمہ کی کچھ باتوں کو سامنے رکھ کر ایک تحریر ایک دوست کی خواہش پر لکھی تھی جو زمزم کے اس شمارہ میں بھی شائع کیجارہی ہے ، پوری کتاب پر تبصرہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے ، صرف اس کتاب کے مقدمہ میں ہی اتنی غلاظت ہے کہ اس پر تبصرہ کرنا ہمارے لئے بڑا مشکل تھا اور بڑی مشکل سے یہ مرحلے کیا گیا ہے ناظرین میری تحریر پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ دور حاضر کی سلفیت کا رخ کیا ہے اور کیا اسکو اسلاف سے ادنیٰ نسبت بھی حاصل ہے ۔

چونکہ یہ تحریر طویل ہوگئی ہے، یعنی زمزم کا تقریباً پچاس صفحہ اس نے گھیر لیا ہے اس وجہ سے بعض قسط وار مضامین کو اس شمارہ میں حذف کر دیا گیا ہے۔

---

صٓ کا بقیہ :

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کی تھی۔

(۲) بخاری و مسلم اور دوسری احادیث کی کتابوں میں یہ روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من لم یات الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسولہ، یعنی جس نے دعوت قبول کر کے شرکت نہیں کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

دعوت کا قبول کرنا آپس میں انس و محبت پیدا کرنا ہے، تعلقات میں قوت پیدا ہوتی ہے، اور آدمی ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوتا ہے۔ یہ ساری چیزیں شریعت میں مطلوب ہیں، اس وجہ سے حتی الامکان مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کی دعوت کو قبول کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے، امیر و غریب اور بڑے چھوٹے کے فرق کے بغیر سب کے ساتھ یکساں معاملہ ہونا چاہئے اور سب کی دعوت قبول کرنا چاہئے تکبر کی یہ بھی علامت ہے کہ غریب، فقیر اور کم حیثیت کی دعوت میں آدمی شریک نہ ہو اور مالداروں اور بڑوں کی دعوت کو قبول کرے، یہ اسلامی معیار نہیں ہے۔

---

محمد ابوبکر غازی پوری

# نبوی ہدایات

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دسترخوان پر بیٹھنے سے منع کیا ہے جس پر شراب کا دور چلتا ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع کیا ہے کہ آدمی پیٹ کے بل لیٹ کر کھائے اور پیئے۔

اور ایک حدیث میں یہ ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو وہ اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب پی جاتی ہو۔ (رواہ الترمذی)

شراب خبیث چیزوں میں سے سب سے بری چیز ہے، اس کا پینا تو حرام ہے ہی وہ اپنے ذات کے اعتبار سے بھی نجس ہے، جس دسترخوان پر ایسی حرام اور نجس چیز ہو تو ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ اس سے آدمی دور رہے، آجکل شراب کا دسترخوان پر رکھنا فیشن بن گیا ہے اور افسوس ہے کہ اس لعنت میں بہت سے مسلمان بھی گرفتار ہیں، خصوصاً مسلم ممالک میں جو سرکاری دعوتیں ہوتی ہیں تو اس میں شراب کا ہونا لازمی ہوتا ہے، افسوس ہم دوسروں کو خوش کرنے کیلئے اپنے خدا کو ناراض کرتے ہیں، اور دوسروں کی نقالی میں اپنے دین سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔

پہلی حدیث میں ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ آدمی کو کھانے پینے میں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو سنت والا طریقہ ہو، پیٹ کے بل کھانے پینے سے منع کیا گیا ہے، یہ طریقہ خلاف سنت تو ہے ہی اسی کے ساتھ کھانے کا یہ انسانی طریقہ بھی نہیں ہے، پیٹ کے بل ہو کر جانور کھانا کھاتا ہے،

دیکھو ہماری شریعت نے کیسی کیسی باریک چیزوں پر نگاہ رکھا ہے ۔

(۲) حمید بن عبد الرحمن الحمیری ایک صحابی رسول سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کو دو آدمی دعوت دیں اور تمہیں ان میں سے کسی ایک ہی کی دعوت قبول کرنی ہے، تو جس کا گھر تمہارے گھر سے قریب ہو اس کی دعوت قبول کرو، اور اگر دونوں کا گھر برابر میں ہو تو جس کا گھر ہم سے زیادہ لگا ہوا ہو اس کی دعوت قبول کرو اور اگر ان دونوں میں سے کسی نے پہلے دعوت دی ہے تو جس نے پہلے دعوت دی ہے اس کی دعوت قبول کرو ۔ (ابوداؤد)

شریعت نے ہمیں ہر ہر موقع کی رہنمائی فرمائی ہے، مثلاً دیکھو اسی دعوت کے مسئلہ میں ہم سے کتنی کوتاہی ہوتی ہے، اگر دو آدمی دعوت دیتے ہیں تو ہمارا میلان اس کی طرف ہوتا ہے جو مالدار ہو، صاحب حیثیت ہو، اونچی پوسٹ کا ہو، ان کے مقابلہ میں ہم کم حیثیت کے لوگوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جب کہ شریعت کا اصول اور ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں تعلیم کچھ اور ہے اور وہ نہایت ہی حکیمانہ اور انسانی جذبات و احساسات کی پوری رعایت کے ساتھ ہے ۔

اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر دو آدمیوں نے تمہاری ایک ہی وقت میں دعوت کی ہے تو اس کی دعوت قبول کرو جس کا گھر تم سے قریب ہے، اسلئے کہ قریب کا زیادہ حق ہوتا ہے، اور اگر دونوں کا گھر قریب ہی ہے یعنی فاصلہ دونوں کا برابر ہے تو دیکھو کہ تمہارا گھر ان دونوں میں سے کس سے لگا ہوا ہے جس کا پڑوس قریب ہو اس کی دعوت قبول کرو، یہ بات اس شکل میں ہے جب دونوں ایک ہی وقت میں تم کو دعوت دیں، البتہ اگر دونوں کی دعوت کا وقت الگ ہو یعنی آگے پیچھے انھوں نے دعوت دی ہے تو جس نے پہلے دعوت دی ہے اسکی دعوت کو قبول کرو ۔

دیکھو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے قبول کرنے کا معیار کیا رکھا ہے؟ افسوس ہم نے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کو بھلا دیا ہے، ہمارے معاشرہ کا نہج بدل چکا ہے، آج ہماری نگاہوں میں ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے جن کی تاکید ہمارے رسول

بقیہ ص۸ پر

نورالدین نوراللہ الاعظمی

# جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث و مفتی کی "مجنونانہ بڑ" کا کچھ ذکر خیر

جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ۲۰۰۱ء میں تحفظ سنت کے عنوان سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس کا پس منظر یہ تھا کہ ادھر کچھ سالوں سے غیر مقلدین حضرات احناف، فقہ حنفی اور اسلاف امت کے خلاف حتی کہ صحابہ کرام کے خلاف بھی بد تمیزی کا ایک طوفان برپا کئے ہوئے ہیں۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے رد و قبول کا معیار محدثین سے بالکل الگ ہو گیا ہے جس سے انکار حدیث کا دروازہ کھلا، شریعت کو ان حضرات نے کھلونا بنالیا، مسائل شرعیہ انکی خواہش کے تابع ہو گئے ہیں، اکابر امت کی شان میں ان کی بیہودہ گوئیاں حد سے تجاوز کر گئی ہیں، مقلدین مذاہب اربعہ کے خلاف ان کی زبانوں پر جس قسم کے الفاظ آتے ہیں ان کا سننا ایک شریف الطبع آدمی کے لئے دشوار ہے، اولیائے امت اور اہل تصوف کو بدعتی، مشرک بنانا شب و روز کا ان کا مشغلہ بن گیا ہے، ان کا ہر چھوٹا بڑا بخاری شریف اور مسلم شریف کے حوالہ سے گفتگو کرنے لگا ہے۔

یہ ایک ایسا فتنہ تھا کہ اس کا توڑ ضروری تھا، جمعیۃ علماء ہند نے اپنی شرعی و دینی ذمہ داری کو محسوس کیا اور عوام کو دور جدید کے اس فتنہ سے آگاہ کرنے کیلئے اس کانفرنس کا انعقاد کیا جس کا اوپر تذکرہ ہوا، الحمدللہ کہ اس کامیاب کانفرنس نے جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی،

غیر مقلدیت و سلفیت کے فتنہ کو بے نقاب کر دیا۔ اس کا اثر پورے برصغیر میں ہوا بلکہ اسکی گونج عرب ممالک میں بھی سنائی دی۔

اس کانفرنس کے موقع پر جمعیۃ علماء ہند نے مختلف فقہی مسائل پر کتابچوں کا ایک سٹ بھی شائع کیا تھا جس کی تعداد ۲۸/۲ تھی، یہ کتابچے خالص علمی انداز میں لکھے گئے تھے، جن مسائل کو لے کر غیر مقلدین احناف کے خلاف زہر افشانی کرتے رہتے ہیں، ان پر کتاب وسنت کی روشنی میں گفتگو کی گئی تھی، اور مذہب احناف کو دلائل شرعیہ کی روشنی میں واضح کیا گیا تھا۔

چونکہ غیر مقلدین کو مذہب احناف اور فقہ حنفی سے خاص کد ہے، اس وجہ سے یہ کتاب وسنت والے کتابچے ان کی طبع نازک پر بہت شاق ہوئے، غیر مقلدین نے فقہ حنفی کیخلاف اس پروپیگنڈہ کو اپنا شعار بنایا ہے کہ یہ فقہ کتاب وسنت کے خلاف آراء رجال وقیاسات کا مجموعہ ہے، جب ان رسائل میں یہ دکھایا گیا کہ حنفی فقہ کتاب وسنت سے مؤید ہے تو غیر مقلدین کی جماعت میں اُبال آگیا، اور ان رسائل کا رد کرنا اور ان کا جواب لکھنا انھوں نے ضروری سمجھا چنانچہ اس کیلئے ان کی نظر مولانا رئیس احمد ندوی شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس پر پڑی، جو اکابر اور اسلاف کے خلاف اپنی دلخراش تحریروں اور بدزبانی میں مشہور زمانہ غیر مقلد عالم ہیں، مولانا رئیس ندوی کی تحریر کا پڑھنا کسی بھی شریف آدمی کے بس کی بات نہیں ہے، ان کی بدزبانی اور جنگلی تحریروں سے خود جماعت غیر مقلدین کے سنجیدہ افراد بھی نالاں رہتے ہیں، مولانا ندوی کا طرز تحریر یہ ہے کہ وہ اسلاف امت کی شان میں بے تحاشا جو منہ میں آتا ہے بکتے چلے جاتے ہیں، اپنے مخالفین کو نہایت گندے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، ایک ہی بات کا تکرار اس کثرت سے کرتے ہیں کہ طبیعت اوب جائے، ایسے حواس باختہ رہتے ہیں کہ انکو پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں نہایت فاش قسم کی غلطیاں کرتے ہیں، حوالہ ناقص دیتے ہیں، عموماً ایسی روایات کا سہارا لیتے ہیں جس سے حنفی مذہب اور ائمہ احناف کی برائی ثابت ہو خواہ وہ بات عقلاً کتنی محال ہی کیوں نہ ہو، ان کو فقہ حنفی اور ائمہ احناف کے خلاف بدزبانی سے مطلب ہوتا ہے خواہ اس کیلئے موضوع ومن گھڑت باتوں کا ہی کیوں نہ سہارا لینا ہو، جماعت دیوبند کے خلاف تو ایسی مغلظات بکتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔

مولانا رئیس ندوی نے ان کتابچوں کا جو جواب لکھا ہے، انکی تحریر کی یہ ساری خصوصیات ان کے اس جواب میں ہے، یہ جواب کئی سو صفحات کی ایک کتاب کی شکل میں وجود پزیر ہوا ہے، یہ جواب کس قابلیت کے ساتھ لکھا گیا ہے اس کا اندازہ ابتدائیہ کی درج ذیل عبارت سے ہوتا ہے فرماتے ہیں شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس صاحب۔

## دس قرون کا ترجمہ دس ہزار سال

" ابتدا میں تمام لوگ جس مذہب کے پیرو تھے اس کے متعدد نام ہیں، ان میں صراط مستقیم دین قیم، امت واحدہ، مذہب اہلحدیث، مشہور و معروف ہیں یہ دین واحد دس قرون یعنی لگ بھگ دس ہزار سالوں تک برقرار رہا (ص۵)

یہ ہیں جامعہ سلفیہ بنارس کے قابل شیخ الحدیث صاحب جن کا تعارف اس کتاب کے ناشر نے ان الفاظ میں کرایا ہے:

" زیر اشاعت کتاب ہماری جماعت کے مایہ نامہ (کذا) عالم شیخ الحدیث مولانا رئیس احمد ندوی حفظہ اللہ مفتی جامعہ سلفیہ بنارس نے تحریر فرمایا ہے.....

موصوف کی علم حدیث و فن حدیث و رجال پر مہارت مسلم ہے "

جی ہاں جامعہ سلفیہ کا یہ مفتی اور فن حدیث و رجال کا ماہر اور شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس دس قرون کا ترجمہ "دس ہزار سال" کر رہا ہے۔

کیسا ہوگا وہ مفتی اور کیسا ہوگا وہ شیخ الحدیث اور کیسا ہوگا وہ فن حدیث کا ماہر جو دس قرون کا ترجمہ دس ہزار سال کرے، خیر یہ تو ایک لطیفہ اپنی جگہ ہے، ذرا جامعہ سلفیہ بنارس کے اس شیخ الحدیث صاحب سے کوئی یہ پوچھے کہ کس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ ابتدا میں مذہب اسلام کا نام امت واحدہ تھا، اور کس کتاب میں مذہب اسلام کا نام مذہب اہلحدیث مذکور ہوا ہے، جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث اور مفتی صاحب اس زعم میں مبتلا ہیں کہ جو وہ فرمادیں گے وہی حقیقت اور واقعہ ہوگا، ہم آپ کی قابلیت کا لوہا مان لیں گے (اگرچہ آپ نے دس قرون کا ترجمہ

دس ہزار سال کیا ہے) اگر آپ نے کسی ایک متقدم قابل اعتماد اور ثقہ سے یہ ثابت کر دیا کہ ابتداء میں لوگ یعنی صحابہ کرام و تابعین و من بعدہم اسلام کا نام امت واحدہ، اور مذہب اہلحدیث بھی رکھا کرتے تھے۔

## جنت میں جانے والا فرقہ

جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث فرماتے ہیں:

"جنت میں جانے والے جس فرقہ کو حدیث نبوی میں سواد اعظم کہا گیا ہے اس سے مراد وہ فرقہ ہے جو طریق نبوی و طریق صحابہ کو اپنی راہ عمل بنائے گا۔" ص۶

پس معلوم ہوا کہ اس سے فرقہ اہلحدیث خارج ہے، اسلئے کہ یہ فرقہ تمام صحیح حدیث کو راہ عمل بناتا ہے اور نہ صحابہ کے طریق کو، یہ صحابہ کی سنت کا منکر فرقہ ہے، اس کے مذہب کے اصول میں یہ داخل ہے کہ قول صحابی حجت نیست اگرچہ بصحت رسد، اور نواب صاحب بھوپالی التاج المکلل میں فرماتے ہیں۔ وفعل الصحابی لا یصلح حجة، یعنی صحابی کا فعل دلیل نہیں ہے اور فتاوی نذیریہ میں شیخ الکل فی الکل فرماتے ہیں، قول صحابی حجت نیست ص ۳۴۰/۱ اور یہی بات بتکرار غیر مقلدین کی کتابوں میں جگہ جگہ بکھری نظر آئے گی، اسلئے غیر مقلدین کا صحابہ کے طریق پر ہونا امر محال ہے، پس یہ جماعت نہ سواد اعظم کہلانے کی مستحق ہے اور نہ اس کا داخلہ جنت میں ممکن ہے۔

## حدیث رسول کی من مانی تشریح

## مفتی جامعہ سلفیہ بنارس کی قابلیت کا ایک اور نمونہ

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کو اللہ گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اس کا مطلب جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث فرماتے ہیں:

"اس حدیث نبوی کا حاصل مطلب یہ ہے کہ امت محمدیہ ضلالت پر متفق نہیں ہو سکتی اور اس کا ظاہر مطلب ہے کہ صحابہ کرام ضلالت پر متفق نہیں ہو سکتے کیونکہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی تھی اس وقت صحابہ کرام ہی موجود تھے۔" ص۷

حدیثِ پاک کی یہ تشریح جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث و مفتی صاحب کی سراسر اختراعی ہے، بلکہ حدیث پاک کی معنوی تحریف ہے، اگر مفتی صاحب اور شیخ الحدیث جو جامعہ سلفیہ بنارس میں مسند تدریس کی گدی سنبھالے ہوئے ہیں ان میں دم ہے تو حدیث کا یہ مطلب کسی محقق عالم حدیث سے ثابت کریں کہ یہ حدیث صرف زمانہ صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

# پراگندہ ذہنی کا شکار ہیں
# جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث و مفتی صاحب

جامعہ سلفیہ کے قابل شیخ الحدیث و قابل مفتی صاحب فرماتے ہیں:

"صرف صحابہ کے زمانہ کا اجماع حجت ہے، صحابہ کے بعد کا اجماع حجت نہیں ہو سکتا، صحابہ کے بعد والوں کا اجماع محال ہے اسکا دعویٰ ہی باطل ہے" ص۸

اس عبارت میں جامعہ سلفیہ بنارس کے قابل شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ صحابہ کے بعد کا اجماع محال ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

"البتہ اگر کسی معتبر ذریعہ سے صحابہ کے بعد والوں کے اجماع کا ثبوت مل جائے تو اسے حجت مانا جا سکتا ہے" ص۸

اہل علم اندازہ لگائیں اس مخبوط الحواس کی مخبوط الحواسی کا کہ وہ ایک طرف صحابہ کے بعد کے اجماع کو محال بھی کہتا ہے، اور پھر یہ بھی کہتا ہے کہ اگر کسی معتبر ذریعہ سے اس کا ثبوت مل جائے، اس قابل جاہل سے کوئی پوچھے کہ جو چیز محال ہو وہ ثابت کیسے ہو سکتی ہے۔ کیا محال کے وقوع کا بھی امکان ہوتا ہے۔

اس قابل کا دوسرا تضاد یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ صحابہ کرام کے بعد کا اجماع حجت نہیں ہے، پھر یہ بھی کہتا ہے کہ اگر صحابہ کے بعد والوں کا اجماع کا ثبوت مل جائے تو اسے حجت مانا جا سکتا ہے۔ ص۸

اندازہ لگائیں کہ جامعہ سلفیہ بنارس میں کیسے کیسے قابل لوگ علم کا چراغ روشن

کیے ہوئے ہیں اور انھیں جیسے قابلوں وجاہلوں کو جماعت غیر مقلدین میں محقق اور ماہر حدیث شمار کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس محقق کو یہ تو پتہ ہی نہیں ہے کہ جماعت غیر مقلدین کے اکابر کا مذہب کیا ہے، ان کے نزدیک تو اجماع کوئی چیز ہی نہیں ہے، خواہ صحابہ کرام کے زمانہ کا ہو یا بعد کا، اکابر غیر مقلدین کے نزدیک دلیل شرعی صرف دو چیز ہے، قرآن اور حدیث،

نواب صاحب بھوپالی عرف الجادی میں فرماتے ہیں :

" ادلہ دین اسلام منحصر در دو چیز ست، یکے کتاب عزیز دوم دیگر سنت مطہرہ ص۳

یعنی دین اسلام کی دلیلیں صرف دو چیز ہیں منحصر ہیں، ایک کتاب عزیز ہے اور دوسری سنت مطہرہ۔

نیز اسی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اجماع کوئی چیز نہیں ہے۔ (ایضاً) اس کتاب میں فرماتے ہیں کہ اگر اجماع کے وقوع کا ثبوت بھی ہو جائے تو وہ حجت شرعیہ نہ ہوگا۔ ص۳

نواب صاحب جیسے جلیل القدر آدمی وعالم جماعت غیر مقلدین کی ان تصریحات کے کے بعد جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام کے زمانہ کا اجماع حجت ہے، یا ان کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام کے بعد کا اجماع ثابت ہو جائے تو وہ حجت ہے، بالکل بے کار اور غیر مقلدین کے عقیدہ کے خلاف بات ہے۔

نواب صاحب کے مقابلہ جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث ومفتی کی کون سنے گا جس کی قابلیت کا عالم یہ ہے کہ وہ دس قرون کا ترجمہ دس ہزار سال کرتا ہے۔

# جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث ومفتی کی قابلیت کا نادر نمونہ

جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث ومفتی صاحب فرماتے ہیں:

ان اللہ لایجمع امتی علی ضلالۃ (یعنی اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا) کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام ضلالت پر متفق نہیں ہو سکتے کیونکہ جس وقت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی تھی اس وقت صحابہ کرام ہی موجود تھے مث

اہل علم غور فرمائیں کہ شیخ الحدیث موصوف نے حدیث دانی کا کیسا نادر نمونہ پیش کیا ہے قربان جائیے آپ کی اس قابلیت اور فن حدیث کی اس معرفت پر، کس محدث کو موصوف سے پہلے یہ دور کی کوڑی کب سوجھی ہوگی۔

اب تو قرآن وحدیث کے مخاطب صرف صحابہ کرام ہی قرار پائیں گے، بقیہ امت احکام شرعیہ سے بری رہے گی، قرآن جب نازل ہورہا تھا تو صرف صحابہ کرام موجود تھے، آنحضورؐ جب اسلامی احکام کا بیان فرما رہے تھے تو صرف صحابہ کرام موجود تھے، اس وجہ سے نماز، روزہ، حج زکوٰۃ سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے، بیوی، بچوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے، بیع وشراء میں حلال وحرام کا فرق کرنے کے مخاطب صرف صحابہ کرام ہوں گے، موصوف جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث کی تحقیق یہی ہے، ہے کوئی اس جہالت کا ٹھکانا، کاش جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث صاحب کو یہ معلوم ہوتا کہ جس طرح قرآن کی کسی آیت کی من گھڑت تفسیر حرام ہے، اسی طرح احادیث رسول کی بھی من گھڑت تفسیر اور من مانی تشریح حرام ہے۔

میں موصوف شیخ الحدیث اور جامعہ سلفیہ بنارس کے مفتی صاحب سے درخواست کرونگا کہ اگر آپ نے اس حدیث پاک کا من گھڑت معنی نہیں بیان کیا ہے تو ذرا مہربانی فرما کر کسی متقدم محدث اور شارح حدیث سے اپنے اس من گھڑت معنی کی تائید پیش کردیں۔

عموماً موصوف کی تحقیقات اس قسم کی ہوتی ہیں جن کا نہ سر ہوتا ہے نہ پیر جو منہ میں آیا بک دیا اور خوش ہوگئے کہ ہم بہت بڑے محقق ہیں۔

## محقق موصوف کی خارجیت

یہ جامعہ سلفیہ بنارس کے محقق صاحب خارجیت زدہ محقق ہیں، خوارج اپنے علاوہ سب کو اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، اسی طرح موصوف بھی جماعت اہلحدیث کے علاوہ تمام مسلمانوں کو اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

۔ اسلام کی طرف منسوب اکثر لوگ واقعتہً اسلام سے خارج ہیں۔ ص۹

غیر مقلدین تو کسی زمانہ میں اکثریت میں نہیں رہے ہیں، اکثریت ہمیشہ مقلدین کی رہی ہے، تو موصوف کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ غیر مقلدین کے علاوہ جتنے مقلدین ہیں سب کے سب واقعتہً اسلام سے خارج ہیں۔

جامعہ سلفیہ کا یہ شیخ الحدیث اپنی گولی کا خود ہی شکار ہو گیا ہے اسلئے کہ حدیث پاک میں ہے کہ کلمہ گو کو کافر بنانے والا اگر اس کلمہ گو سے منافی ایمان کوئی بات صادر نہیں ہوئی ہے خود کافر ہو جاتا ہے۔ اور الحمد للہ عامۃ مقلدین کفر سے دور ہیں، پھر ان کو کافر بنانا خود کافر بننا ہے۔

# آیت کریمہ کا غلط ترجمہ

جب آدمی جہل کے ساتھ محقق ہونے کا مدعی ہوتا ہے تو اس کی جرأت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور غیر مقلدیت نام ہی ہے کہ کتاب وسنت کے مقابلہ میں آدمی جری ہو جائے اور چونکہ ان کے نزدیک دین وشریعت کے معاملہ میں اکابر واسلاف کی تقلید حرام ہے اس وجہ سے یہ قرآن وحدیث کا معنی ومطلب بیان کرنے میں بڑی آزادی وبڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور جامعہ سلفیہ بنارس کے محقق موصوف تو اس بارے میں اپنی نظیر بہت کم رکھتے ہیں۔

حدیث پاک کا ترجمہ ومطلب بیان کرنے کی مثال اوپر گذر چکی، اب قرآن کی آیت کے ترجمہ میں محقق موصوف کی غیر مقلدانہ شان دیکھئے۔ قرآن کی آیت۔

کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله کا ترجمہ کرتے ہیں:

یعنی بحکم الٰہی کثیر تعداد والی جماعتیں قلیل تعداد والی جماعت سے مغلوب رہا کرتی ہیں۔

یہ موصوف کی قرآن فہمی اور قرآن دانی کی مثال ہے۔ یا یوں کہئے کہ موصوف نے قصداً آیت کا غلط ترجمہ کرکے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لیا ہے، اور اللہ کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک کا مصداق ہوئے کہ جو قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہے اس کا ٹھکانا جہنم ہے ۔ آیت کریمہ کا صحیح ترجمہ ناظرین ملاحظہ فرمائیں ۔ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ ترجمہ کرتے ہیں ۔

بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے

اور حضرت تھانویؒ ترجمہ کرتے ہیں :

بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئی ہیں ۔

اور سعودیہ سے جو غیر مقلدوں کا ترجمہ والا قرآن شائع ہوا ہے، اس میں اس آیت کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔

بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں ۔

ناظرین غور فرمائیں کہ ان تراجم میں اور محقق جامعہ سلفیہ بنارس کے ترجمہ میں کیسا زبردست فرق ہے ۔ خدا نے جس بات کو اکثری یا گاہے گاہے والی بات کہی ہے، اس محقق نے اسکو دائمی بنا دیا ہے ۔ یا تو یہ اس کی جہالت ہے یا اس نے قصداً قرآن کے معنی میں تحریف کی ہے تاکہ اس سے وہ یہ ثابت کرے کہ غیر مقلدین کی جماعت اگرچہ اقلیت میں ہے مگر قرآن کے حکم کے مطابق ہمیشہ غلبہ اسی کو ہوگا ۔

## علم کی بات یا مجنوں کی بڑ

محقق صاحب خیر القرون قرنی والی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں :

"انھیں تین قرون کو رسول اللہ نے خیر القرون کہا ہے، اس کے بعد والے کسی قرن کا خیر القرون میں داخل ہونا مشکوک و مشتبہ ہے" ص ۹

اس قابل سے کوئی پوچھے کہ جب اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے متعین طور پر تین قرون کو خیر القرون کہا ہے تو اس کے بعد کے کسی قرن کا خیر القرون میں داخل ہونا یقینی ہوگا یا مشتبہ ہوگا ؟ جس کو اتنی موٹی بات بھی سمجھ میں نہ آئے وہ جامعہ سلفیہ بنارس کا شیخ الحدیث اور مفتی بنا ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جامعہ سلفیہ بنارس میں حدیث پڑھانے کا معیار کیا ہے ۔

موصوف جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث ومفتی صاحب ان جہالتوں سے فارغ ہوکر اب اپنا نشانہ ائمہ احناف اور فقہ حنفی کو بناتے ہیں۔ پہلے تو انھوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے "اسلام کی طرف منسوب فرقوں میں سب سے زیادہ مضرت رساں فرقہ اہل الرای ہے" اور اس عنوان کے تحت موصوف محقق صاحب نے یہ حدیث ذکر کی ہے۔ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور ؐ نے فرمایا:

"تفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ اعضمها فتنۃ علی امتی الذین یقیسون الامور برایهم۔ یعنی میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی، ان تہتر فرقوں میں میری امت کیلئے سب سے زیادہ فتنہ پرور، فساد انگیز جماعت وہ ہوگی جو اپنی رائے وقیاس سے مستنبط مسائل وامور کو اپنا دین ومذہب قرار دے لے گی"

## محقق موصوف کی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں چوری

اگر ہم اس حدیث کو بقول محقق صاحب صحیح بھی مان لیں تو بھی ہمیں محقق صاحب کی جرأت کی دو وجہ سے داد دینی پڑے گی، ایک تو یہ کہ انھوں نے اس حدیث کو فقہ حنفی پر فٹ کرنے کیلئے یقیسون الامور برایهم کا ترجمہ وہ لمبا چوڑا کیا ہے جس پر ہم نے خط لگا دیا ہے، جب کہ اس عبارت کا ترجمہ صرف یہ ہے کہ جو لوگ معاملات کا اندازہ اپنی رائے سے لگائیں گے، یا یہ کہ دینی معاملات میں رائے کو دخل دیں گے، گویا موصوف نے حدیث کی معنوی تحریف کرکے اپنی عاقبت خراب کی۔

اور دوسری ان کی جرأت جس پر داد دینی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ محقق صاحب ذن کے اجالے میں حدیث پاک میں چوری کے مرتکب ہوئے ہیں، انھوں نے پوری حدیث نقل نہیں کی، انھوں نے پورا ایک جملہ حدیث پاک کا اڑادیا ہے، اور شیخ الحدیث کا چرایا ہوا جملہ یہ ہے فیحللون الحرام ویحرمون الحلال، یعنی وہ قیاس کرنے والی جماعت حرام کو حلال کرے گی اور حلال کو حرام کرے گی۔

یعنی اللہ کے رسول نے خود ہی فرمادیا تھا کہ فتنہ پرور قیاسیوں کی صفت یہ ہوگی۔

ائمہ کرام جو قیاس کرتے ہیں تو ان کا مقصد کتاب وسنت کے مخفی احکام کو ظاہر کرنا ہوتا ہے نہ کہ حلال کو حرام کرنا یا حرام کو حلال کرنا ہوتا ہے، اگر محقق صاحب میں کچھ دم خم ہے تو صرف ایک مثال پیش کریں کہ ائمہ متبوعین میں سے کسی نے بھی قیاس کے ذریعہ شریعت کی حرام کردہ چیز کو حلال کیا ہے یا جو چیز شریعت میں حلال تھی اس کو حرام کیا ہے، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ

هذا هو القياس على غير اصل والكلام فى الدين بالتخرص والظن ..... ومن رد الفروع فى علمه الى اصلها فلم يقل برايه، (جامع بیان العلم ص ۱۵/۲/۱۴۲)

یعنی یہ مذمت ان لوگوں کی ہے جو اٹکل اور گمان سے دین میں بات کرتے ہیں، اس حدیث میں ان علماء وائمہ کی مذمت نہیں ہے جو شریعت کی اصل پر قیاس کرتے ہیں۔

چونکہ حدیث کا یہ ٹکڑا اعلان کر رہا تھا کہ اس حدیث پاک میں جن قیاس کرنے والوں کی برائی کی گئی ہے ان کا مصداق شریعت کو محض رائے سے بازیچۂ اطفال بنانے والے لوگ ہیں نہ کہ ائمہ دین، اس وجہ سے موصوف شیخ الحدیث صاحب نے اس حدیث میں سے اتنا حصہ چرا لیا تاکہ اس کو ائمہ احناف پر فٹ کرسکیں، حالانکہ اس حدیث پاک کا اگر کوئی صحیح مصداق ہے تو وہ غیر مقلدین ہیں، اس لئے کہ ان کے علماء نے شریعت کی بہت سی حرام کردہ چیز کو حلال کیا ہے، اور شریعت کی بہت سے حلال شدہ چیز کو حرام کیا ہے، مثلاً اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ زانیہ کی حرام کاری والی کمائی حرام اور خبیث ہے، مگر غیر مقلدین علماء فتویٰ دیتے ہیں کہ نہیں اگر زانیہ نے توبہ کرلیا ہے تو اس کی حرام کاری والی کمائی جائز ہے، ان کا فتویٰ محض ان کی رائے سے ہے کتاب وسنت سے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، نہ ائمہ دین میں سے کسی کا مذہب ہے نیز مذہب غیر مقلدین میں کھیل کود کے لئے نماز کو وقت سے مؤخر کیا جاسکتا ہے، یہ بھی محض ان کی رائے ہے کتاب وسنت سے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، اس طرح کے ان کے سیکڑوں مسائل ہیں اس وجہ سے اس زمانہ میں اس حدیث کا صحیح مصداق غیر مقلدین کی جماعت ہے۔

## جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث صاحب نے بے اصل حدیث سے استدلال کیا ہے

دوسری جہالت یا حماقت ان محقق صاحب کی یہ ہے کہ انھوں نے بے اصل حدیث ذکر کی ہے، حضرت عوف بن مالک اشجعی والی حدیث بے اصل ہے، چنانچہ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں۔ وروی عن یحیی بن معین انہ قال حدیث عوف بن مالک الذی یرویہ عیسیٰ بن یونس لیس لہ اصل ونحوہ عن احمد بن حنبل۔

(جامع بیان العلم ص ۲۱۴)

یعنی حضرت یحیٰی بن معین سے مروی ہے کہ عوف بن مالک کی حدیث جس کی سند میں عیسیٰ بن یونس ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور ایسا ہی حضرت امام احمد سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

اس طرح کی باطل روایتوں سے یہ شیخ الحدیث صاحب فقہ حنفی کے آہنی قلعہ پر بمباری کرنا چاہتے ہیں۔ (۱)

## ہے اس جنون کا کوئی علاج

جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث و مفتی صاحب فرماتے ہیں:

حدیث نبوی میں صراحت ہے کہ بنو اسرائیل عرصہ دراز تک راہ اعتدال پر رہے پھر ان میں کچھ لونڈی اور غلام زادے ایسے رونمائے جنھوں نے رائے و قیاس کو دین و مذہب بنا کر رائے و قیاس سے فتاویٰ دینے شروع کئے تو وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر ڈالا۔ (ص ۱)

محقق صاحب کی جہالت ملاحظہ فرمائیے کہ آنحضورؐ تو یہ بات بنی اسرائیل کے بارے میں فرما رہے ہیں اور محقق صاحب اس کو فقہائے اسلام پر فٹ کر رہے ہیں، کوئی اس جاہل محقق جامعہ سلفیہ بنارس سے پوچھے کہ کیا ائمہ فقہ جنھوں نے قیاس سے بھی کام لیا ہے وہ بنی اسرائیل

---

(۱) تاریخ اہلحدیث میں بھی مولانا ابراہیم سیالکوٹی نے حافظ ذہبی کے حوالہ سے اس حدیث کو بے اصل ثابت کیا ہے دیکھو ص ۶۳

میں سے تھے ؛ جو بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمائی اسکو یہ محقق اسلام کے ائمہ فقہ وحدیث کی برائی بیان کرنے کے بارے میں نقل کرتا ہے، یعنی حدیث رسول کی معنوی تحریف کو اس جاہل نے اپنا پیشہ بنالیا ہے، ائمہ فقہ وحدیث کا قیاس کرنا تو کتاب وسنت کی روشنی میں ہوتا ہے، جب کہ بنی اسرائیل کا قیاس کرنا محض خواہش نفس کی بنا پر تھا، دونوں قیاسوں میں زمین آسمان کا فرق ہے مگر اس جاہل محقق کو بنی اسرائیل کا قیاس اور اسلام کے ائمہ فقہ حدیث کا قیاس ایک نظر آتا ہے، اس جہالت کے باوصف آپ جامعہ سلفیہ بنارس کی کرسی شیخ الحدیثیت پر فائز ہیں، لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔

مولانا اسماعیل سلفی صاحب فرماتے ہیں:

. الله الذی انزل الکتاب بالحق والمیزان وهذا المیزان قد نزل مع الکتاب، ولا یراد به المیزان الذی یوزن به الاشیاء المادیة الجسمیة بل هو میزان یساعد فی فهم الکتاب والادلة الشرعیة الاخریٰ ........ وقد سمی ذلك فی اصطلاح الفقهاء بالقیاس۔

یعنی خدا کے اس ارشاد میں کہ ہم نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا اور میزان کو، میزان سے مراد وہ میزان نہیں ہے جس سے مادہ اور جسم والی چیزیں تولی جاتی ہیں، بلکہ اس سے مراد وہ میزان ہے جو کتاب اللہ اور دوسرے دلائل شرعیہ کے سمجھنے میں مدد کرتی ہے، اس کا نام فقہاء کے یہاں قیاس رکھا جاتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

وعلی هذا لایسوغ لنا انکار القیاس وضرورته ولا یصرف النظر عن حجیته وفائدته، وکان الائمة والمحدثون مع اعتنائهم بظواهر الحدیث والفاظه ومعانیه واحترامهم له یعتبرون القیاس حجة شرعیة۔ (الانطلاق الفکری ص ۶۳)

یعنی جب بات یہ ہے تو ہمارے لئے قیاس کا انکار کرنا اور اس کی ضرورت کا انکار کرنا جائز نہیں ہے، اس کی حجیت اور اس کے فائدہ سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، محدثین اور ائمہ حدیث اگرچہ حدیث کے ظاہر اور اس کے الفاظ و معانی کا اہتمام کرتے تھے لیکن وہ قیاس کو شرعی حجت بھی سمجھتے تھے۔

اس حدیث کی شرح میں ہے کہ ایک عورت نے آکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری بہن کا انتقال ہوگیا ہے، اس پر دو ماہ کے روزے باقی رہ گئے ہیں (میں کیا کروں) تو آپ نے فرمایا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہاری بہن پر کوئی قرض ہوتا تو تم اسکو ادا کرتیں یا نہیں؟ تو اس نے کہا کہ ہاں میں اسکو ادا کرتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اللہ کا حق زیادہ اس لائق ہے کہ تم اسکو ادا کرو، مولانا مبارکپوری صاحب صاحب تحفۃ الاحوذی فرماتے ہیں فیہ مشروعیۃ القیاس ص۲/۲۳ یعنی اس حدیث سے قیاس کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

ناظرین اندازہ لگائیں کہ جو چیز کہ کتاب و سنت سے بقول علمائے غیر مقلدین ثابت ہے جامعہ سلفیہ بنارس کا شیخ الحدیث و مفتی اس کا انکار کر رہا ہے، اور اس کیلئے بنی اسرائیل کے عمل سے استدلال کر رہا ہے، قیاس کا انکار کرنا شیعوں کا مذہب ہے نہ کہ اہل سنت کا، دیکھو ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ ص۲/۸۹۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں: قد ثبت عن الصحابۃ انھم قالوا بالرای و اجتھاد الرای وقاسوا (ص۲/۱۲) ایضا، یعنی صحابہ کرام سے قیاس اور رائے کا ثبوت ہے۔

اور حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد ابن قیم فرماتے ہیں:

رائے کی تین قسم ہے، باطل رائے، صحیح رائے، مشتبہ رائے۔ پھر فرماتے ہیں کہ سلف نے صحیح رائے کا استعمال کیا ہے اور اس پر عمل کیا ہے، اور اس کا فتویٰ دیا ہے، اور اس کے قائل ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کی عبارت یہ ہے۔ قد اشار السلف الیہا فاستعملوا الرای الصحیح وعملوا بہ وافتوا بہ وسوغوا القول بہ، (اعلام الموقعین ص۲۳)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ استعمال القیاس فی الحوادث متلقی من امر الکتاب یعنی قیاس کا استعمال کرنا پیش آنے والے مسائل میں کتاب اللہ سے ماخوذ ہے۔ (فتح الباری ص ۲۴۶/۱۳)

میرے خیال میں ان چند حوالوں سے محقق صاحب کی آنکھ روشن ہوگئی ہوگی اور ان کو اپنی جہالت کا ادراک ہوگیا ہوگا، اسلئے رائے وقیاس کے سلسلہ میں موصوف محقق صاحب کی جتنی گفتگو ہے سب جہالت پر مبنی ہے اور فریب ہی فریب ہے، مطلقاً رائے وقیاس کا انکار کرنا یہ شیعوں اور رافضیوں کا مذہب ہے ورنہ تمام اہل سنت کے نزدیک صحیح رائے وقیاس کا استعمال کرنا کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے عمل اور قول سے ثابت ہے، احادیث یا آثار صحابہ میں جس رائے کی مذمت ہے وہ نص کے مقابلہ میں رائے کا استعمال کرنا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی رائے کی مذمت آئی جس کو جاہل محقق نے اپنا سینہ پھلا کر نقل کیا ہے، ورنہ خود حضرت عمرؓ اپنے مفتیوں وامراء کو اجتہاد ورائے کے استعمال کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت شریح کو فرمان جاری کیا۔ انظر ما تبین لك من كتاب الله فلا تسأل عنه احدا فان لم تبين لك من كتاب الله فاتبع فيه سنة رسول الله ومالم يتبين لك من السنة فاجتهد فيه رايك۔

یعنی تم دیکھو کہ جو چیز تمہارے لئے کتاب اللہ سے واضح ہوجائے تو اب کسی سے اس کے بارے میں مت پوچھو، اگر کتاب اللہ سے واضح نہ ہو تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرو، اگر وہ مسئلہ سنت رسول اللہ سے بھی واضح نہ ہو تو پھر اس کے بارے میں اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔ (فتح الباری ص ۲۸۵/۱۳)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں فهذا عمر امر بالاجتهاد یعنی دیکھو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کا حکم فرمایا۔

غرض اجتہاد ورائے کا شرعی مسائل میں استعمال کتاب وسنت اور آثار صحابہ سے ایسا ثابت ہے کہ سوائے اندھے اور بے بصیرت انسان کے اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اور نہ محقق

جامعہ سلفیہ کی لایعنی ولاف گزاف باتوں سے اس کا ابطال کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی شخص تعنت اور ہٹ دھری ہی پر اتر آئے اور مطلقاً قیاس کا انکار کرے تو اس کا ایمان ضائع ہو جائے گا! اسلئے کہ جو چیز کتاب وسنت سے ثابت ہے اور شرعاً مشروع ہے اس کا انکار کرنا حبط ایمان کا باعث ہوگا، محقق صاحب ذرا ہوش سنبھال کر قلم اور زبان کا استعمال کیا کریں۔

## محقق کی تحقیق یا دیوانوں کی باتیں

جامعہ سلفیہ بنارس کے محقق موصوف نے رائے وقیاس کی مذمت میں چند آثار واحادیث کو ذکر کرنے کے بعد فقہ حنفی کے خلاف اپنے بغض کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"چونکہ اہل الرائی اور ان کی مدون فقہ اور دوسرے علوم شرعیہ بتصریح نصوص وآثار صحابہ واجماع صحابہ خلاف نصوص شرعیہ ہیں اس لئے اہل الرای بذات خود باطل پرست ہیں اور ان کی مدون ومرتب فقہ اور عام علوم شرعیہ مجموعہ اباطیل واکاذیب وطوار واغلاط واخطار ہیں اس لئے اہل الرای اور ان کی فقہ وفتاوی ودیگر علوم مدونہ سے راہ فرار اختیار کرنے اور نصوص سے وابستہ رہنے کا حکم صحابہ کرام نے نصوص کی پیروی میں بالاجماع وبالاتفاق دیا ہے۔"(1) ص۱۱

جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث ومفتی کی اس جاتی ونہڑ اردو کو میں نے بڑی مشکل سے نقل کیا ہے، بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ اگر موصوف کی مراد اس سے فقہ حنفی اور فقہائے احناف ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی مراد اس عبارت سے کوئی دوسرا فقہ یا دوسرے ائمہ نہیں ہیں، اسلئے کہ موصوف کو بطور خاص فقہ حنفی ہی سے کد ہے اور ان کے دل میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہی بغض بھرا ہے، تو ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ بلی کے گوز مارنے سے کبھی شیر نہیں بھاگا ہے اور چوہا کے دم ہلانے سے کبھی ہاتھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا ہے، اس لئے محقق موصوف چاہے کتنا بھی گوز ماریں اور اپنی دم چوہوں کی طرح کتنا بھی ہلائیں نہ اس سے فقہ حنفی کا کچھ بگڑنے والا ہے اور نہ امام اعظم امام ابوحنیفہ کی شخصیت پر کوئی غبار آنے والا ہے، آپ فقہ حنفی اور ائمہ احناف کے خلاف بکتے بکتے

---

(1) اس بے شرم محقق کو شرم نہیں کہ اس نے صحابہ کرام کی طرف ایسی بات کو منسوب کیا جس کا کسی کتاب میں دور دور نشان بھی نہیں ہے اور نہ یہ بے شرم خود بھی کسی کتاب کا حوالہ دیتا ہے۔

مرجائیں گے تو بھی اللہ نے امام ابوحنیفہ اور فقہ حنفی کی قلوب میں جو عظمت پیدا کر دی ہے وہ ختم ہونے والی نہیں ہے اور نہ آپ کی چیخ و پکار سے فقہ حنفی کی آفاقیت پر کوئی اثر پڑنے والا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کوئی حنفی نہیں ایک شافعی یعنی امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں کان کھول کر سنیں۔ فرماتے ہیں!

ولا عبرة بکلام بعض المتعصبین فی حق الامام ولا بقولهم انه من جملة اهل الرای بل کلام من یطعن فی هذا الامام عند المحققین یشبه الهذیانات۔

یعنی بعض متعصبین نے جو امام کے حق میں بدگوئی کی ہے درخور اعتنا نہیں ہے اور نہ یہی درست ہے کہ امام صاحب پابند رائے تھے بلکہ امام کے حق میں جو طعنہ کرے اس کا کلام محققین کے نزدیک بکواس اور مجنوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ (میزان کبریٰ ص۳۱)

یہ امام شعرانی صرف عالم ہی نہیں تھے بلکہ صاحب باطن اور اولیاء اللہ میں سے تھے ان کی یہ شہادت امام ابوحنیفہ کے حق میں اتنی وزنی ہے کہ اس کے بوجھ سے جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث کی ہڈی ہڈی ریزہ ریزہ ہوجائے گی، امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ محقق جامعہ سلفیہ بنارس جیسے لوگ جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخانہ کلام کرتے ہیں وہ ان کی ہذیانیات اور ان کی بکواس ہوتی ہے، جس پر کان نہیں دھرا جا سکتا۔

محقق موصوف امام شعرانی کا یہ کلام بھی ملاحظہ فرمائیں اور اپنا دماغ درست کریں، امام شعرانی فرماتے ہیں۔ حاشاہ رضی اللہ عنہ من القول فی دین اللہ بالرای الذی لا یشهد له ظاهر کتاب ولا سنة ومن نسبه الی ذلک فبینه وبین الموقف الذی یشیب فیه المراد (ص۵۱)

یعنی حاشا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خدا کے دین میں اپنی اس رائے سے کام لیں جس کی نہ کتاب اللہ موافقت کرتی ہے نہ حدیث رسول، جس شخص نے امام موصوف کو یہ تہمت لگائی ہے وہ اس موقف حساب میں جواب دہ ہوگا جہاں بچوں کے بال سفید ہو جائیں گے۔

اور امام شعرانی نے یہ بات جو فرمائی ہے تو ان کی یہ بات محقق موصوف کی بات کی طرح ہوائی نہیں ہے اور نہ ان کی گرامی قدر شخصیت اٹکل پچو سے بات کرنے والی ہے، بلکہ وہ ایک ذمہ دار محقق عالم دین اور امام شریعت اور صاحب باطن اور صاحب مقامات اللہ کے ولی ہیں، انھوں نے حضرت امام اعظم کے فقہ کے مسائل کو جانچا ہے پرکھا ہے اور اس میں خاصا وقت صرف کیا ہے، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں۔

وقد تتبعت بحمد الله اقواله واقوال اصحابه لما الفت ادلة المذاهب فلم اجد قولا من اقواله واقوال اتباعه الا وهو مستند الی آية او حديث او اثر او الی مفهوم ذلك او حديث ضعيف كثرت طرقه او الی قياس صحيح علی اصل صحيح۔ ص۵۵/۱۲

یعنی میں نے امام اعظم اور ان کے اصحاب کے اقوال کی چھان بین کی ہے، یہ اس وقت کیا جب میں نے ادلۃ المذاہب کتاب کی تصنیف کی، تو میں نے نہ امام صاحب کا اور نہ ان کے شاگردوں میں سے کسی کا قول ایسا نہیں پایا جس کی سند میں کوئی آیت کوئی حدیث کوئی اثر نہ ہو اگرچہ حدیث ضعیف ہے تو اس کے طرق کثیر ہیں، یا ان کے اقوال کی بنیاد کسی اصل صحیح پر قیاس صحیح کی ہے۔

اور پھر دوسروں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فاترك يا اخی التعصب علی الامام ابی حنيفة واصحابه رضی الله عنهم اجمعين واياك تقليد جاهلين باحواله وما كان عليه من الورع والزهد والاحتياط فی الدين فتقول ان ادلته ضعيفة بالتقليد فتحشر من الخاسرين وتتبع ادلته كما تتبعناها۔ تعرف ان مذهبه رضی الله عنه من اصح المذاهب كبقية مذاهب المجتهدين رضی الله عنهم۔

یعنی پس اے میرے بھائی تو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف تعصب کو چھوڑ دے، اور ان کی تقلید سے دور رہ جو امام کے حالات اور انکے

تقویٰ و پرہیزگاری اور دین میں احتیاط سے جاہل ہیں، اور تو تقلید اکیے کہ انکے دلائل کمزور ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تیرا حشر گھاٹے والوں کے ساتھ ہوگا، تو انکے دلائل کی اسی طرح چھان بین کر جس طرح میں نے کی ہے تو ان کے مذہب کو بقیہ ائمہ مجتہدین کے مذاہب کی طرح صحیح تر مذہب پائے گا۔ (۱)

امام شعرانی کی یہ عبارتیں اور امام صاحب کے بارے میں ان کے یہ خیالات بتلا رہے ہیں کہ جامعہ سلفیہ کا بدزبان شیخ الحدیث و مفتی کا حشر کس کے ساتھ ہوگا اور اس کا شمار کس نوع کے لوگوں میں ہے۔

## تمام مقلدین مذاہب اربعہ کے خلاف جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث کی بدزبانی کا نمونہ

ابھی تک تو جامعہ سلفیہ بنارس کا یہ جاہل شیخ الحدیث نام لئے بغیر امام اعظم اور ان کی فقہ کو نشانہ طعن بنا رہا تھا، اب جب اس کی غیر مقلدیت نے جوش مارا اور شیطان اس پر پوری طرح مسلط ہوگیا تو اس نے تمام مقلدین کے خلاف بدزبانی و گندہ دہنی کا مظاہرہ کچھ اس طرح کیا، لکھتا ہے:

"یہ معلوم و معروف حقیقت ہے کہ تقلید پرستی علوم قرآن و حدیث و نصوص کے منافی ہے اور متعدد آیات و احادیث نبویہ و آثار صحابہ و تابعین میں تقلید پرستی سے منع کیا گیا ہے، مگر تقلید پرستی کی دیوی کے پرستار اپنی عیاری و مکاری و فریب کاری کے ذریعہ بعض قرآنی نصوص میں معنوی تحریف کر کے انھیں نص قرآنی کو تقلید پرستی والی اپنی دیوی کی پرستش پر تاویل و شبہات آفرینی کے ذریعہ دلیل و حجت بنالیتے ہیں" ص ۱۲

پہلے کوئی اس جاہل علامہ سے پوچھے کہ خط کشیدہ دونوں عبارتیں کس زبان میں اس نے لکھی ہیں، اور ان دونوں عبارتوں کا مطلب کیا ہے، اردو لکھنے کا سلیقہ نہیں ہے منہ پھاڑے محض قلم چلا کر علامہ بنتے ہیں، تف ہے تمہاری اس قابلیت پر۔

اور پھر کوئی اس محقق سے پوچھے کہ اگر تقلید حرام و شرک اور نصوص قرآنی کے خلاف ہے

---

(۱) از مقالات ابی المآثر۔

تو ساری دنیا اس شرک میں کیسے مبتلا ہو گئی ، اور یہ دنیا وہ ہے جس میں غیر مقلدوں کا نشان چیونٹی کی پرچھائیں سے بھی کم نظر آتا ہے ۔

اگر تقلید شرک ہے اور خلاف نصوص ہے تو شیخ جیلانی ، حافظ ابن حجر ، حافظ ابن عبدالبر حافظ ابن رجب کے بارے میں کیا فیصلہ ہے ۔ ان کے بارے میں جامعہ سلفیہ کا مفتی کیا فتویٰ صادر کرتا ہے ۔

علمائے مقلدین کے خوان علم سے فائدہ اٹھاکر علماء میں شمار ہونے والے یہ غیر مقلدین کس قدر بے حیا ، بے غیرت اور ناشکرے ہیں کہ جن مقلدین کے علمی اثاثہ کی بدولت یہ اس لائق ہوئے ہیں کہ وہ کسی جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث و مفتی بن جاتے ہیں انھیں مقلدین کے خلاف انکی یہ بکواس ، اللہ رے تیری شان ۔

## حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ کے خلاف جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث و مفتی کی بدزبانی و ہرزہ سرائی

محقق موصوف حضرت امام اعظم کے خلاف اب تک تو بلا نام لئے بکواس کرتے رہے اب جب ان پر شیطان پوری طرح سوار ہو گیا ہے ، تو حضرت امام اعظم کا نام لے کر ان کے خلاف جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث صاحب نے یہ غلاظت اپنے منہ سے باہر کی ہے ، چنانچہ فرماتے ہیں :

۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ امت مسلمہ میں قرن صحابہ کرام کے اختتام میں ظہور پذیر ہونے والے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت فرقہ اہل الرائے کے بہت بڑے حامی و مبلغ مناظر و متکلم تھے جو ۸۰ھ میں بلاد عربیہ اسلامیہ سے کافی دور خراسان کے شہر نسا یا اس کے مضافات میں پیدا ہوئے اور ائمہ جہمیہ و مرجیہ و معتزلہ سے تعلیم و تربیت پاکر مختلف خراسانی شہروں و بلاد و قصبات و دیہاتوں کا اپنے والد کے ساتھ گشت کرتے ہوئے لگ بھگ سنہ ۱۰۲ھ میں عراق راجدھانی کوفہ میں نزول پذیر ہوئے اور اسی کو اپنا مرکز و ہیڈ کواٹر بنایا اور مختلف عراقی و

غیر عراقی مقامات میں اپنے مسلک و مذہب سے متعلق بازار مباحثہ و مناظرہ و مجادلہ و مکالمہ گرم کیا پھر کسی مصلحت کے تحت کوفہ میں قائم مرجیہ کی درسگاہ حماد بن ابی سلیمان میں لگ بھگ ۱۰۲ھ ۱۰۱ھ میں مرجی فقہ پڑھنے کیلئے داخل ہوئے۔ ص۱۲

داد دیجئے اس زبان و بیان کی اور قربان جائیے اس اچھوتی تقریر دلپذیر پر اور فدا ہوئیے اس نادر و نایاب تحقیق پر، اور نثار ہوئیے محقق موصوف کے علم کی گہرائی و گیرائی پر، یہ دیوانہ محقق صرف زبان قلم چلاتا جاتا ہے اس کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کے قلم سے کیا نکلتا ہے اور اہل علم اس کی اس طرح کی باتوں کو پڑھ کر اس کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے، اس کے دماغ و ذہن پر بغض امام اعظم کا ایسا بھوت سوار رہتا ہے کہ اس کو اپنی متضاد باتوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا اس سے پہلے وہ صفحہ ۹ پر لکھتا ہے :

"آخری صحابی ابو الطفیل عامر بن واثلہ لیثی ۱۱۰ھ ۱۱۱ھ میں فوت ہوئے جن کی وفات کے ساتھ قرن صحابہ کا خاتمہ ہوگیا"

یعنی یہاں تو وہ قرن صحابہ کے ختم کا آخری سال ۱۱۰ھ یا ۱۱۱ھ کو بتلاتا ہے، اور جب امام ابو حنیفہ کا ذکر کیا تو کہتا ہے کہ ۸۰ھ میں قرن صحابہ کا اختتام ہوگیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محقق موصوف صرف قلم چلاتا جاتا ہے، اور اس کی باتیں صرف بغض و حسد کے جذبہ سے ہوتی ہیں اور یہ مخبوط الحواس آدمی ہے۔

اہل علم موصوف کی اس تقریر دلپذیر سے محظوظ ہوئے ہوں گے، محقق موصوف کی مزید نادر تحقیقات کی سیر کریں، عرض کیا جاتا ہے بلکہ تحقیقات علمیہ کا دریا بہایا جاتا ہے۔

"الحاصل اختتام دور صحابہ پر امام ابو حنیفہ اہل الرای بلکہ امام اہل الرای اور مذہب اہل الرائی کی طرف سے زبردست مناظر و مجادل و مدافع کے طور پر ظہور پذیر ہوئے"

ابھی اس نے یہ کہا تھا کہ امام ابو حنیفہ دور صحابہ کے اختتام پر پیدا ہوئے تھے اور اب یہ کہہ رہا ہے کہ وہ دور صحابہ کے اختتام پر زبردست مناظر، مجادل و مدافع کے طور پر ظہور پذیر ہوئے ہے اس کی اس بکواس کا کسی کے پاس کوئی جواب۔

---

(۱) ماشاء اللہ کیا اردو ہے، ادب عالی کا نادر نمونہ۔

مزید گوہر افشانی کی جاتی ہے۔

"انھیں علم حدیث سے محض برائے نام لگاؤ رہا ورنہ ان کی تمام تر دلچسپی لگاؤ
وحمایت مذہب اہل الرای بالخصوص مذہب مرجیہ، جہمیہ، معتزلہ سے رہی،
کیونکہ یہی ان کا پسندیدہ اختیار کردہ مذہب ومسلک وموقف تھا"

محقق صاحب کی ان نادر تحقیقات پر غیر مقلدین جھومتے ہوں گے، اور جامعہ سلفیہ بنارس کی علمی شہرت آسمان پر پہنچ چکی ہوگی، مگر اہل علم موصوف کی ان تحقیقات کو دیوانہ کی بڑ سمجھتے ہیں، ہم اس پاگل اور جاہل محقق کی ان جاہلانہ باتوں کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، اور نہ ان کا جواب دینا میرے بس میں ہے، البتہ ناظرین کے سامنے اس محقق کا جہل واضح کرنے کے لئے خود جماعت غیر مقلدین کے چند اکابر کی امام اعظمؒ کے بارے میں شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

# امام صاحب کے بارے میں علمائے اہلحدیث کی شہادتیں

مذہب اہلحدیث کے مشہور عالم مولانا حافظ ابراہیم سیالکوٹی کی بہت مشہور کتاب تاریخ اہلحدیث دو حصوں میں ہے، اس کتاب میں امام صاحب کے بارے میں بڑی تفصیلی گفتگو ہے ہم اسی کتاب سے چند باتیں ناظرین کی ضیافت طبع کیلئے اور جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث کی جہالت اور اس نے امام اعظم کی شان میں جو بکواسیں کی ہیں اس کی حقیقت واضح کرنے کے لئے نقل کرتے ہیں، اس کتاب کے صفحہ ۷۱؍۲ پر مولانا محمد ابراہیم صاحب فرماتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طریق اجتہاد محدثین علیہم الرحمۃ کے طریقہ سے جدا ہے ........ اس کا جواب دیانت وادب ہر دو امروں کو ملحوظ رکھ کر یہ ہے کہ حضرت امام صاحب اہل سنت اور اہل حدیث کے پیشوا تھے۔

مزید فرماتے ہیں:

یہ معلوم ہے کہ آپ مرسل روایت کو امام مالک کی طرح مطلقاً حجت مانتے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہے کہ آپ قیاس کے مقابلہ میں ضعیف حدیث کو مقدم جانتے ہیں۔

. . . . . . بھلا وہ شخص جو صحابی کے قول کے سامنے بھی قیاس نہ کرتا ہو وہ صحیح حدیث کو عمداً کس طرح ترک کر سکتا ہے ۔ ص ۲۷۳

حافظ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا امام اعظم کے بارے میں منہاج السنۃ سے یہ کلام نقل کرتے ہیں :

کوئی شخص بھی ان کی فقاہت اور فہم اور علم میں شک نہیں کر سکتا، لوگوں نے آپ سے بہت سی چیزیں نقل کی ہیں جن سے ان کا مقصد آپ پر برائی تھوپنا ہے حالانکہ وہ باتیں آپ پر قطعی طور پر جھوٹ ہیں۔[1] (ص ۵ از منہاج ص ۲۵۹)

حافظ صاحب ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں ؛

امام مالک، امام احمد، امام ابوحنیفہ وغیرہم ائمہ سلف میں سے ہیں ص ۵

(از منہاج السنۃ ص ۲۴۳/۲۶ و ص ۲۴/۲۴۱)

حافظ صاحب فرماتے ہیں ۔

اسی طرح حافظ ذہبی آپ کی جلالت شان کے بدل قائل ہیں چنانچہ اپنی مایہ ناز کتاب میزان الاعتدال کے شروع میں فرماتے ہیں ۔

اور اسی طرح میں اس کتاب میں ان ائمہ کا ذکر نہیں کروں گا جن کی احکام شریعت میں پیروی کی جاتی ہے، کیونکہ ان کی شان اسلام میں بہت بڑی ہے، اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی عظمت بہت ہے، مثلاً امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام بخاری ۔

اسی طرح حافظ ذہبی اپنی دوسری کتاب تذکرۃ الحفاظ میں آپ کے ترجمہ کا عنوان کو معزز لقب امام اعظم سے مزین کر کے آپ کا جامع اوصاف حسنہ ہونا ان الفاظ میں ارقام فرماتے ہیں ۔

| | |
|---|---|
| کان اماما ورعا عالما عاملا | آپ دین کے پیشوا صاحب ورع |
| متعبدا کبیر الشان لایقبل | نہایت پرہیزگار عالم باعمل تھے |

---

(۱) انہیں جھوٹی باتوں کے سہارے جامعہ سلفیہ بنارس کا جاہل محقق امام اعظم کی شان میں بکواس کرتا ہے ۔

جوائز السلطان بل یتجر دیکتسب۔ | بادشاہوں کے انعامات قبول نہیں کرتے تھے بلکہ تجارت کرکے اپنی روزی کماکر کھاتے تھے۔

سبحان اللہ کیسے مختصر الفاظ میں کس خوبی سے ساری حیات طیبہ کا نقشہ سامنے رکھ دیا ہے اور آپ کی زندگی کے ہر علمی اور عملی شعبہ اور قبولیت عامہ اور فنائے قلبی اور حکام وسلاطین سے بے تعلقی وغیرہ وغیرہ فضائل میں سے کسی ضروری امر کو چھوڑ نہیں رکھا، (ص۵۸)

اور حافظ ابراہیم صاحب حافظ ابن حجر کے حوالہ سے امام ابوحنیفہ کی تعریف کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں۔

حافظ ذہبی کے بعد خاتمہ الحفاظ حافظ ابن حجر کو بھی دیکھئے، علوم حدیثیہ وتاریخیہ میں ان کے تبحر وفضل وکمال اور احوال رجال سے پوری آگاہی کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، آپ تہذیب التہذیب میں جو اصل میں امام ذہبی کی کتاب تہذیب کی تہذیب ہے، امام ابوحنیفہ کے ترجمہ میں آپ کی دینداری اور نیک اعتقادی اور صلاحیت عمل میں کوئی بھی خرابی اور کسر بیان نہیں کرتے بلکہ بزرگان دین سے ان کی ازحد تعریف نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں الناس فی ابی حنیفة حاسد او جاهل یعنی حضرت امام ابوحنیفہ کے متعلق بری رائے رکھنے والے کچھ تو حاسد ہیں اور کچھ جاہل ہیں۔ سبحان اللہ کیسے اختصار سے دو حرفوں میں معاملہ صاف کر دیا ہے۔ ص۶۰

حضرات، آپ حضرات نے گزشتہ صفحات میں جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث موصوف کی بہکی بہکی جاہلانہ باتیں بھی پڑھیں جو انھوں نے حضرت امام اعظم اور فقہ حنفی کے خلاف بکی ہیں، اور اب آپ نے جماعت اہلحدیث کے نہایت ذمہ دار عالم حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی کا حضرت امام اعظم کے بارے میں مذکورہ بالا کلام بھی ملاحظہ فرمایا، آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ قابل قبول بات کون سی ہے۔ اور امام اعظم کی شان میں جامعہ سلفیہ کے بکواسی اور دیوانے شیخ الحدیث کی

باتوں میں کتنا وزن دھرا ہے۔

# حضرت امام اعظم کے مقبول عنداللہ ہونیکی کھلی نشانی

حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب ان باتوں کو جن کا تذکرہ اوپر گذر چکا نقل کرنے کے بعد حضرت امام اعظم کے مقبول عنداللہ ہونے کی ایک اور شہادت خود اپنے گذرے ہوئے واقعہ سے نقل کرتے ہیں، حافظ صاحب کا کلام ملاحظہ ہو: فیض ربانی، کا عنوان قائم کرکے حافظ ابراہیم صاحب لکھتے ہیں۔

"ہر چند کہ میں سخت گنہگار ہوں لیکن یہ ایمان رکھتا ہوں اور اپنے صالح اساتذہ جناب مولانا عبداللہ عبیداللہ غلام حسن مرحوم سیالکوٹی اور حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم محدث وزیرآبادی کی صحبت و تلقین سے یہ بات یقین کے رتبہ تک پہونچ گئی ہے کہ بزرگان دین خصوصاً حضرات ائمہ متبوعین سے حسن عقیدت نزول برکات کا ذریعہ ہے۔ اس لئے بعض اوقات خدائے تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے کوئی فیض اس ذرہ بیمقدار پر نازل کر دیتا ہے، اس مقام پر اس کی صورت یہ ہوئی کہ جب میں نے اس مسئلہ کیلئے (یعنی مسئلہ ارجاء کیلئے) کتب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام اعظم صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آ گیا جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن کے دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا یکایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا گویا ظلمت بعضھا فوق بعض کا نظارہ ہوگیا، معاً خدائے تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بدظنی کا نتیجہ ہے اس سے استغفار کرو، میں نے کلمات استغفار دھرانے شروع کئے وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے اور ان کے بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا، اس وقت سے میری

حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت اور زیادہ ہوگئی۔ ص۴۲

اور پھر خاتمۃ الکلام کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں :

اب میں اس مضمون کو ان کلمات پر ختم کرتا ہوں اور اپنے ناظرین سے امید رکھتا ہوں کہ وہ بزرگان دین خصوصًا ائمہ متبوعین سے حسن ظن رکھیں اور گستاخی اور شوخی اور بے ادبی سے پرہیز کریں کیونکہ اس کا نتیجہ ہر دو جہان میں موجب خسران و نقصان ہے۔

اور پھر فرماتے ہیں۔ کہ ائمہ دین کے ساتھ شوخی و بدگوئی اور بدگمانی یہ شیعیت اور خوارج اور دین سے باہر ہونے والی کی علامت ہے۔ ص۴۷

ہم نے بڑی دراز نفسی سے کام لیا ہے اور حافظ ابراہیم صاحب کا ان کی معتبر کتاب تاریخ اہلحدیث سے طول طویل کلام نقل کیا ہے، اس لئے کہ حافظ صاحب اس جماعت اہلحدیث کے بزرگ ترین عالم دین اور اس جماعت کے سربراہوں میں سے تھے، ان کی بات کا کوئی محقق جامعہ سلفیہ جیسا سرپھرا انسان ہی انکار کرسکتا ہے۔

حافظ صاحب کی کتاب کے ان مختلف اقتباسات سے دین و شریعت میں حضرت امام اعظم کا اور فقہ حنفی کا مقام واضح ہوتا ہے، اور ان کے مقابلہ میں شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ کی تحقیقات کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے، اگر محقق جامعہ سلفیہ میں دم خم ہے تو حافظ ابراہیم سیالکوٹی کا رد کرے اور ان کا غلط ہونا ثابت کرے، ورنہ حافظ صاحب کی باتوں کی روشنی میں وہ معلوم کرے کہ اس کا شمار کس قسم کے لوگوں میں سے ہے اور اس کا ٹھکانا کہاں ہے، اور اس کی عاقبت کیسی ہوگی۔

## مولانا میاں صاحب شیخ الکل فی الکل کا ارشاد کہ جو ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرے وہ چھوٹا رافضی ہے

اسی تاریخ اہلحدیث کے ص۴۷ کے حاشیہ میں ہے کہ

حضرت میاں صاحب مرحوم دہلوی یعنی شیخ الکل کا ارشاد تھا کہ جو ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرتا ہے ہم اس کو چھوٹا رافضی جانتے ہیں ۔

علاوہ بریں میاں صاحب مرحوم معیار الحق میں حضرت امام صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں ۔ امامنا وسیدنا ابوحنیفة النعمان افاض الله علیه سثأبیب العفو والغفران (ص۲)

## حضرت میاں صاحب کی شہادت کہ حضرت امام اعظم متبع سنت تھے

نیز اسی حاشیہ میں حافظ ابراہیم صاحب امام صاحب کے بارے میں میاں صاحب کا یہ کلام نقل کرتے ہیں ۔ ان کا یعنی امام اعظم رحمہ اللہ کا ، مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی و پرہیزگار ہونا کافی ہے ، ان کے فضائل میں آیت کریمہ ان اکرمکم عند الله اتقاکم زینت بخش مراتب ان کے لئے ہے ۔ (معیار الحق ص۵)

اکابر غیر مقلدین کی ان ٹھوس شہادتوں کے بعد جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث و مفتی کی ہرزہ سرائی و بکواس جو اس نے امام صاحب کے بارے میں اپنے خبث کو ظاہر کرنے کے لئے کی ہے ، بادر ہوا ہو جاتی ہے ، اور یہ شہادتیں اس کا چھوٹا رافضی ہونا واضح کرتی ہیں ۔

## نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی مجدد سلفیت کی امام ابوحنیفہ کے بارے میں گواہی

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے التاج المکلل میں امام صاحب کا ذکر کیا ہے ان کے ترجمہ میں نواب صاحب فرماتے ہیں ۔

کان عالماً عاملاً زاهداً عابداً ورعاً تقیاً کثیر الخشوع دائم التضرع الی الله ۔

حضرت امام اعظم کتاب و سنت کے عالم ، شریعت پر عمل کرنے والے زاہد

عابد پرہیزگار متقی بہت زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور ہمیشہ اللہ کی طرف تضرع و عاجزی کرنے والے تھے۔

وقال الشافعی من اراد ان یتبحر فی الفقه فهو عیال علی ابی حنیفة وکان ابوحنیفة ممن وفق له الفقه۔

یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص فقہ میں تبحر اور کمال حاصل کرنا چاہے وہ امام ابوحنیفہ کی فقہ کا محتاج ہے، امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے لئے فقہ ان کا مزاج بنا دی گئی تھی۔

وقال ابن المبارك قلت لسفیان الثوری یا عبداللہ ما ابعد ابا حنیفة عن الغیبة ما سمعت یغتاب عدواله قط؟ فقال هو اعقل من ان یسلط علی حسناته ما یذهبها۔ یعنی عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری سے کہا کہ حضرت امام ابوحنیفہ غیبت سے بہت دور رہتے ہیں، میں نے کبھی نہیں سنا کہ انھوں نے اپنے کسی دشمن کی غیبت کی ہو؟ تو حضرت سفیان نے فرمایا وہ اتنے کم عقل نہیں ہیں کہ اپنی نیکیوں پر اس بات کو مسلط کریں جس سے انکی نیکیاں برباد ہو جائیں۔

پھر نواب صاحب فرماتے ہیں: ومناقبه وفضائله کثیرة یعنی ان کے مناقب و فضائل بہت ہیں۔

## مولانا داؤد غزنوی کے یہاں ائمہ اربعہ کا مقام

مولانا داؤد غزنوی کے صاحبزادے سید ابوبکر غزنوی نے اپنے والد کی سوانح حیات مرتب کی ہے، اس کتاب میں بعض حضرات کے مولانا داؤد غزنوی پر مفصل مقالے ہیں، ایک مقالہ ڈاکٹر اسرار احمد کا ہے، وہ اپنے اس مقالہ میں لکھتے ہیں کہ مولانا داؤد غزنوی فرماتے تھے کہ دوسرے لوگوں کو یہ شکایت کہ اہلحدیث حضرات ائمہ اربعہ کی توہین کرتے ہیں

بلا وجہ نہیں ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے حلقہ کے عوام اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ائمہ اربعہ کے احوال کا تذکرہ حقارت سے کرتے ہیں، یہ رجحان سخت گمراہ کن اور خطرناک ہے ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہئے ص۸۵

## جماعت اہلحدیث کو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی بددعا لیکر بیٹھ گئی ہے — مولانا داؤد غزنوی کا تاثر

اسی کتاب میں مولانا اسحاق بھٹی کا بھی مولانا داؤد غزنوی پر ایک طویل مقالہ ہے، مولانا بھٹی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

ائمہ کرام کا ان کے دل میں انتہائی احترام تھا، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی بے حد عزت سے لیتے، ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر تھا کہ جماعت اہلحدیث کی تنظیم سے متعلق گفتگو شروع ہوئی، بڑے دردناک لہجہ میں فرمایا۔ مولوی اسحاق! جماعتِ اہلحدیث کو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی بددعا لیکر بیٹھ گئی ہے ہر شخص ابو حنیفہ ابو حنیفہ کر رہا ہے کوئی بہت عزت کرتا ہے تو امام ابو حنیفہ کہہ دیتا ہے پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ، اگر کوئی بہت بڑا احسان کرے تو وہ انھیں سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے، جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد و یکجہتی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔

یا غربۃ العلم انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ ص۱۳۶

## حضرت امام اعظم کی شان میں گستاخی کرنیوالا غیر مقلد مرتد ہو گیا

اسی کتاب میں مولانا داؤد غزنوی کے مقالات سے کچھ اقتباسات نقل کئے گئے ہیں، ایک مقالہ میں مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اور ہمارے مدرسہ کا حال سنیے، ایک روز والد بزرگوار (مولانا عبدالجبار غزنوی)
کے درس بخاری میں ایک طالب علم نے کہ دیا کہ امام ابوحنیفہ کو پندرہ حدیثیں یاد
تھیں مجھے ان سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں، والد صاحب کا چہرہ مبارک غصہ سے
سرخ ہو گیا، اس کو حلقہ درس سے نکال دیا اور مدرسہ سے خارج کر دیا اور لفظ اتقوا فراسة المومن فانہ ینظر بنور اللہ فرمایا کہ اس کا شخص کا خاتمہ دین پر نہیں
ہوگا، ایک ہفتہ نہیں گزرا تھا کہ معلوم ہوا کہ وہ طالب علم مرتد ہو گیا ہے۔ ص ۳۸۴

یہ تمام نقول ان اکابر اہلحدیث کے ہیں جن کا علمی پایہ جماعت اہلحدیث میں مسلم ہے، اور
جن کے سامنے جامعہ سلفیہ کے محقق شیخ الحدیث و مفتی کی اتنی حیثیت بھی نہیں ہے جتنی جا نوروں
کے بول وبراز کی ہوتی ہے۔ ان اکابر اہلحدیث کے ان اقوال اور تصریحات سے امام اعظم
ابوحنیفہ کا دین و شریعت اور امت میں مقام و مرتبہ واضح ہوتا ہے۔ اب جامعہ سلفیہ بنارس
کا شیخ الحدیث بتلائے کہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں جو ان کی تحقیقات ہیں اسے صحیح سمجھا جائے یا اس
کے اکابر اور جماعت اہلحدیث کے فحول علماء کی امام اعظم کے بارے میں جو تحقیقات ہیں اس کو صحیح
سمجھا جائے۔

## دیوانہ محقق یا جامعہ سلفیہ کا شیخ الحدیث

یہ شخص جو جامعہ سلفیہ کی بدقسمتی سے جامعہ سلفیہ کا شیخ الحدیث بنا ہوا ہے، بالکل
بے سر کی ہانکتا ہے، ذرا عراق اور کوفہ کے بارے میں اس کی تحقیق ملاحظہ ہو، فرمایا جاتا ہے۔

"اسلام کی جڑ بنیاد کھودنیوالے اور کاٹنے والے تمام ہی فرقے تارکین نصوص شرعیہ ہیں جنکی بہت سی شاخیں
ہیں نصوص شاخوں میں سے احناف (حنفیہ) بھی ایک شاخ ہے انھیں میں ایک فرقہ اہل الرای کا ہے، احناف حنفیہ بھی ایک شخص ہے کہ
(ماشاء اللہ کیا اردو ہے) حنفیہ کا مرکز اور گڑھ عراق بالخصوص کوفہ ہے، اگرچہ وہاں
کچھ صحابہ اور ان کے ہم مسلک صحابہ کرام و تابعین عظام بھی سکونت پذیر رہے،
ہمارے رسول فرما چکے تھے عراق فتنوں و مفاسد کی سرزمین ہے، عراق سے
قرن شیطان یعنی شیطانی گروہ و شیطانی سرکردہ ظہور ہوگا، عراق کے لوگوں

کا ایک خاص وصف متعدد صحابہ[1] نے یہ بتلایا ہے کہ یہ لوگ بڑے کذاب وافتراء پرداز اور اکاذیب پرست ہوتے ہیں۔ (مختصراً) ص ۱۲-۱۳

موصوف کی تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔ (۱) احناف تارکین نصوص ہیں، (۲) حنفیہ اسلام کی جڑ اکھاڑنے والا فرقہ ہے۔ (۳) کوفہ میں کچھ صحابہ تھے۔ (۴) صحابہ بھی گروہ بندیوں کا شکار تھے، (کوفہ میں کچھ صحابہ اور ان کے ہم مسلک صحابہ کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہوسکتا ہے) (۵) موصوف کا اشارہ شیطانی گروہ سے احناف ہیں (۶) امام ابوحنیفہ کی طرف شیطانی سرکردہ سے اشارہ کیا جارہا ہے (۷) متعدد صحابہ نے بتلایا ہے کہ کوفہ کے لوگ بڑے کذاب وافتراء پرداز اور اکاذیب پرست ہوتے ہیں۔

ماشاء اللہ تحقیقات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی پاگل اونٹ کو صحرا میں چھوڑ دیا گیا ہے اور وہ سرپٹ دائیں بائیں دیکھے بغیر بھاگا چلا جارہا ہے۔ میں ان شاندار سلفی تحقیقات کا جواب دینے سے قطعاً عاجز ہوں۔

بکتے جاؤ جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث تمہاری زبان اور قلم کو کون پکڑنے والا ہے میں اس پاگل دبد زبان جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث کے لئے نہیں بلکہ زمزم کے قارئین کے لئے چند باتیں عرض کرتا ہوں، آپ نے گزشتہ صفحات میں پڑھا کہ اکابر جماعت غیر مقلدین کا حضرت امام اعظم اور فقہ حنفی کے بارے میں کیا رائے تھی، ایک حوالہ اور ملاحظہ فرمائیں نواب صاحب الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ میں خیر القرون قرنی والی حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں کہ پہلا قرن صحابہ کرام کا ہے، اور دوسرا قرن تابعین کا اور تیسرا قرن تبع تابعین کا پھر فرماتے ہیں کہ اس تیسرے طبقہ میں الامام جعفر صادق وابوحنیفۃ النعمان بن ثابت الامام الاعظم ومالك والاوزاعی والثوری وابن جریج وشعبہ وبعض تلامذھم کیحییٰ بن سعید وعبد اللہ بن المبارك ومحمد بن حسن الشیبانی ومحمد بن ادریس الشافعی وغیرھم وھذہ الطبقات الثلاث ھی المشھود لھا بالخیر علی لسان نبیھا صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اس بے شرم محقق کو شرم نہ آئی کہ صحابہ کرام کی طرف ایسی بات منسوب کی اور حوالہ نہ کتاب کا دیا اور نہ کسی صحابی کا نام لیا جس نے کوفہ والوں کا وصف کذاب ہونا افتراء پرداز ہونا اور اکاذیب پرست ہونا بتلایا ہو۔

كما قال خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم وهم الصدر الاول والسلف الصالح والمحتج بهم في كل باب وعليهم المعول وبهم المستمسك في جميع الاحوال والاعمال والاخلاق والاحكام عند اولي الالباب۔ (ص۹۱ طبع بیروت)

یعنی تیسرے طبقہ میں سے امام ابوجعفر صادق ہیں اور ابوحنیفہ نعمان بن ثابت امام اعظم ہیں، اور مالک ہیں، اوزاعی ہیں، ثوری ہیں اور ابن جریج ہیں، شعبہ ہیں اور ان حضرات کے بعض تلامذہ ہیں جیسے یحییٰ بن سعید عبداللہ بن مبارک محمد بن حسن شیبانی (یہ تینوں امام اعظم کے تلامذہ ہیں) اور محمد بن ادریس الشافعی ہیں، اور یہی تینوں طبقات (یعنی صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے طبقات) وہ ہیں جن کی خیریت وفضیلت کی شہادت زبان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اور یہی لوگ صدر اول کہلاتے ہیں اور یہی لوگ سلف صالح کہے جاتے ہیں، انھیں سے ہر باب میں دلیل پکڑی جاتی ہے اور انھیں پر اعتماد کیا جاتا ہے، اور تمام احوال واعمال واخلاق واحکام میں عقل والوں کے نزدیک انھیں کے دامن کو تھاما جاتا ہے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ مجدد جماعت اہلحدیث کے نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا کیا مقام تھا، امام اعظم ان لوگوں میں سے تھے کہ بقول نواب صاحب جن کے خیر اور افضل امت ہونے کی گواہی آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دی، اور امام اعظم ان لوگوں میں سے تھے جو دین وشریعت کے ہر باب اور ہر شعبہ میں بقول نواب صاحب حجت تھے، امام اعظم ان لوگوں میں سے تھے کہ بقول نواب صاحب تمام اہل بصیرت واہل عقل کے نزدیک انکے اخلاق واعمال دوسروں کے لئے نمونہ عمل تھے۔

آہ، جو ذات کہ مقام ومرتبہ کی اس بلندی پر تھی جامعہ سلفیہ بنارس کا جنون زدہ حسد کا مارا کینہ سے بھرا شیخ الحدیث ومفتی اس کے بارے میں کیسی بکواس کرتا ہے، اس بے عقل وبے بصیرت السان کا ٹھکانہ کہاں ہوگا اور اس کا حشر کن لوگوں کے ساتھ ہوگا۔

ناظرین یہ بھی غور فرمائیں کہ نواب صاحب بھوپالی نے تیسرے طبقہ کے منتخب

افراد کے ناموں کی جو فہرست دی ہے اس میں دوسرا نام حضرت امام ابوحنیفہ کا بھی ہے،
اور ان تمام ناموں میں صرف امام جعفر کے ساتھ اور امام ابوحنیفہ کے ساتھ لفظ "امام" کو
ذکر کیا ہے اور کسی کے ساتھ بھی امام کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے، پھر امام جعفر کو صرف امام
کہا ہے اور امام ابوحنیفہ کو امام اعظم سے یاد کیا ہے، یہ ہے امام ابوحنیفہ کی عظمت و بلندی
اور اللہ کے یہاں ان کی مقبولیت ومحبوبیت، اور امام ابوحنیفہ کی یہی عظمت و بلندی اور مقبولیت
ومحبوبیت امام ابوحنیفہ کے دشمنوں کو مارے ڈالتی ہے، اور ان کی زبان سے حضرت امام صاحب
کی شان میں تعفنات کے فوارے ابلتے ہیں مگر یہ بدعقل یہ نہیں جانتے کہ لاحیلة فی
وضع من رفعه الله، یعنی جس کو اللہ بلند کرے اس کو پست کرنے میں کوئی کوشش
کامیاب نہیں ہوسکتی۔

## کیا کوفہ میں کچھ ہی صحابہ کرام تھے؟

یہ جاہل محقق کہتا ہے کہ کوفہ میں کچھ ہی صحابہ کرام تھے، اس نے یہ نہیں بتلایا کہ یہ کچھ کتنے
تھے اگر وہ یہ بتلا دیتا تو اس کا کذب کھل جاتا اور اس کا دروغ بے فروغ ہوجاتا اور اسکے
علم وتحقیق کی حقیقت لوگوں کو معلوم ہوجاتی۔ سنئے کہ کوفہ میں رہنے والے صحابہ کرام کی
تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار تھی، جن میں ستر تو صرف بدری صحابہ تھے، یہ ان لوگوں کی تعداد ہے
جو کوفہ میں مقیم تھے، ورنہ جو لوگ کوفہ میں کچھ وقت گزار کر کہیں اور منتقل ہوگئے، ان کو بھی شمار
کیا جائے تو یہ تعداد دوگنی سے زیادہ ہوجائے گی۔

## کوفہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے آباد کیا گیا

کوفہ کا تذکرہ جس انداز میں جامعہ سلفیہ کا محقق کرتا ہے، ناظرین نے اسکو ملاحظہ
کر لیا مگر اس جاہل نے یہ نہیں بتلایا کہ کوفہ کس کے حکم سے بسا اور کس کے حکم سے اس کی تعمیر
ہوئی اور کس کے ہاتھ پر اس کی تعمیر ہوئی، شاید اس محقق کو پتہ ہی نہیں کہ کوفہ حضرت عمر
کے حکم سے ۱۷ھ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے تعمیر کیا گیا، جو لوگ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بصیرت، روشن ضمیری اور فراست ایمانی سے واقف ہیں کیا وہ اس کا وہم بھی کر سکتے ہیں کہ کوفہ کی سرزمین ایسی ہی تھی جس کا نقشہ جامعہ سلفیہ کا محقق عوام کو گمراہ کرنے کیلئے کھینچ رہا ہے، اللہ اللہ جو شہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے تعمیر کیا جائے اور صحابی جلیل حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اس کی تعمیر ہو، جس شہر میں لوگوں کی تعلیم کا اہتمام حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمائیں اور جس شہر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنا علم اور اپنا فقہ پھیلا کر رشک عالم بنا دیں، جس کوفہ کی سرزمین کو حضرت علی رضی اللہ اپنی خلافت کا مرکز بنائیں، اس کے بارے میں جامعہ سلفیہ بنارس کے محقق کی یہ بکواس کہ وہ فتنوں کی سرزمین رہی ہے، یہ رافضیوں والا ذہن ہے، رافضیوں نے کوفہ کی سرزمین کو فتنوں کا گڑھ کہا تو جامعہ سلفیہ کا شیخ الحدیث جو خود بھی رافضیت زدہ ہے اور بقول میاں صاحب دہلوی چھوٹا رافضی ہے، کوفہ اور کوفہ والوں کی برائی کو اپنا دین وایمان بنائے ہوئے ہے۔

## کوفہ مدینہ طیبہ زادھا اللہ شرفاً کے بعد علم کا سب سے بڑا مرکز رہا ہے

میں نے ابھی بتلایا کہ کوفہ کی تعمیر حضرت عمر کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاص کے ہاتھوں ۱۷ھ میں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس شہر کا بڑا اہتمام تھا، انھوں نے عرب کے ان قبیلوں کو اس کے آس پاس آباد کیا جن کی فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا، پھر اہل کوفہ کی تعلیم کے لئے بطور خاص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور کوفہ والوں سے کہا کہ میں نے تم لوگوں کو ان کو بھیج کر اپنے اوپر ترجیح دی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ علم کا بھرا ہوا پیالہ تھے اور جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے طور طریقہ کو اختیار کرو، اور یہ فرمایا تھا کہ میں اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پسند فرمائیں اور جن کے بارے میں آنحضور کا ارشاد تھا کہ ان سے قرآن کا علم حاصل کرو اور جن کے بارے میں

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ چال ڈھال میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے، جن کی فقہی بصیرت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ناز تھا، اس صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی کوفہ میں گذار دی اور کوفہ کو کتاب وسنت کا گہوارہ بنا دیا، کوفہ قرار، فقہار اور محدثین سے بھر گیا، بعض ثقہ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ سے جن لوگوں نے تعلیم حاصل کی ان کی تعداد چار ہزار کے قریب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور یہاں تشریف لائے تو وہاں فقہاء، اور محدثین کی کثرت دیکھ کر بے انتہا مسرور ہوئے اور ان کی زبان مبارک سے یہ تاریخی جملہ نکلا، رحم اللہ ابن ام عبد قد ملأ هذه القرية علماً، یعنی اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے انھوں نے اس بستی کو علم سے بھر دیا، اور فرمایا کہ اصحاب ابن مسعود سرج هذه الامة یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد اس امت کے چراغ ہیں۔

کوفہ شہر رافضیوں اور شیعیت زدہ جامعہ سلفیہ بنارس کے مفتی و شیخ الحدیث کے علی الرغم اور ان کی بکواس سے قطع نظر اسلامی تاریخ کے صدر اول میں مدینہ پاک کے بعد علم کا سب سے بڑا مرکز رہا اور کتاب وسنت کی جو خدمت کوفہ اور علمائے کوفہ سے ہوئی اس کی نظیر کسی اسلامی شہر میں نہیں ملتی ہے۔ (۱)

---

(۱) ہم نے بہت اجمال سے کوفہ کی علمی مرکزیت کو واضح کیا ہے، اگر تفصیل دیکھنا ہو تو نصب الرایہ کا مقدمہ دیکھو جو علامہ زاہد کوثری کے قلم سے ہے، اور انھیں کی کتاب۔ فقہ اہل العراق وحدیثہم، دیکھو، ہم نے کوفہ کی علمی مرکزیت کا تذکرہ انھیں دو کتابوں کے حوالہ سے کیا ہے۔

کوفہ میں علماء فقہاء محدثین کی کثرت کا اندازہ لگانا ہو تو طبقات ابن سعد پڑھو، اس کتاب میں عام شہروں کے علماء کا تذکرہ تو تھوڑا تھوڑا ہے، مگر کوفہ کے فقہاء و علماء و محدثین کے تذکرہ و تراجم کے لئے ابن سعد کو پوری ایک جلد خاص کرنی پڑی۔ ان تمام باتوں سے جامعہ سلفیہ بنارس کا شیخ الحدیث و مفتی یا تو جاہل ہے یا قصداً کوفہ کے خلاف بکواس کر کے اپنے شیعہ پن کا مظاہرہ کر رہا ہے، چاند پر خاک ڈالنے سے آسمان سیاہ نہیں ہوتا اور نہ چاند کی روشنی ماند پڑتی ہے، اور نہ سمندر میں پیشاب ڈالنے سے سمندر کا پانی ناپاک ہوتا ہے۔

کیا اسے پتہ نہیں ہے کہ امام بخاری کی شخصیت میں کوفہ ہی سے آب و تاب آئی ہے، امام بخاری نے اور شہروں و قصبوں کا تو سفر کبھی کبھار کیا مگر کوفہ میں وہ بے شمار بار گئے اور وہاں کے فقہاء و محدثین سے استفادہ کیا، خود فرماتے ہیں۔ لا احصی کم دخلت الی الکوفۃ و البغداد مع المحدثین، یعنی میں محدثین کے ساتھ بغداد اور کوفہ کتنی مرتبہ گیا میں اس کو شمار نہیں کر سکتا۔ (مقدمہ فتح الباری و سیرۃ امام بخاری، از مولانا عبدالسلام غیر مقلد ص۶۰)

اگر کوفہ میں شیطان طلوع ہوتا تھا، اور بغداد جو مشرق میں واقع ہے فتنہ و فساد کی ہمیشہ سے آماجگاہ رہا ہے، اور یہاں کے لوگ علم سے کورے تھے صرف رائے و قیاس والے تھے تو امام بخاری محدثین کے ساتھ کوفہ کیا کرنے جاتے تھے اور وہ بھی بے شمار مرتبہ کوفہ تشریف لے گئے، جامعہ سلفیہ کا بدزبان و بد دماغ محقق سمجھتا ہے کہ وہ اپنے منہ کی نجاست سے سمندر کو گندہ کر دے گا، کسی کے منہ کی نجاست سے سمندر گندہ نہیں ہوتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں جن شیوخ سے بلا واسطہ روایت کی ہے اس میں ایک بڑی تعداد محدثین کوفہ کی ہے، اور بخاری کی احادیث سندوں کو دیکھو تو بہت کم ہی ایسی سند ہوگی جس میں کوفہ کا کوئی محدث نہ ہو، بلکہ بعض بعض سندوں میں تو صرف کوفہ ہی والے ہیں، میں یہاں اس کی اختصاراً دو مثالیں نقل کرتا ہوں۔

(۱) بخاری شریف میں باب التعوذ من عذاب القبر کے تحت اس سند سے ایک حدیث ذکر کی ہے۔

حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ حدثنا جریر عن منصور عن ابی وائل عن مسروق عن عائشۃ قالت دخلت علی عوزان الخ

اس سند کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ الاسناد کلھم کوفیون الی عائشۃ، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پوری سند میں کوفہ کے لوگ ہیں۔

(فتح الباری ج۱۱ ص ۱۷۵)

(۲) بخاری شریف میں باب الغنی عن النفس قائم کیا گیا ہے، اس کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث امام بخاری نے ذکر کی ہے، جس کی سند اس طرح ہے۔

حدثنا احمد بن یونس حدثنا ابوبکر حدثنا ابوحصین عن ابی صالح عن ابی هریرة الخ

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ والاسناد کلہ کوفیون الی ابی هریرة یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تک پوری سند کوفہ والوں کی ہے۔ (ایضاً ص ۲۷۲)

یہ تو میں نے دو مثالیں بطور نمونہ کے ذکر کی ہیں ورنہ بخاری شریف میں کتنی حدیثیں ہیں جس کی سند میں کوفہ والوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوفہ کو اللہ نے کیسی علمی مرکزیت بخشی تھی، اور وہ علم کا کیسا عظیم الشان مرکز تھا، مگر اندھے کو اگر کچھ نظر نہ آئے تو اس کا کیا علاج، کتاب وسنت کے اس باغ وبہار والے عظیم الشان علمی مرکز کے بارے میں جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث ومفتی کی تحقیق یہ ہے کہ وہ فتنہ وفساد کا مرکز تھا اور اس کی تحقیق اس کے الفاظ میں یہ ہے کہ "کوفہ والے بڑے کذاب وافترا پرداز واکاذیب پرست ہوتے ہیں" گویا امام بخاری کی کتاب بخاری شریف ایسے ہی کذابوں وافترا پردازوں اور اکاذیب پرستوں سے بھری ہے۔ اور امام بخاری نے ایسے ہی لوگوں سے علم حاصل کرنے کیلئے کوفہ کا بے شمار بار محدثین کے ساتھ

سفر کیا تھا، لعنت اس جاہل پر کہ اس کی بکواس سے امام بخاری اور ان کی کتاب بخاری شریف کا مقام بھی بے اعتبار ہوتا ہے۔

اور یہ صرف امام بخاری ہی کی بات نہیں صحاح ستہ کی کوئی بھی کتاب اٹھاؤ، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ ان تمام کتابوں میں کوفہ کے لوگوں کا ہی زیادہ تر جلوہ نظر آئے گا۔ اگر محقق جامعہ سلفیہ بنارس کی تحقیق کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو یہ ساری کتابیں اور یہ سارے محدثین بے اعتبار ہوجائیں گے۔

کوفہ کے لوگوں کو اس محقق نے عام طور پر بے اعتبار بنانے کی کوشش کی ہے مگر اس کا خاص نشانہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اساتذہ و تلامذہ ہیں، اور یہ سارے فقہاء و محدثین وہ ہیں جن کے فقہ و حدیث میں علو مرتبت کا قائل سارا زمانہ ہے، اگر ان کو حلقہ علم سے خارج کردیا جائے تو علم کی دنیا سونی سونی نظر آئے گی۔

مگر جامعہ سلفیہ کے جاہل محقق کو اس سے کیا واسطہ اس کو صرف امام ابوحنیفہ اور انکے اساتذہ و تلامذہ کی برائی سے مطلب ہے۔

## محقق جامعہ سلفیہ کی جناتی اردو

اس جاہل نے پہلے تو عراق اور کوفہ کی برائی میں اپنے قلب کی سیاہی کو صفحات پر منتقل کیا پھر جب ذرا ہوش آیا کہ عراق کی سرزمین تو انبیاء کرام اور صحابہ کرام اور ائمہ فقہ و حدیث کی زرخیز زمین رہی ہے، تو اپنا منہ بچانے کیلئے اس نے اپنی جناتی اردو میں درج ذیل عبارت لکھی جس کو میں تو نہیں سمجھ سکا ناظرین ہی غور کرکے بتلائیں کہ یہ محقق کہنا کیا چاہتا ہے اور جو کہنا چاہتا ہے اس بات کا علم و دانش سے بھی کوئی تعلق ہے، آپ صبر کرکے ذرا اس کی یہ جناتی تحریر پڑھیں۔ لکھتا ہے:

"یہ بات بہت واضح ہے کہ جس ملک و شہر و آبادی کا مذہب نصوص کتاب و سنت میں مذکور ہے اس میں رہنے والے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور انکے

متبعین و پیروکار لوگوں پر مذمت منطبق نہیں ہوتی، اسی طرح جن ممالک و شہر و بلاد و آبادی و بستی کی مدح و ثنا کتاب و سنت میں مذکور ہے ان میں رہنے والے معاندین اسلام و مخالفین انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وہ مدح و ثنا منطبق نہیں ہو سکتی۔" ص۱۴۱

یہ چند سطریں پڑھنے ہی سے سر میں درد ہو رہا ہے، بالکل اسی زبان میں اس کی سات آٹھ سو صفحات کی یہ پوری کتاب ہے، بھلا کیسے اس کو کوئی پڑھے، اور اس پر بھی جناب والا کو یہی شوق رہتا ہے کہ ان کی کتابوں کا جواب دیا جائے اور اگر کوئی اس کی جاہلانہ باتوں اور بوجھل تحریروں سے صرف نظر کرتا ہے تو وہ بڑ مارتا ہے کہ ہماری باتوں کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔

## کوئی جواب ہے اس تحقیق انیق کا

موصوف محقق صاحب فرماتے ہیں کہ متعدد احادیث میں سرزمین مشرق کی مذمت و نحوست بیان کی گئی ہے، اور بدقسمتی سے محقق صاحب موصوف بھی اپنی ساری گندی و مذموم صفات اور رافضیت و شیعیت کے مزاج کے ساتھ جانب مشرق میں ہی یعنی ہندوستان میں واقع ہوئے ہیں، تو اب موصوف کو پریشانی لاحق ہوئی کہ وہ متعدد احادیث ان پر فٹ آرہی ہیں، تو اس مصیبت سے نکلنے کیلئے فرماتے ہیں:

"ہمارا ملک ہندوستان بھی ہمارے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے موطن و مسکن سے مشرق ہی جانب واقع ہے اور اول امر میں اگرچہ ہندوستان حضرت آدم و حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام سے لیکر بہت زمانہ تک حق پرست لوگوں کا ملک رہا"

اس کے بعد محقق صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ ملک کفر و شرک کا منظم گڑھ بن گیا، البتہ عہد نبوی سے لیکر چھٹی صدی ہجری تک اس ملک ہندوستان میں بہت سارے لوگ مذہب اہلحدیث کے راہ رو رہے،" ص۱۴۱

موصوف شتر بے مہار کی طرح ہانکتے چلے جاتے ہیں اور اپنے قارئین کو جاہل سمجھتے ہیں کہ وہ جو کہہ دیں گے یہ قارئین اس پر آمنا وصدقنا کہتے چلے جائیں گے۔ کوئی اس محقق سے پوچھے کہ وہ بتلائے کہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ ملک ہندوستان حضرت آدم سے لیکر بہت زمانہ تک حق پرست لوگوں کا ملک رہا، اگر یہ حق پرست لوگوں کا ملک رہا ہے تو اس کی راجدھانی کون تھی، اس ملک پر کس کی حکومت تھی، اس حق پرست حکومت کرنیوالے کا نام کیا تھا۔

قلم اور منہ سے جو کچھ نکلتا چلا جائے وہی اس محقق کے نزدیک تحقیق ہوتی ہے اور وہ اس طرح کی تحقیقات کر کے سینہ پھلائے رہتا ہے کہ ہم نے بڑا تیر مارا، تحقیقات کا دریا بہا دیا۔

پھر اس محقق کی یہ دوسری تحقیق ملاحظہ ہو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر چھٹی صدی ہجری تک یہاں کے لوگ مذہب اہلحدیث پر تھے۔

اگر کوئی پوچھے کہ اے محقق صاحب ذرا بتلاؤ کہ آنحضور کے زمانہ میں ہندوستان کے کس خطہ میں مذہب اہلحدیث کا چراغ روشن تھا، تو موصوف محقق کو دن میں تارے نظر آنے لگیں گے۔ ذرا موصوف صاحب پہلی صدی سے لیکر چھٹی صدی تک ایک اپنے طرح کے اہلحدیث شخص کا ہندوستان میں وجود پیش کریں تو ہم جانیں۔ اچھا جب پہلی صدی سے لیکر چھٹی صدی تک ہندوستان میں اہلحدیث تھے تو سب عوام تھے کہ فقہاء، ومحدثین وعلماء بھی تھے، اگر علماء وفقہاء، ومحدثین بھی تھے تو کسی ایک اہلحدیث عالم جو موصوف ہی کی طرح کا اہلحدیث ہو، جسکے یہاں زانیہ کی کمائی جائز ہو، تراویح کی نماز آٹھ رکعت ہو، اور جس کا مذہب یہ ہو کہ ایک وقت کی تین طلاق ایک ہوتی ہے اور جس کا عقیدہ ہو کہ صحابہ کرام میں سے کچھ معاذ اللہ فاسق تھے، اور جس کے نزدیک جمعہ کی اذان ایک ہی ہوتی ہو، اور جس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص کسی جگہ ہوتا ہے اور جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ کے لئے جہت اور مکان ہے اور جس کا یہ مذہب ہو کہ صحابہ کرام کا قول وفعل حجت نہیں ہے اور جو تصوف کو بدعت کہتا ہو، غرض جو ان جملہ امور کا

قائل ہو جیسے کہ ہمارے موصوف ان امور کے قائل ہیں یا جو مذہب غیر مقلد والا کا ہے۔

اس چھ صدی کے عرصہ میں کسی ایک بھی غیر مقلد عالم کا نام وہ پیش کرے یا غیر مقلدوں کی کوئی کتاب حدیث میں فقہ میں تفسیر میں یا کسی بھی فن میں موجود تھی تو ذرا یہ محقق صاحب اس کی نشاندھی فرمائیں تاکہ ہم بھی دیکھیں کہ موصوف محقق صاحب کتنے سچے ہیں یا محض بڑ ہانکنے کا نام ان کے نزدیک تحقیق ہے، چونکہ پوری اسلام کی تاریخ میں موجودہ سلفیوں کا جو عقیدہ ومسلک ہے اس مسلک کا ایک فرد بھی نہیں گزرا ہے، نہ انکے وجود کی کوئی علمی نشانی ہے، اس وجہ سے یہ احساس کمتری میں مبتلا لوگ جھوٹا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنی قدامت ثابت کرتے ہیں، اور یہ محقق صاحب تو ماشاء اللہ اتنے زور سے اپنا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ ان کا وجود باوا آدم کے زمانہ سے ثابت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب ضمیر کا بحران میں انھوں نے اپنی یہ تحقیق پیش کی ہے کہ اہلحدیث کا وجود باباآدم کے زمانہ سے ہے (۱)

## کذب ودروغ گوئی کا منفرد محقق

جامعہ سلفیہ کا شیخ الحدیث ومفتی لکھتا ہے:

متعدد احادیث نبویہ میں سرزمین مشرق کی مذمت ونحوست بیان کی گئی ہے۔

اور حوالہ میں اس نے پہلے نمبر پر فتح الباری جلد ۱۳ ص۴۷ کا حوالہ دیا ہے۔ اہل علم فتح الباری جلد ۱۳ کا یہ صفحہ نکال کر دیکھیں اور بتلائیں کہ اس میں وہ کون سی احادیث اور کتنی احادیث مذکور ہیں جنمیں سرزمین مشرق کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

---

(۱) موصوف ضمیر کے بحران میں فرماتے ہیں:۔ ہمارے رسول خاتم النبیین بذات خود اہل حدیث، اور اسی مذہب کے پیرو انسانوں کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام اور ان کے بعد والے سارے انبیاء ومرسلین تھے۔ انسانوں کے مورث اعلیٰ حضرت آدم بھی رسولوں اور نبیوں کی طرح اہلحدیث تھے۔ ص۱۳۴، ص۱۳۵

جامعہ سلفیہ کا کذاب و دروغ گو مفتی و شیخ الحدیث اتنا بڑا عیار اور مکار ہے کہ بخاری شریف کی روایت میں صاف صاف نجد کا ذکر ہے، مگر وہ بخاری کی اس حدیث کا نام بھی نہیں لیتا ہے صرف یہ کہتا ہے کہ یوں احادیث میں نجد کا بھی ذکر آیا ہے اور یہ نہیں بتلاتا کہ نجد کا ذکر بخاری شریف کی روایت میں ہے، اور یہ اسلئے نہیں بتلاتا ہے کہ سلفیوں کا بابا آدم محمد بن عبدالوہاب نجدی نجد کا تھا جس نے بقول نواب صاحب بھوپالی اپنے زمانہ میں فتنہ وفساد کا بازار گرم کر رکھا تھا ۔ جس کے آدمیوں نے مزار نبوی کے خزانہ کو لوٹا تھا، اور جس نے غیر وہابیوں کے لئے حج پر پابندی لگادی تھی، جس کے آدمیوں نے صرف طائف میں دس ہزار مسلمانوں کو قتل کیا تھا، جو اپنے علاوہ سب کو کافر سمجھتا تھا۔[1] چونکہ یہ محمد بن عبدالوہاب نجد کا تھا جو مشرق کی جانب واقع ہے اور آنحضورؐ کی فتنہ والی پیشینگوئی اس پر پورے طور پر صادق آتی تھی، اس وجہ سے اس جامعہ سلفیہ کے محقق نے نجد کا ذکر گول مول کر کے چھوڑ دیا اور یہ نہیں بتلایا کہ بخاری شریف میں صاف نجد کا ذکر ہے، بخاری شریف کی وہ روایت یہ ہے ۔

عن ابن عمر قال ذكر النبي صلى الله عليه وسلم اللهم بارك لنا في شامنا اللهم بارك لنا في يمننا قالوا يارسول الله وفي نجدنا فاظنه قال

---

(۱) تفصیل کیلئے نواب صاحب کی کتاب التاج المکلل میں اس کا تذکرہ پڑھو، اور نواب صاحب الحطہ ص۳۰۲ طبع قدیم میں لکھتے ہیں کہ یہ بلا وجہ لوگوں کو کافر بنانے اور لوگوں کا خون بہانے پر جری تھا، نواب صاحب کی عبارت یہ ہے واشتهر ماينكر عليه خصلتان كبيرتان الاولىٰ تكفير اهل الارض بمجرد تلفيقات لادليل عليها والثانية التجارى على سفك الدم المعصوم بلاحجة۔ یعنی اس میں دو بڑی خصلت تھی جس میں وہ بہت زیادہ شہرت رکھتا ایک یہ کہ وہ بلا وجہ محض جھوٹ اور گڑھی باتوں کو بنیاد بناکر پورے دنیا کے لوگوں کو کافر بناتا تھا، دوسرے یہ معصوم خون کے بہانے پر بڑا جری تھا۔ الحطہ کے نئے اڈیشن میں اس طرح کی تمام عبارتوں کو حذف کر دیا گیا ہے، ناظرین اس کو

فی الثلاثة هنالك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان ۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ تو ہمارے شام میں برکت دے، اے اللہ تو ہمارے یمن میں برکت دے، تو لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول یہ بھی دعا فرمائیں کہ اے اللہ تو ہمارے نجد میں برکت دے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہاں زلزلے ظاہر ہوں گے وہاں فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کی سینگ ظاہر ہو گی ۔

اس حدیث پر امام بخاری نے باب قائم کیا ہے ۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفتنة من قبل المشرق یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فتنہ مشرق کی جانب سے اٹھے گا ۔

تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مشرق سے مراد یہاں اصل نجد کا علاقہ ہے اس لئے کہ امام بخاری نجد کے نام کی تصریح کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کر رہے ہیں تو فتنہ کی آماجگاہ تو نجد کا علاقہ ہوا مگر جامعہ سلفیہ کا یہ عیار محقق ان تمام حقائق سے آنکھ بند کر کے فتنہ کی اصل جگہ عراق اور کوفہ کو قرار دیتا ہے، اور جھوٹ بولتا ہے کہ فتح الباری کی جلد ۱۲ اور ص ۷۴ میں متعدد احادیث میں عراق کی مذمت و نحوست بیان کی گئی ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ عراق میں صرف کوفہ ہی نہیں ہے بلکہ بغداد بھی ہے جہاں کے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تھے، میں اس کو چیلنج کرتا ہوں کہ اے جامعہ سلفیہ بنارس کے جھوٹے کذاب شیخ الحدیث تو صرف ایک حدیث اس حوالہ سے ہمارے سامنے پیش کر کے اپنی سچائی ثابت کر ۔

حضرت امام بخاری نے مذکورہ بالا باب کے تحت چار حدیثیں ذکر کی ہیں اور یہ چاروں حدیثیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور خود حضرت ابن عمر فتنہ کی تشریح چوتھی حدیث میں اس طرح کرتے ہیں کہ فتنہ سے مراد یہاں قتال علی الملک یعنی ملک حاصل کرنے کیلئے لڑنا جھگڑنا ہے ۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر

یعنی اللہ عنہ کا اشارہ اس لڑائی کی طرف تھا جو مروان اور اس کے لڑکے عبدالملک اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہ کے درمیان واقع ہوئی تھی، تو جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ خود اس فتنہ کی تشریح کر رہے ہیں تو اب اس سے دوسرے فتنوں کو مراد لینا یہ محقق جامعہ سلفیہ کی جہالت اور سینہ زوری ہے، اور اگر اس فتنہ سے ہر قسم کے فتنے مراد بھی لئے جائیں تو یہ بات عراق کے ان ائمہ فقہ و حدیث پر کیسے صادق آئے گی جنھوں نے فتنوں کو کتاب و سنت کے علوم کو عام کر کے دبا دیا، جن میں بطور خاص حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کا زبردست کردار رہا ہے، اگر جامعہ سلفیہ کا جاہل شیخ الحدیث فتنوں کے ختم کرنے میں حضرت امام اعظم اور ان کے تلامذہ کی کوششوں سے ناواقف ہے تو وہ ناواقف رہے مگر اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت امام اعظم اور ان کے تلامذہ نے معتزلیوں، جہمیوں اور دوسرے باطل فرقوں کا زبردست مقابلہ کر کے ان کی طاقت کو ختم کر دیا تھا اور فتنہ کا سر کچل دیا تھا۔

## امام اعظمؒ کے زمانہ کا سب سے بڑا فتنہ

امام اعظم کے زمانہ کا سب سے بڑا فتنہ دینی اعتبار سے یہ تھا کہ کتاب و سنت کا نام لینے والے ایک گروہ نے اپنا عقیدہ یہ بنایا تھا کہ اعمال ایمان کی اصل حقیقت میں داخل ہیں پس جس نے عمل میں کوتاہی کی اس کا ایمان ختم ہوگیا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس گروہ کے نزدیک عام طور پر مسلمان اسلام سے خارج تھے اسلئے کہ اعمال کی کوتاہی سے کون محفوظ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ حضرت امام اعظم نے بتلایا کہ اعمال ایمان (جس کا نام تصدیق قلبی ہے) کا جز نہیں ہے، اسلئے جو شخص عمل میں کوتاہ ہوگا اس کا ایمان ضائع نہیں ہوگا البتہ وہ عمل کی کوتاہی سے گنہ گار ہوگا اور اس کا معاملہ خدا کے حوالہ ہے چاہے اسے معاف کرے چاہے اسے بخش دے، یہی وہ بات ہے جو ظاہر پرست محدثین کے حلق سے نیچے نہیں اتری اور امام اعظم کو مرجی کے لقب سے نواز دیا گیا۔ اگر ارجاء اس کا نام ہے تو ہم بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم مرجی ہیں اور ہمارے امام اعظم بھی مرجی تھے، مگر تم بھی خارجیت و معتزلیت

کے الزام سے بری نہیں ہو سکتے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ عمل کی کوتاہی سے انسان ایمان ہی سے
نکل جاتا ہے۔

یہ امتِ محمدیہ پر حضرت امام اعظم کا احسان ہے کہ انھوں نے خوارج اور معتزلہ کے
اس عقیدہ کی پرزور تردید کر کے اور ظاہر پرست محدثین کی پرواہ نہ کر کے امت محمدیہ
کے سوادِ اعظم کو اسلام کے حلقہ میں باقی رکھا، ورنہ جامعہ سلفیہ کا محقق بھی اسلام سے خارج
قرار پاتا اور اس کا ایمان بھی اس کی عیاریوں مکاریوں اور اس کے بے انتہا کذب بیانیوں
اور ائمہ اسلام کی غیبتوں اور برائیوں میں ڈوبے رہنے کی وجہ سے ختم ہو چکا ہوتا۔

## جامعہ سلفیہ کے محقق شیخ الحدیث پر جنون کا دورہ پڑ گیا

جامعہ سلفیہ کے مرگی زدہ شیخ الحدیث جب اس نئی کتاب کے مقدمہ کے اختتام پر پہنچے
تو ان پر جنون کا زبردست دورہ پڑا اور ان کے منہ سے گالیوں کا فوارہ ابلنا شروع ہو گیا
جس کا جواب دینا ہمارے بس میں نہیں ہے، انھوں نے اس مقدمہ کے آخر میں ایسی ایسی
نادر تحقیق پیش کی ہے کہ اہل علم عش عش کرتے رہ جائیں گے، چونکہ ان تحقیقات کے مقابلہ کرنے سے
ہمارا قلم عاجز ہے، اسلئے ان میں سے کچھ کو بطور نمونہ پیش کر رہا ہوں تاکہ ہمارے ناظرین بھی
ان سے مزہ حاصل کریں اور ان کی زبان وطرز تحریر کی داد بھی دیں۔

(۱) موصوف کی ایک تحقیق انھیں کی زبان میں یہ ہے۔

۔ اور فرقہ دیوبندیہ کی تولید چوتھی صدی ہجری کے اندر یا بعد میں مستقبل قریب
میں بھی نہیں ہوئی تھی۔ فرقہ دیوبندیہ جیسا کہ ہم نے کہا چودھویں صدی ہجری میں
پیدا ہوا اور اس کی پیدائش انگریزی سامراج کے قائم کردہ کالج میں تعلیم وتربیت
پاکر پیدا ہونے والوں نے کیا، ابتدائے امر میں یہ لوگ دیوبندی نہیں کہلاتے
تھے پھر بعد میں کہلانے لگے، یہی فرقہ دیوبندیہ اسلام دشمن برطانوی سامراج
کی سرپرستی میں ہندوستان میں پروان چڑھتا رہا، ہذا اس کی ساری مذکورہ بالا

باتیں مجموعۂ اکاذیب ہیں "

(۲) اور موصوف محقق جامعہ سلفیہ بنارس کی دوسری تحقیق انھیں کی زبان میں یہ ہے ۔

" فرقۂ دیوبندیہ بہر حال اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے کہ وہ مقلد ابی حنیفہ ہے وہ مقلد ابی حنیفہ نہیں بلکہ درحقیقت انگریزوں کے قائم کردہ دہلی کالج کا پروردہ و تربیت یافتہ انگریزی سامراج کا آلۂ کار و انگریزی سامراج کا نمک خوار ایسا فرقہ ہے جو کام اپنے ولی نعمت انگریزی سامراج کا کرتا ہے ۔ یہ فرقہ دیوبندیہ ولی اللٰہی مذہب کا شدید مخالف و حریف و معاند ہونے کے باوجود اپنے کو ولی اللٰہی مذہب کا پیرو کہتا ہے پھر اس نے مقلد ابی حنیفہ ہونے کا لبادہ بھی پہن رکھا ہے، جب کہ ولی اللٰہی مذہب اور دیوبندیہ کے تقلیدی مذہب میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ہم نے اس فرق کو اپنی بعض تصانیف میں واضح بھی کیا ہے "

(۳) اور مرگی زدہ محقق جامعہ سلفیہ بنارس کی تیسری تحقیق یہ ہے :

" ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ عہد نبوی و عہد خلفائے راشدین سے ہندوستان میں مذہب اہلحدیث و متبعین اہلحدیث پائے جاتے رہے جب کہ بشمول حنفی تقلیدی مذہب کسی بھی تقلیدی مذہب کی تولید نہیں ہوئی تھی اور دیوبندی تقلیدی مذہب تو چودھویں صدی ہجری کی پیداوار ہے، نیز دیوبندی نوزائیدہ فرقہ کی حلیف وہم مذہب پارٹیاں دیوبندی فرقہ کی پیدائش کے بعد تولد پذیر ہوئی ہیں ۔ اس بات کی تعیین و تحدید ہمارے لئے مشکل ہے کہ حنفی تقلیدی مذہب کی طرف منسوب فرقۂ حنفیہ کے لوگ تقلید پرست کی شکل میں کب اور کس زمانہ میں کس چور دروازہ سے سرزمین ہند میں داخل ہوا، اور چوروں کی طرح چھپ کر اپنی زندگی کے ایام کاٹتا رہا ۔

پھر نہ جانے کس زمانہ میں اس فرقہ کے بال و پر نمایاں ہوئے اور ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ حنفی تقلیدی مذہب کی طرف منسوب فرقۂ مقلدہ کی بعض ہندوستانی

خطوں پر حکومت قائم ہوئی اور رفتہ رفتہ پورے ہندوستان پر اس کی حکومت قائم ہو گئی مگر حقیقت یہ ہے کہ صحیح معنوں میں حنفی تقلیدی حکومت مغل حکمراں محمد اورنگ زیب عالمگیر متوفی ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۷۰۷ء کے دور حکومت میں پائی جانے لگی :۔ (ہے کوئی جواب اس نادر تحقیق کا)

(۴) اور جامعہ سلفیہ بنارس کے مرگی زدہ شیخ الحدیث کی چوتھی تحقیق یہ ہے :

" ہم کہتے ہیں کہ دیوبندیہ کی یہ بات بھی جھوٹ اور تلبیس و تدلیس ہے جب ہندوستان میں اہلحدیث عہد نبوی سے ہر دور میں پائے جاتے رہے اور فرقہ دیوبندیہ اور اس جیسے اس کے حلیف فرقے چودھویں صدی کی پیداوار ہیں تو فرقہ دیوبندیہ اور اس جیسے فرقوں کی ولادت با سعادت سے پہلے پہلی صدی سے تیرہویں صدی تک اہلحدیث کن کی بنوائی مسجدوں میں نماز پڑھتے کن کے قائم کردہ مدرسوں میں اپنے بچے کو تعلیم دلاتے اور کن کی بنائی ہوئی مسلم تنظیموں سے منسلک رہتے تھے ؟ ۔ (ماشاء اللہ عہد نبوی میں مسلم تنظیمیں تھیں)

(۵) اور عقل و خرد سے بیگانے موصوف محقق جامعہ سلفیہ بنارس کی پانچویں تحقیق یہ ہے

(بریلی فرقہ) فرقہ دیوبندیہ کے تمام عوام و خواص و علماء و ائمہ کو کافر و مرتد و بے دین خارج از اسلام کہتا ہے پھر اپنے مذکورہ بالا دعویٰ میں فرقہ دیوبندیہ جھوٹا کذاب ہونے کے علاوہ کیا ہے ؟ پھر اس فرقہ ہی سے نکلی ہوئی مختلف نئی شاخیں مودودی جماعت قادیانی جماعت ، وغیرہ اس سے ہمیشہ باہم دگر نزاع کے طویل ناخوشگوار دور میں مشغول رہتی ہیں اس کے اکابر بقول فرقہ دیوبندیہ انتشار آفریں غیر مقلدین اگر قبوری ، خرافی ، وثنی ، جہمی ، معتزلی ، دشمنان اہلسنت و جماعت و خارج از اہل سنت و جماعت علمائے اہلحدیث الزام لگاتے ہیں تو وہ فرقہ دیوبندیہ کی طرح بہتان تراشی نہیں کرتے بلکہ اسی فرقہ کی کتابوں سے مدلل باتیں لکھتے ہیں یہ فرقہ دیوبندیہ اس دعویٰ میں بہت بڑا کذاب ہے اس کے افراد صحابہ کرام

سے لیکر محدثین دہلی تک کی ہر کڑی سے پورے وفادار رہے اور سلف صالحین
کی اتباع کے اس حد تک پابند رہے کہ چھوٹی سی بدعت کو دین نہیں بننے دیا
کیونکہ اس کی شرست میں سنن نبویہ و نصوص شرعیہ و صحابہ کرام، تابعین عظام
کی مخالفت معاندت داخل ہے اور اپنے اسی موقف واصول پر اپنی تولید
چودہویں صدی سے لے کر اب تک قائم ہے۔

(۶) اور جامعہ سلفیہ بنارس کے دریدہ دہن بدزبان شیخ الحدیث ومفتی کی چھٹی تحقیق یہ ہے۔

"ہم کہتے ہیں کہ فرقۂ دیوبندیہ کو ہم ایک سے زیادہ بار جوا کاذیب پرست فرقہ
کہہ آئے ہیں وہ عین حقیقت ہے جس پر نہایت معتبر و مستحکم دلائل ہماری
متعدد کتابوں میں اور دیوبندی پیکٹ کی اکتیس کتابوں کے رد میں موجود ہیں۔
مذکورہ دیوبندی دعوت نامہ کا پیراگراف بھی کذب محض اور تلبیس و مغالطہ
خاص ہے جس کی تفصیل جلد آرہی ہے۔

(۷) اور جامعہ سلفیہ کے بدتہذیب و بدنصیب محقق کی ساتویں تحقیق یہ ہے۔

"ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ عہد نبوی و عہد خلفائے راشدین سے ہندوستان میں مذہب
اہلحدیث و متبعین اہلحدیث پائے جاتے رہے جبکہ بشمول حنفی تقلیدی مذہب
کسی بھی تقلیدی مذہب کی تولید نہیں ہوئی تھی اور دیوبندی تقلیدی مذہب
تو چودہویں صدی ہجری کی پیداوار ہے، نیز دیوبندی نوزائدہ فرقہ کی حلیف
وہم مذہب پارٹیاں دیوبندی فرقہ کی پیدائش کے بعد تولد پذیر ہوئی ہیں۔
اس بات کی تعیین و تحدید ہمارے لئے مشکل ہے کہ حنفی تقلیدی مذہب کی
طرف منسوب فرقۂ حنفیہ کے لوگ تقلید پرست کی شکل میں کب اور کس زمانہ
میں کس چور دروازہ سے سرزمین ہند میں داخل ہوا، اور چوروں کی طرح
چھپ کر اپنی زندگی کے ایام کاٹتا رہا۔

(۸) اور جامعہ سلفیہ بنارس کے مفلوج دماغ محقق و شیخ الحدیث کی آٹھویں تحقیق یہ ہے۔

"سنت کا لفظ حدیث کا مترادف لفظ ہے اس لئے یہ لوگ اپنے کو اہلحدیث بھی کہتے ہیں اور اہلسنت بھی کہتے ہیں اور انھیں لوگوں کو حدیث نبوی میں سواد اعظم و جماعت بھی کہا گیا ہے اسی لئے یہ اپنے آپ کو اس حدیث نبوی کا مصداق مانتے ہیں۔ سواد اعظم و جماعت کا معنی و مطلب نوزائدہ فرقہ دیوبندیہ کا اپنے آپ کو اور اپنے حلیفوں کو بتلانا دیوبندی فطرت والی تحریف بازی و تلبیس کاری و قلب حقائق و مسخ وقائع ہے"

(۹) اور جامعہ سلفیہ بنارس کے خارش زدہ خارجی محقق و شیخ الحدیث کی نویں تحقیق یہ ہے۔

"ہم کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا عہد زوال تو تقلیدی فقہی مذاہب بشمول فقہی تقلیدی حنفی مذہب کے ظہور کے زمانہ سے شروع ہوا اس کے پہلے تو عامۃ المسلمین مذہب عدم تقلید یعنی نصوص کتاب وسنت پر چلتے رہے اور اسلام کی طرف منسوب جو مسلم فرقے چوتھی صدی تک پائے جاتے تھے، وہ عامۃ المسلمین میں داخل نہیں تھے" (یعنی کافر تھے)

(۱۰) اور موصوف محقق جامعہ سلفیہ بنارس کی دسویں ایک نادر تحقیق یہ ہے:

"درحقیقت دیوبندیت کا حنفی تقلیدی مذہب کی طرف انتساب غلط ہے پھر بھی تقلیدی فقہ حنفی کی اصل بنیاد و اساس فکری انتشار پر قائم ہے اور یہ تقلیدی فقہ حنفی سراپا ظلمت کدہ۔ ظلمات بعضها فوق بعض ہے۔ اس میں روشنی کہاں سے کس راہ سے آئی کہ اس کی روشنی میں شریعت اسلامیہ پر عمل ہوسکے۔ شریعت اسلامیہ اور تقلیدی حنفی مذہب دو متضاد چیزیں ہیں اور متضاد چیزیں ہرگز یکجا نہیں ہوسکتی ہیں پھر تقلیدی حنفی مذہب پر عمل کو شریعت اسلامیہ پر عمل کہنا جھوٹ کا پوٹ ہے"

حضرات اب تک محقق جامعہ سلفیہ بنارس کی جو تحقیقات آپ نے ملاحظہ فرمائیں ہیں ان کا تعلق اس کتاب کے مقدمہ سے تھا، ذرا دو ایک بات کتاب کے اندر کی بھی ملاحظہ فرمائیں۔

## نواب صاحب کی تلخیص ۔ تحریفِ دیوبندیہ

(۱۱) عقل و ہوش سے بیگانہ محقق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس کی ایک دلچسپ تحقیق یہ ہے، فرماتے ہیں محقق صاحب۔

"یہ حقیقت ہے کہ نواب صاحب کی تحریفِ دیوبندیہ انھیں کی کتاب نزل الابرار کی تلخیص ہے، اور یہ تلخیص خود نواب صاحب نے کی ہے۔" ص ۴۹۶

### متعدد صحابہ کرام معاذاللہ فاسق تھے

(۱۲) شیعیت کے جراثیم سے بھرا ہوا یہ بدقماش ناہنجار صحابہ کرام کے بارے میں یہ گستاخانہ تحقیق پیش کرتا ہے لکھتا ہے:

"یہ ایسی حقیقت ثابتہ ہے، صحابہ کرام میں سے متعدد حضرات (سے) ایسے اعمال واقوال صادر ہوئے جن کے مرتکب پر فاسق کا اطلاق ہوتا ہے۔" ص ۴۹۷

پھر لکھتا ہے:

۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے امیر معاویہ کو مشورہ دیا کہ امیر معاویہ اپنے لڑکے یزید جیسے شخص کو ولی عہد بنا دیں ...... عہد شکنی پر امیر معاویہ کو آمادہ کرنا اور غیر صحابی یزید جیسے شخص کو ولی عہد بنانے کی تجویز کوئی معمولی قسم کا فاسق ہوتا ہے ص ۴۹۸ (یعنی حضرت مغیرہ اس بدبخت کے نزدیک بہت بڑے فاسق تھے (معاذاللہ ثم معاذاللہ)

### حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والے یقیناً فاسق تھے

پھر یہ دشمن صحابہ لکھتا ہے:

"حضرت علی مرتضیٰ کے خلاف جنگ کرنے والے سربراہ لوگ قطعاً اور یقیناً باغی تھے، اور باغی کا فاسق ہونا لازم وملزوم ہے" صفحہ ۴۹

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے سوا جتنے سربراہ تھے جو حضرت معاویہ کے ساتھ تھے حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ کی طرح معاذ اللہ وہ سب فاسق تھے۔

پھر یہ خبیث لکھتا ہے:

"اور حضرت سمرہ بن جندب کا حضرت معاویہ کی حوصلہ افزائی کرنا ثابت ہے پھر اگر ان کیلئے دونوں سلفی کتابوں میں فاسق کا لفظ استعمال ہوا تو نصوص متواترہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دیوبندیہ کا ہذیان سرائی میں مشغول ہوجانا کیا معنی رکھتا ہے۔" صفحہ ۴۹

یعنی جماعتِ دیوبند کے لوگ جو اس طرح کی باتوں پر نکیر کرتے ہیں اور اس طرح کی تحقیقات سے اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہیں ان کا یہ انکار اور نفرت کا اظہار اس بدبخت کے نزدیک ہزیان سرائی ہے۔

## خلفائے راشدین کا قول وفعل حجت نہیں

(۱۳) جامعہ سلفیہ بنارس کا یہ بدبخت شیخ الحدیث اور مفتی اپنی ایک گندی تحقیق یہ پیش کرتا ہے، اور اس کی بنیاد بقول خود حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ارشاد پر رکھتا ہے۔

"حدیث نبوی کے علاوہ کسی بھی صحابی بشمول خلفائے راشدین کا قول وعمل ورائے وفہم وقیاس حجت نہ بناؤ" صفحہ ۵۰

حضرات قارئین کرام۔ ———— یہ کچھ نمونے ہم نے جامعہ سلفیہ بنارس کے محقق ومفتی وشیخ الحدیث صاحب (دام سواد قلبہ) کی تحقیقات نادرہ اور شیریں زبانی اور لطافت

نشانہ تحریر کے آپ کے سامنے پیش کئے ہیں، ان سے آپ کو اندازہ لگ گیا ہوگا کہ ہمارے موصوف صاحب کی علمی حیثیت کیا ہے اور ان کی تحقیقات کس قسم کی اور کس زبان میں ہوتی ہیں، کیا کوئی شریف آدمی ان کی تحریر کی زینت و زیبائش کی تاب لا سکتا ہے، اور کیا ان کا جواب دینا کسی اہل علم کے بس کی بات ہے۔

موصوف کی پوری کتاب جس کی ضخامت آٹھ سو صفحات سے کم کی نہیں ہے، اسی زبان و بیان میں ہے، اور اسی قسم کی نادر تحقیقات پر مبنی ہے اور ایک ہی بات کی تکرار ایک ہی طرح کی عبارت میں پوری کتاب میں جگہ جگہ ہے اور اور ایسی کہ پڑھو تو دماغ گھوم جائے، سوچو تو متلی آئے، نقل کرو تو چند سطریں نقل کرنا ایک مجاہدہ بن جائے۔

میں نے ناظرین کو اس کتاب پر ہوان کا مقدمہ ہے صرف اسکی اور کتاب کے اندر کی دو تین باتوں کی سیر کرائی ہے، اور یقیناً میں نے آپ حضرات کے ساتھ ظلم کیا کہ اکابر و اسلاف کی شان میں ایسے گستاخ اور دریدہ دہن شخص کی باتوں اور تحریروں سے آپ کا قلب و دماغ مکدر کیا، خدا ہمیں اور آپکو معاف کرے۔

مگر یہ ضروری بھی تھا تا کہ ہم جانیں کہ جامعہ سلفیہ بنارس میں کیسے لوگ مسند شیخت پر فائز ہوتے ہیں۔ اور آج کا سلفیت زدہ طبقہ علم و ادب، تہذیب و شائستگی کے کس مقام پر ہے۔

ہمارے موصوف محقق صاحب کو اس کی خواہش اور حسرت ہوتی ہے کہ ان کی اس قسم کی تحقیقات (جو اسی قسم کی زبان میں ہوتی ہیں) کا ان کا مقابل جواب بھی دے۔ اگر موصوف ہی کی طرح کوئی دوسرا بھی ماؤف العقل اور خارش زدہ محقق ہو تو وہ یقیناً ان کا جواب دے سکتا ہے، ورنہ موصوف اپنی حسرت کو اپنے سینہ ہی میں دفن کرلیں، کوئی صاحب علم و شریف طبع انکی کتابوں اور باتوں کا جواب دینے والا شاید نہ ہو، یہ تو زمزم کا آپ پر احسان ہے کہ کبھی کبھی آپ کی یہ حسرت وہ پوری کر دیتا ہے، اس پر بھی زمزم آپ کو سور اور خنزیر اور غیر ماکول اللحم جانور کے پیشاب سے بھی زیادہ نجس نظر آتا ہے۔ (۱)

وللہ الحمد اولاً و آخراً، والصلوٰۃ والسلام علی النبی الھادی الی الصراط المستقیم۔

---

(۱) مولانا غازی پوری کے مقالہ کے رد میں انھیں الفاظ کے ساتھ موصوف شیخ الحدیث صاحب نے زمزم کا تذکرہ کیا ہے۔

طٰہٰ شیرازی

# خمارِ سلفیت

## شیخ جمن نے وعظ کہنا موقوف کر دیا
## مفتی جامعہ سلفیہ بنارس کے فتویٰ سے برہمی

بیٹا - اباجی

باپ - جی بیٹا

بیٹا - اباجی، منگل کو شیخ جمن حفظہ اللہ کا بڑی مارکیٹ میں وعظ کا پروگرام تھا مگر اب یہ پروگرام منسوخ ہو گیا ہے، وجہ نہیں معلوم ہو سکی، آپ کو اس کی کچھ خبر ہے ؟

باپ ، بیٹا اس پروگرام کو جماعت نے بڑی اہمیت دی تھی، کئی جمعہ سے اعلان ہو رہا تھا، ہم سب منتظر تھے، موضوع بڑا دلچسپ تھا۔

بیٹا - اباجی، موضوع کیا تھا ؟

باپ - بیٹا موضوع تھا، شریعت میں قیاس کی گنجائش نہیں، قیاس کرنا شیطانی عمل ہے، مذہب اہلحدیث کی بنیاد صرف قرآن اور حدیث پر ہے۔

بیٹا - اباجی - یہ موضوع تو بڑا دلچسپ تھا، یہی وجہ تھی کہ شہر میں اس کا بڑا چرچا تھا۔

باپ - جی بیٹا، شیخ جمن حفظہ اللہ نے بڑی محنت کی تھی، رات میں گھنٹوں یہ تقریر رٹا کرتے تھے، ہفتوں سے یہ سلسلہ جاری تھا، شیخ خفنیت بیزار خاں حفظہ اللہ نے یہ تقریر بڑی محنت سے تیار کی تھی، پوری تقریر حوالوں سے بھری تھی، اگر یہ تقریر

ہوتی تو نعرۂ تکبیر سے پورا شہر گونج جاتا، مگر شیخ جمن نے اپنا پروگرام منسوخ کر دیا۔

بیٹا ۔ اباجی ہوا کیا؟ انھوں نے پروگرام کیوں منسوخ کر دیا، شہر میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں، جتنا منہ اتنی بات والا معاملہ ہو گیا ہے۔

باپ ۔ بیٹا، بات ذرا راز کی ہے، صرف جماعت کے مخصوص ہی لوگوں کو یہ بات معلوم ہے، پرسوں رات میں شیخ جمن حفظہ اللہ اپنی لچک دار آواز میں زور زور سے اس تقریر کو رٹ رہے تھے، لائٹ غائب تھی، موم بتی کی روشنی میں وہ محنت کئے جا رہے تھے، پسینے سے شرابور تھے، تقریر رٹتے رٹتے آواز بھی بیٹھ گئی تھی کہ اچانک شیخ کلو حفظہ اللہ جامعہ سلفیہ بنارس کا رمضان شوال ۱۴۲۶ھ کا محدث پرچہ جو ان کو اسی روز ڈاک سے ملا تھا لے کر شیخ جمن حفظہ اللہ کے پاس پہنچ گئے، انھوں نے ان سے کچھ کھسر پھسر کی، اس کے بعد شیخ جمن نے موم بتی بجھا دی اور تقریر کا یاد کرنا موقوف کر دیا، اور صبح کو اپنی مسجد میں اعلان کر دیا کہ اب میں منگل کو تقریر نہیں کروں گا، اور انھوں نے قسم کھا لی کہ اب وہ احناف کے خلاف کبھی تقریر نہیں کریں گے۔

بیٹا ۔ اباجی، محدث کے اس شمارہ میں کیا خاص بات تھی کہ شیخ جمن نے اتنا اہم فیصلہ لے لیا اور اتنا اہم پروگرام منسوخ کر دیا، جس کا چرچا پورے شہر میں ہو چکا تھا، اور جگہ جگہ موضوع کی صراحت کے ساتھ اشتہار بھی چپک چکا تھا۔

باپ ۔ بیٹا شیخ جمن نے جو فیصلہ کیا ہے وہ ٹھیک ہی ہے، ورنہ ممکن تھا کہ عین جلسے کے بیچ پوری جماعت کو رسوا ہونا پڑتا، اور شیخ جمن کو ہارٹ اٹیک ہو جاتا، انکی آواز رہاٹ دار اور لچک دار ضرور ہے مگر وہ دل کے بڑے کمزور ہیں، کسی اچانک حادثہ کا برداشت کرنا ان کے لئے بڑا مشکل ہوتا ہے۔

بیٹا ۔ اباجی اس محدث کے شمارہ میں کیا خاص بات شائع ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے اتنا اہم اور دلچسپ موضوع والا پروگرام منسوخ کرنا پڑا؟

باپ ۔ بیٹا اس شمارہ میں باب الفتاویٰ میں جس فتویٰ کا جواب چھپا ہے یہ جامعہ سلفیہ بنارس کے محقق عالم دین شیخ الحدیث حضرت مولانا رئیس احمد ندوی کے قلم سے ہے فتویٰ میں یہ پوچھا گیا ہے کہ کوئی شخص مسجد میں آئے اور صف میں جگہ نہ پائے تو وہ کیا کرے، پیچھے تنہا نماز پڑھے، یا صف سے کسی کو کھینچ لے، یا امام کی اقتدا کرنے کے بجائے تنہا نماز پڑھے۔

جامعہ کے محقق عالم دین شیخ الحدیث صاحب نے اس کا جو جواب دیا ہے، یہی اس پروگرام پر ایٹم بم بن کر گرا، اور پروگرام کو منسوخ کرنا پڑا، اور شیخ جمن حفظہ اللہ نے مقلدین کے خلاف تقریر نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

بیٹا ۔ اباجی، یہ مسئلہ کوئی بڑا اہم تو نہیں ہے، مفتی صاحب نے جواب میں کیا لکھ دیا۔

باپ ۔ بیٹا مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنا متواتر المعنی حدیث نبوی میں ممنوع ہے اور وہ نماز بھی باطل ہو جائے گی، تو آنے والے نمازی کا اپنے سامنے والی صف کے کسی آدمی کو اشارہ کر کے پیچھے بلا لینا اور اس کے ساتھ صف لگا کر نماز پڑھ لینے میں ہی بھلائی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صف سے کسی نمازی کو کھینچنے کی اگرچہ کوئی صحیح ومعتبر حدیث نہیں مگر اس کی ممانعت بھی نہیں ہے، بلکہ بعض ضعیف اور مرسل روایات میں اس کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ لیکن ہمارا استدلال ان ضعیف ومرسل روایات سے نہیں ہے بلکہ فعل نبوی پر قیاس سے ہے ۔

شیخ جمن حفظہ اللہ اور شیخ کلو حفظہ اللہ کہتے ہیں کہ اب تک تو ہم کو یہی بتلایا گیا تھا کہ قیاس کرنا شیطان کا کام ہے، مقلدین کا مذہب ہے، اہل حدیث صرف قرآن وحدیث کو دلیل بناتے ہیں ۔ کی جانے والی تقریریں قیاس کے خلاف قرآن وحدیث کے پچاسوں حوالے تھے، اور اب جامعہ سلفیہ کا مفتی اسی حرام کاری میں مبتلا ہو گیا ہے، اور جو چیز اب تک حرام تھی وہ اس کے

نزدیک جائز ہوگئی، قیاس کرنا اب تک حرام تھا اب وہ جائز ہوگیا ہے۔ ہمارے علما رسم کو بے وقوف سمجھ کر مقلدین کے خلاف استعمال کرتے ہیں، اور شہر میں شورش پیدا کرتے ہیں، یہ بے اعتبار لوگ ہیں، ان کے جال میں ہم کب تک پھنستے رہیں گے۔

بیٹا۔ اباجی، شیخ جن حفظ اللہ کی برہمی تو برحق ہے۔

باپ۔ جی بیٹا بالکل برحق ہے۔

بیٹا۔ اباجی مفتی صاحب کا فتویٰ صحیح ہے؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

## خریداران زمزم متوجہ ہوں

خریداران زمزم میں سے جن حضرات کا چندہ ختم ہوگیا ہے ان کو اطلاع دی جا چکی ہے، اب پھر ان سے گذارش کی جاتی ہے کہ وہ اپنا چندہ اور جن کے ذمہ بقایا ہے وہ اس رقم کو جلد سے جلد روانہ کردیں۔

(مدیر)

# ابراہیم بن طہمان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابراہیم بن طہمان جلیل القدر محدث ہیں، یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد بھی ہیں اور ان سے امام ابوحنیفہ نے بھی حدیثیں روایت کی ہیں، بخاری و مسلم اور سنن اربعہ میں ان کی روایتیں ہیں۔

ان کی عظمت شان کا اندازہ اس واقعہ سے لگتا ہے، حضرت ابوزرعہ کہتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت امام احمد بن حنبل کی مجلس میں حاضر تھا کہ ابراہیم بن طہمان کا ذکر چل پڑا، حضرت امام احمد بن حنبل کسی بیماری کی وجہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، جب ان کی بات چلی تو امام احمد سیدھے بیٹھ گئے، اور فرمانے لگے کہ مناسب نہیں ہے کہ جب صالحین کا ذکر ہو تو آدمی ٹیک لگا کر بیٹھے۔

حضرت ابراہیم بن طہمان بڑے حاضر جواب اور علم اور علماء کی ذمہ داری سے واقف محدث تھے، ایک روز خلیفہ (غالباً مہدی خلیفہ) کی مجلس میں ان سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا ہوں، تو کسی نے کہا کہ تم ہر مہینہ بیت المال سے اتنا اور اتنا لیتے ہو اور ایک مسئلہ بھی اچھی طرح نہیں جانتے؟ تو انھوں نے اعتراض کرنے والے کو جواب دیا، میں بیت المال سے جو لیتا ہوں وہ اسلئے ہوتا ہے کہ میں جو جانوں اس کا اچھی طرح جواب دوں اگر نہ جانتے ہوئے بھی مسئلہ بتلانے پر پیسہ لیتا رہتا تو بیت المال کا خزانہ ختم ہوجاتا، خلیفہ کو ان کا یہ جواب بہت پسند آیا۔

---